دلبری
ایم۔اے راحت

انتساب

برخوردار [illegible]

نوید اختر کے نام

جس نے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا۔

ایم۔اے راحت

باب نمبر 1

بات ہوش کی ہوتی ہے۔ ہوش سے قیمتی شے اس کائنات میں اور کوئی نہیں ہوتی..... وہ دیوانے جو سڑکوں پر ننگ دھڑنگ پھرتے ہیں کچھ مل گیا تو کھالیا۔ کسی نے لباس پہنایا تو پہن لیا۔ ورنہ کوئی مشکل ہی نہیں۔
ماں مرگئی تھی، اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ بہت سے علاج کرائے تھے لیکن ڈاکٹر مجھے پہلے ہی بتا چکے تھے۔ "پھیپھڑے اس قدر گل چکے ہیں کہ اب کوئی امید باقی نہیں ہے۔"
"لیکن ڈاکٹر صاحب......"
"اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو ضرور کرلو۔ میں ہر طرح سے مدد کے لیے حاضر ہوں۔ ڈاکٹر شاہد نے کہا۔ لیکن میں بھی کچھ نہیں کر سکا۔ ہسپتال میں آخری سانسیں لیتے ہوئے امی نے کہا۔
"احتشام.... میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔
"جی امی۔"
"وہ' وہ.... دراصل.... میں.... تم...."
"مسٹر احتشام.... براہ کرم آپ انہیں زیادہ بولنے پر مجبور نہ کریں۔" ڈاکٹر نے کہا۔
"آپ خوب جانتے ہیں ڈاکٹر۔ اب سب ٹھیک ہے۔ کچھ کہنے سے میری چند سانسیں کم ہو جائیں گی اور.... اس سے زیادہ کیا ہو گا۔ احتشام زیادہ نہیں بولوں گی۔ میری مسہری کے پیچھے ایک چور خانہ ہے' اس میں میری ڈائری ہے' اسے کھول کر ضرور دیکھ لینا۔"
پھر ماں مرگئی تھی۔ اس شہر میں میرے شناسا نہ تھے۔ جو کوئی بھی تھا وہ دوسرے شہر میں تھا۔ زندگی کی کہانی ہی عجیب تھی' ہوش سنبھالا تو ایک چھوٹے سے گھر میں تنہا تھا۔ یہ چھوٹا سا گھر ایک ایسے محلے میں تھا' جہاں درمیانے درجے کے لوگ رہتے تھے۔ پھر ماں نے مجھے ایک

دوسرے شہر میں ایک اسکول میں داخل کرا دیا۔ اس وقت میری عمر تقریباً سات سال تھی اور اس سے پہلے کے جتنے سال گزرے تھے' وہ اسی گھر میں تن تنہا گزرے تھے۔ پڑوس کے لوگ آجاتے تھے اور بس ان کے علاوہ کسی سے شناسائی نہیں تھی۔ جس علاقے میں ہم لوگ رہتے تھے' وہاں کچھ ایسے لڑکے تھے جو زیادہ اچھے نہیں تھے۔ اسکول سے بھاگنا' سیر و تفریح' کھیل کود بچوں کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ ماں کو پتہ لگا تو انہوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا' اور نتیجتاً میرے لیے شہر ہی بدل دیا گیا۔ ماں اسی چھوٹے سے گھر میں رہنے لگی۔ پھر زندگی کا ایک طویل ترین دور میں نے ہوسٹل میں گزارا۔ اسکول اور اس کے بعد کالج' ماں سے ملاقات تقریباً نہ ہونے کے برابر رہتی تھی لیکن بہرحال میرے دل میں اپنی ماں کے لیے بے حد پیار تھا۔ ماں بیمار ہو گئی' بہت عرصے کے بعد مجھے اس کا پتہ چلا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہی رابطہ کیا تھا۔ گھر کے بجائے ماں سے ہسپتال میں ملاقات ہوئی اور میں نے شکایتوں کے انبار لگا دیئے۔

"یہ آپ نے کیا حالت بنالی ہے اپنی' اسی لیے مجھے اس شہر آنے سے منع کرتی تھیں۔"

"نہیں شامی یہ بات نہیں' بس یہ شہر' مجھے اس سے نفرت ہے۔"

"تو پھر آپ یہاں کیوں رہتی ہیں؟"

"اس لیے کہ مجھے یہیں رہنا تھا۔"

"آپ کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش نہ کرو' بس سب ٹھیک ہے' سمجھ رہے ہو نا۔"

"لیکن اب ــــ"

"احتشام۔" ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ میری حالت بہت خراب ہے' اور شاید میں زندگی کے آخری لمحات گزار رہی ہوں۔

"مجھے آپ سے صرف ایک شکایت ہے امی ــــ"

"کیا ــــ؟"

"آپ نے مجھے خود سے اتنا دور رکھا کہ نہ تو میں آپ کے بارے میں کچھ جان سکا' نہ آپ کی کوئی خدمت کر سکا۔"

"یہ ضروری تھا۔"

"کیوں؟"

"کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ ضروری تھا۔" ماں نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ واقعی اس کے بعد میرا کچھ پوچھنا غیر ضروری تھا' لیکن ڈاکٹر نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' آخر کار اس کا نتیجہ ماں کی موت کی شکل میں نکلا تھا اور میں یہ سوچتا رہ گیا تھا کہ پتہ نہیں میں اس کائنات میں بسنے والے انسانوں سے اتنا الگ کیوں ہوں۔ بہرحال اس کے بعد اس چھوٹے سے منحوس گھر میں داخل ہو کر میں نے کسی اور شے سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ ماں کی تدفین کے بعد' جب میں اس تنہا گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے میں نے وہ چور خانہ تلاش کیا جس میں ماں کے کہنے کے مطابق اس کی ڈائری موجود تھی اور اس کے بعد میں اس آگہی کی بات کروں گا جو مجھے حاصل ہوئی۔ آہ کاش انسان اگر اس حیثیت کا حامل ہو تو اس کا اپنی ذات سے ناواقف رہنا ہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ کتنے دوست تھے میرے' کتنا باعزت تھا میں' لیکن اس ڈائری کو پڑھنے کے بعد میری جو کیفیت ہوئی وہ بڑی عجیب و غریب تھی۔ اس ڈائری نے مجھے جو کچھ دیا' کاش ماں اس ڈائری کی نشاندہی نہ کرتی' کاش وہ ظرف سے کام لے کر اپنی حقیقت کو چھپا جاتی۔ یہ گھر بیچنے کے ساتھ ساتھ میں مسہری' فرنیچر اور وہ تمام چیزیں بیچ دیتا اور یہ ڈائری کبھی میرے ہاتھ نہ لگتی۔ کتنا اچھا ہوتا' کیا عمدہ زندگی گزارتا میں' لیکن انسان میں یہی تو خامی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کاش یہ نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ حالانکہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہر قیمت اور ہر حالت میں ہوتا ہے۔

❋ ❋ ❋

باب نمبر 2

بوسیدہ ڈائری تھی' کاغذوں کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور بعض کاغذ اس طرح خستہ ہو گئے تھے کہ اگر انہیں موڑا جاتا تو بسکٹ کی طرح ٹوٹ جاتے لیکن تحریر بہت اچھی اور جاندار تھی۔

اس میں میری ماں نے اپنی کہانی کچھ اس طرح لکھی تھی:

میرا نام ماہ نور بانو ہے لیکن لوگ مجھے ماہا کہتے ہیں۔ طوالت میں جانا بے کار ہے۔ زندگی کی کہانی کو جس طرح مختلف انداز میں محسوس کیا' وہی میری کہانی ہے اور وہیں سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ میں ایک طوائف کی بیٹی ہوں' میں نے طوائف کے کوٹھے پر جنم لیا۔ وہ تمام چیزیں سیکھیں جو مردوں کو رجھانے اور لبھانے کے لیے ایک طوائف کو سکھائی جاتی ہیں۔ ماں' بہنیں مجھے یہ بتاتی رہیں کہ میں اپنے حسن کی کیا قیمت وصول کر سکتی ہوں؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو گا؟ ایک طوائف کی زندگی کیا ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں میرے علم میں آچکی تھیں۔ مجھے نہ اپنے آپ سے کوئی شکوہ تھا نہ اپنی تقدیر سے۔ مجھے باقاعدہ تعلیم دلائی گئی' میٹرک کے بعد میں نے ایف۔ اے کر لیا تھا۔ یہاں بھی ماں نے مجھے چھوٹ دی تھی جبکہ میری باقی دو بہنوں کو میٹرک کرایا گیا تھا۔ ماں کا کہنا تھا کہ اگر ایک طوائف تعلیم یافتہ ہو تو زیادہ خوبصورتی سے اپنے گاہکوں کو مطمئن کر سکتی ہے۔ اچھی گفتگو بھی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ لیکن ماں کے خیال میں میٹرک کے بعد ہم جیسی لڑکیوں کا گھر کے ماحول سے دور رہنا مناسب نہیں ہوتا کیونکہ آزاد ماحول میں پرورش پائی ہوتی ہے۔ ہم نے جو کچھ دیکھا ہوتا ہے وہ اتنا ہوتا ہے کہ شریف زادیاں وہ سب کچھ نہیں جانتیں جو ہمیں علم ہو جاتا ہے۔ یہ علم کبھی کبھی نقصان دہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال میں نے ایف۔ اے کر لیا تھا' بقول ماں کے جوانی مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔ بہنیں بھی

یہی کہتی تھیں اور اس ابلتی ہوئی جوانی کو ایک ایسے شخص نے دیکھ لیا جو بہت دولت مند تھا۔ اختیار احمد کی عمر بھی کوئی زیادہ نہیں تھی۔ اس نے میری قیمت لگائی اور ماں نے اس بھرپور قیمت کے عوض مجھے اس کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ درحقیقت دولت کے ذریعے اسے بے تحاشہ رسائی حاصل تھی۔ اختیار نے ماں کو میری اتنی قیمت دے دی تھی کہ اس کے بعد ماں کو کچھ مانگنے کی ضرورت نہ رہی۔ اختیار نے کہا۔ "اب تم میری ملکیت ہو اور میں تمہیں اپنا بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔" ماں کو چونکہ اچھی قیمت ادا کر دی گئی تھی' اس لئے وہ بالکل خاموش ہو گئی اور اختیار مجھے لے کر ایک علیحدہ گھر میں آگیا جو اس نے میرے لئے خریدا تھا۔ اختیار آدمی کچھ عجیب سا تھا۔ شروع شروع میں اپنے بارے میں اس نے کبھی کچھ نہیں بتایا تاہم اتنا مجھے معلوم تھا کہ کسی دوسرے شہر کا باشندہ ہے اور لاتعداد ملوں اور فیکٹریوں کا مالک ہے۔ اس نے ایک احسان میرے اوپر یہ کیا کہ مجھ سے نکاح کر لیا اور مجھے یہ یقین دلایا کہ اب میں گناہ کی اس منزل پر نہیں ہوں' جہاں سے میں نکل کر آئی ہوں۔ یہ اس کا میرے اوپر بہت بڑا احسان تھا اور میں اس احسان کے بوجھ تلے ہمیشہ دبی رہی' یہاں تک کے میرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اختیار نے اس کا نام احتشام رکھا۔ احتشام میری زندگی کا محور ہے اور میں اس کے سہارے جی رہی ہوں۔ میں بالکل نہیں کہوں گی کہ قدرت نے مجھے کسی انعام سے نوازا کیونکہ ہم لوگ تو زمین کا گناہ ہوتے ہیں اور کیوں ہوتے ہیں' یہ ہم نہیں جانتے' ہماری تو ایک نسل پل رہی ہے وراس نسل کی تکمیل میں خود میرا کوئی دخل نہیں۔ اس لیے میں اپنے آپ کو قصوروار نہیں سمجھتی۔

پھر اس کے بعد میں یہ کہانی پڑھتا چلا گیا۔

ماں نے اختیار احمد کے بارے میں خاصی تفصیلات لکھی تھیں۔ ڈائری میں جگہ جگہ مختلف نکشافات کیے گئے تھے۔ وہ جگہ بتا دی گئی تھی' جہاں اختیار احمد صاحب رہتے تھے۔ اختیار احمد ماحب نے کبھی کبھی خود ہی جذباتی ہو کر آہستہ آہستہ اپنے اور اپنے گھر کے بارے میں نکشافات کر ڈالے تھے۔ ڈائری میں بہت سے کرداروں کا تذکرہ تھا جو اس دوران ماں سے ی ملتے رہے تھے اور انہیں اختیار احمد کے اس عمل کے بارے میں معلوم تھا۔ میں یہ پوری ئری پڑھتا رہا اور مجھے اپنے آپ سے آگہی حاصل ہوتی رہی۔ خیر اپنے آپ کو میں کوئی ندانی شخصیت تو کہہ نہیں سکتا تھا لیکن بہرحال یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ میرے اپنے ہیں۔

یہاں تک کہ اس شہر کے ایک حصے میں جو علاقہ ریڈ لائٹ ایریا کہلاتا ہے' اس میں میری نانی اور خالائیں موجود تھیں لیکن ان کے بارے میں سوچنا بھی گناہ تھا میرے لیے' البتہ جو کچھ مجھے معلوم ہو گیا تھا' اس نے خود میری نگاہوں میں اپنی وقعت گرا دی تھی۔ پھر میں نہ جانے کب تک بے یار و مددگار پھرتا رہا۔ اختیار احمد صاحب نے جو مکان ماں کو خرید کر دیا تھا' وہ بہت بڑا تھا اور جب انہوں نے میری ماں سے بے رخی اختیار کر لی اور سالہا سال اس طرح گزر گئے کہ انہوں نے ہماری کوئی خبر نہ لی تو ماں نے وہ مکان فروخت کر دیا اور ایک چھوٹا سا مکان خرید کر گمنام حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگی۔ مکان خریدنے کے بعد جو رقم باقی بچی وہ ماں نے میری تعلیم وغیرہ کے لیے مخصوص کر دی۔ اس سے میری تعلیم بی۔ اے (B.A) تک مکمل ہو سکی۔ اس ڈائری میں میری داستان حیات تھی۔ میرا مستقبل تھا یا میرے ماضی کی تلخیاں یا پھر وہ جس نے مجھے اپنی نگاہوں میں بالکل ہی بے مقصد اور بے وقعت کر دیا تھا۔ میں سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ گریجویشن کر چکا تھا' ارادہ تھا کہ ایم۔ اے (M.A) کروں لیکن اب ماں کی موت کے بعد یہ تمام تصورات دل و دماغ سے نکل گئے تھے۔ نہ جانے کب تک اس چھوٹے سے گھر میں رہ کر زندگی گزاری۔ پھر اچانک ہی یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ کم از کم میں اپنے باپ کے گھر کو تو دیکھوں جو ایک طرح سے میرا اپنا ہی گھر تھا۔ لیکن اگر میں وہاں جا کر اپنے بارے میں بتا دیتا تو شاید مجھے گولی مار دی جاتی۔ کیونکہ اختیار صاحب نے کبھی یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کی کوئی اور بیوی بھی کہیں اور رہتی ہے۔ میں ایک بات آپ کو بتاتا چلوں کہ اپنے کالج میں' ہوسٹل میں' جہاں جہاں میں نے وقت گزارا' انتہائی اچھی طبیعت اور خوش مزاج نوجوان کی حیثیت سے مشہور تھا اور لوگ مجھے پسند کرتے تھے۔ میرے دوستوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور میں ان کے درمیان ایک شریف زادہ کہلاتا تھا اور اچانک ہی مجھ سے میری شرافت چھن گئی تھی' کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اب تو میں ان دوستوں سے بھی نہیں ملنا چاہتا تھا' بس طبیعت پر ایک عجیب سی بوجھل بوجھل سی کیفیت طاری ہو گئی تھی' بہت دن تک سوچتا سمجھتا رہا اور اس کے بعد اپنی اس دیوانگی کے تحت وہ فیصلہ کیا جو پتہ نہیں درست تھا یا غلط لیکن بہرحال فیصلے تو فیصلے ہوتے ہیں' چاہے جیسے بھی ہوں۔

میں نے وہ مکان فروخت کر دیا اور ایک اچھی خاصی رقم لے کر وہاں سے چل پڑا۔ میری منزل وہ شہر تھا جہاں میرے والد اختیار احمد صاحب رہتے تھے' بہت بڑا شہر تھا لیکن میں کوئی

جاہل انسان تو تھا نہیں جو اس بڑے شہر میں اپنے آپ کو اجنبی سمجھتا۔ سب سے پہلے میں نے اپنی رقم کو محفوظ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہت سے ایسے نام میرے علم میں تھے جن سے میری واقفیت تھی' جن سے مل کر میں بہت سے معاملات حل کر سکتا تھا۔ اب یہ الگ بات کہ میرے پاس اپنی شخصیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ لیکن نہ سہی' زندگی کا ایک انداز ترتیب دینا تھا' بس اس انداز میں زندگی بسر ہو جائے تو کیا برا ہے' دیکھوں تو سہی دنیا کیسی چیز ہے اور اس دنیا میں کیا کیا ہوتا ہے' طبیعت پر ایک عجیب سی بوجھل بوجھل کیفیت طاری رہتی تھی اور میں عجیب سے عالم میں ہر چیز کو حسرت سے تکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں کس طرح اختیار احمد صاحب کے بارے میں معلومات کر کے ان تک پہنچوں کہ تقدیر نے میرے لیے خود بخود ایک موقع فراہم کر دیا اور تقدیر ہی انسان کے لیے راستے منتخب کرتی ہے۔ میں تو خلوص دل سے اس کا قائل ہوں۔

❋ ❋ ❋

باب نمبر 3

ہرچند کہ میری معلومات کے مطابق یہ میرے باپ کا شہر تھا یعنی میرا باپ یہاں کہیں رہتا تھا لیکن ظاہر ہے جس طرح میرا باپ میرے لئے اجنبی تھا اسی طرح یہ شہر بھی میرے لیے اجنبی تھا۔ پہلے میں اس سے ذرا واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیسے لوگ یہاں رہتے ہیں' ان کا طرز زندگی کیا ہے۔ میں اگر اپنے باپ تک پہنچنے کی کوشش کروں تو اس کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔ ابھی کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔

اس دن کوئی ساڑھے دس بجے ہوں گے میں ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ سنسان سی سڑک تھی اور بہت کم لوگ چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ ٹریفک بھی کم تھی سامنے ہی ایک بینک تھا۔ بینک سے ایک بزرگ شخصیت باہر نکلی' ہاتھ میں کپڑے کا ایک لمبا سا تھیلا تھا جس میں کچھ کاغذات وغیرہ رکھے ہوئے تھے' البتہ بزرگ شخصیت نے تھیلے کو کلائی میں باندھ کر اس مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہ یہ احساس ہوتا تھا کہ اس میں کوئی قیمتی شے ضرور ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ صاحب پیدل چلتے جا رہے تھے کہ اچانک ایک شخص گلی سے باہر نکلا جو کہ جینز پہنے ہوئے تھا۔ اس نے بزرگ کے قریب پہنچ کر جھپٹا مارا اور تھیلے کو ان کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی لیکن چونکہ تھیلا کلائی میں لپٹا ہوا تھا اس لیے آسانی سے اس کے ہاتھ نہیں آسکا۔ اس اوباش نوجوان نے اچانک ہی اس بزرگ کی ٹانگ میں زور سے اپنے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور وہ بزرگ نیچے گر پڑے' نوجوان ان کے سینے پر چڑھ گیا اور پھر اس تھیلے کے حصول کے لیے جدوجہد ہونے لگی۔ صاف ظاہر تھا کہ مجرمانہ کارروائی ہو رہی ہے' میں ہیرو تو نہیں تھا اور نہ ہی میرے سامنے کوئی خوبصورت لڑکی تھی جس کی مدد کر کے اس وقت میں داد حاصل کر لیتا۔ بس ایک قدرتی عمل تھا جس کے تحت میں نے اس نوجوان پر

چھلانگ لگائی اس کے بال پکڑے اور پوری قوت سے اسے بزرگ کے اوپر سے اٹھا لیا۔ نوجوان نے بزرگ کو چھوڑ کر مجھ پر حملہ کیا۔ شاید وہ کسی خاص طریقہ جنگ کا ماہر تھا۔ اس نے میرے پیٹ میں دو تین ضربیں لگائیں لیکن بالوں کی وجہ سے وہ بے بس ہو گیا تھا۔ میں نے بھی سوچا کہ مار لے بیٹا' پیٹ پھاڑ دے میرا لیکن تیرے بال نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے اچانک ہی جیب سے ایک لمبا چاقو نکال لیا۔ کلپ والا چاقو تھا اور اب اسے پکڑے رہنے کا مقصد یہ تھا کہ میری آنتیں میرے پیٹ سے باہر جھول رہی ہوں۔ میں نے اسے زوردار دھکا دیا لیکن اس کے باوجود اس نے مجھ پر چرکا لگا ہی دیا اور میرے سینے کے پاس سے قمیض پر خون ابھر آیا۔ اس دوران کچھ لوگ ادھر آگئے تھے' چنانچہ وہ نوجوان چاقو لہراتا ہوا واپس اس گلی میں بھاگ گیا۔ بزرگ اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے' کچھ نروس تھے' البتہ تھیلا ان کی کلائی میں محفوظ تھا اور نوجوان اسے حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا' کچھ لمحوں کے لیے ہنگامہ ہو گیا۔ میرے سینے سے مسلسل خون بہہ رہا تھا اور میری قمیض تر ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کا مجھے اندازہ تھا کہ چاقو کی نوک نے معمولی سا ایک نشان لگا دیا ہے۔ جس کی کوئی خاص تکلیف بھی نہیں تھی بزرگ بدحواسی کے عالم میں بولے۔

"ہسپتال ــــ ہسپتال' ارے خدا کے لیے کوئی رکشہ روکو' انہیں ہسپتال لے جانا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں محترم۔" "بہت معمولی سا زخم ہے آپ اس کے لیے بالکل فکر نہ کریں۔

"میاں ضد نہیں کرتے۔" "اچھا' دیکھو وہ سامنے جراح کی دوکان ہے' آؤ اسی طرف چلتے ہیں' مرہم وغیرہ لگوا لینا۔

"میں کر لوں گا' آپ نے جہاں جانا ہے جایئے۔" بزرگ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر دھر ادھر دیکھا' پھر بولے۔ "نہیں' ایسے نہیں جا سکتا۔ مجبوری ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔" نہوں نے تھیلے کو بغل میں دبا کر کہا اور میری کلائی پکڑ کر جراح کی دوکان کی جانب چل ڑے۔"

میں مسکرا رہا تھا' میں نے کہا۔

"آپ بلاوجہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں' براہ کرم آپ نے جہاں جانا ہے جایئے۔"

ایک بات کہوں میاں "میں ڈر گیا ہوں' اب تو تم مجھے گھر تک بھی چھوڑ کر آنا۔"

بہر حال وہ مجھے لے کر جراح کی دوکان پر پہنچ گئے۔ میں نے قمیض اٹھا کر جراح کو زخم دکھایا، جو واقعی معمولی سا نشان تھا۔ اس نے وہاں ایک مخصوص دوا اسپرے کر کے زخم پر ٹیپ چپکا دیا اور میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بس اتنی سی بات تھی، آپ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے تھے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ بات اتنی ہی رہی لیکن بیٹے کوئی اگر کسی کے لیے خون دے، تو جس کے لیے خون دیا گیا ہے، اس پر بھی تو کوئی فرض عائد ہوتا ہے۔"

"آپ کی محبت ہے، مہربانی ہے، آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کو کہاں پہنچا دوں، کیا اس تھیلے میں کوئی قیمتی چیز ہے۔"

بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر سوچتے رہے، پھر بولے۔

"رکشہ روکو میں تمہارے ساتھ اپنے گھر جاؤں گا۔"

"بہتر۔"

رکشہ ذرا زیادہ دور جا کر ملا تھا، میں نے بزرگ کو رکشہ میں بیٹھایا اور کہا۔

"اب تو آپ چلے جائیں گے۔"

"میاں کہاں بیچ میں مرواؤ گے، ذرا سا گھر تک چھوڑ دو، جہاں اتنی مہربانی کی ہے، تھوڑی سی اور کر دو۔" میں ان کے ساتھ رکشہ میں بیٹھ گیا۔ رکشہ نے اچھا خاصا سفر طے کیا تھا، پھر درمیانہ درجے کے ایک محلے میں ایک گھر کے سامنے رکشا رکا۔ بزرگ نے جیب سے پیسے نکالے اور رکشہ والے کو دیئے، میں نے کہا۔

"اب تو مجھے اجازت؟"

"کمال کے انسان ہو، کیا دنیا میں کسی نے تم پر احسان نہیں کیا یا تم ہی اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتے ہو یعنی دروازے پر سے واپس جا رہے ہو، آؤ کچھ دیر بیٹھو تو سہی، اندر آؤ میرے ساتھ۔" میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"آپ کی مرضی ہے۔"

"ایک بات بتا دو بس؟"

"جی فرمائیے۔"

"کوئی ضروری کام تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"میرا مطلب ہے کہیں جانا تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔"

"بس تو پھر آ جاؤ۔" انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا، دروازہ کھولنے والی تقریباً سات، آٹھ سال کی بچی تھی۔ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بڑے ادب سے سلام کیا تو میں نے گردن ہلا کر "وعلیکم السلام" کہا۔

"آؤ بیٹے آؤ۔" جہاں وہ مجھے لے گئے۔ کسی زمانے میں ایسی جگہوں کو بیٹھک کہا جاتا تھا لیکن اب ان کا رواج ختم ہو گیا ہے اور بیٹھک کی جگہ بڑے بڑے ڈرائنگ روم بن رہے ہیں۔ بیٹھک میں ایک دیوان، بید کی چار کرسیاں اور درمیان میں ایک چھوٹا سا قالین کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ بزرگ کہنے لگے۔

"اب تم یہاں بیٹھو اور عظمیٰ بیٹی تم ذرا مہمان کا خیال رکھو۔ یہ ہمارے مہمان ہیں، میں ابھی آ رہا ہوں۔" بزرگ اندر چلے گئے، تو میں ایک گہری سانس لے کر مسہری کی جانب بڑھ گیا۔ چھوٹی بچی جلدی سے میرے پاس آئی، اور بولی۔

"جناب عالی اگر برا نہ مانیں تو ایک درخواست کروں آپ سے۔" بچی کا انداز گفتگو اتنا دلکش تھا کہ مجھے زوردار ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔

"جی ارشاد فرمایئے؟"

"مہمان، دیوان پر نہیں، کرسی پر بیٹھا کرتے ہیں۔ آپ براہ کرم یہاں پر تشریف رکھیے۔"

"خوب۔" اب تو آپ سے معذرت کرنی پڑے گی۔

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے اگر کسی انسان کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو دوسرے انسان کا فرض ہے کہ اسے بتا دے۔" بچی نے کہا۔

"آپ کا نام عظمیٰ خالہ ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں خالہ تو نہیں ہے، صرف عظمیٰ بیگم ہے، ویسے اگر ہمیں دیکھ کر آپ کو اپنی خالہ یاد آ رہی ہیں تو آپ ہمیں صرف خالہ کہیں۔ پھر ہمیں عظمیٰ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے، آپ کو ہم خالہ جان ہی کہیں گے۔"

"جیتے رہو' بلکہ سلام کرو۔"

"سلام تو آپ پہلے ہی کر چکی ہیں' خالہ جان۔"

"اس وقت ہم خالہ جان نہیں تھے' اب ہو گئے ہیں۔"

"سلام خالہ جان۔"

"جیتے رہو۔ دودھو نہاؤ پوتو پھلو۔" بچی نے کہا' بالکل سنجیدہ چہرہ بنائے ہوئے تھی۔ مجھے ایک دم سے اس پر پیار آنے لگا۔ میں نے کہا۔

"خالہ جان آپ کو ہماری میزبانی سونپی گئی ہے۔"

"جی ہاں' والد بزرگوار تو یہی کہہ کر گئے ہیں۔"

"تو پھر ہماری میزبانی کیجئے۔"

"کچھ کھانے پینے کا موڈ ہے کیا؟"

"نہیں' صبح کا ناشتہ تو ہم کر چکے ہیں۔"

"دوپہر کے کھانے کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"کمال کرتی ہیں آپ۔"

"قصور آپ کا ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ نے ہمیں میزبان ہونے کا طعنہ دیا ہے۔"

"طعنہ تو نہیں دیا میں نے۔"

"تو پھر کیسی میزبانی چاہتے ہیں آپ؟"

"ذرا تعارف کرایئے اپنے آپ سے۔"

"ارے آپ کے سینے پر دھبہ کیسا ہے۔" اچانک اس نے چونک کر کہا۔

"بس یونہی تھوڑی سے چوٹ لگ گئی تھی۔"

"مگر خون کا دھبہ تو کافی ہے۔"

"مجبوری ہے' جب چوٹ لگتی تو خون نکلتا ہی ہے۔"

"لایئے قمیض اتار دیجئے' میں دھو دوں۔ ویسے آپ نے چوٹ پر کوئی مرہم لگایا ہے۔"

"جی ہاں لگالیا ہے۔"

"تو قمیض اتار دیجئے۔"

"اب اتنی چھوٹی سی خالہ کو ہم کہاں تکلیف دیں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" آپ براہ کرم قمیض اتار دیجئے۔

"بھئی' ہمیں شرم بھی تو آتی ہے نا۔"

"بھلا خالہ سے کیا شرمانا' ابھی بچے ہو' منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" اس نے کہا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

اتنی دیر میں وہ بزرگ اندر آگئے اور عظمیٰ سے بولے۔

"عظمیٰ آپ کی امی بلا رہی ہیں' چائے لے آؤ سنبھال کر۔"

"جی۔"

"آپ ضرورت سے زیادہ تکلف کر رہے ہیں۔"

"میرا نام فیض اللہ ہے" اب اپنا نام بتاؤ۔

"احتشام۔" ویسے شناسا شامی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

"احتشام میاں کہاں رہتے ہو؟"

"اس شہر میں اجنبی ہوں' کسی اور شہر سے آیا ہوں' بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک چھوٹی سی جگہ سے آیا ہوں۔"

"خیریت' تنہا ہو؟"

"جی ہاں۔"

"یہاں، میرا مطلب ہے اس شہر میں کوئی شناسا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیسے آنا ہوا؟"

"بس یہیں اسی شہر میں' آئندہ قیام کا ارادہ ہے۔"

"ٹھہرے کہاں ہو؟"

"ہوٹل میں۔"

"ہوں' اچھا' چلو پہلے چائے پیو پھر باتیں کرتے ہیں۔"

"ایک بات بتانا پسند کریں گے آپ؟"

"ہاں پوچھو۔"

"تھیلے میں کیا تھا؟"

"تھیلے میں میری عزت بند تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"عزت یقین کرو میری آبرو۔ زندگی کے ۳۰ سال بڑی عزت و آبرو کے ساتھ گزارے ہیں' یہ ۳۱ واں سال چہرے پر داغ بننے جا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ داغ' اس کے بھیجے ہوئے بندے کی وجہ سے میرے چہرے پر نہیں لگ سکا۔ میاں تھیلے میں ایک بڑی رقم تھی' لاکھوں روپے اور وہ میری رقم نہیں تھی' بلکہ میرے مالک کی تھی اور میرے مالک نے مجھ پر ۳۰ سال بھروسہ کیا ہے لیکن اب کچھ ایسے حالات ہیں جن کی بنا پر میری نیت پر آسانی سے شک کیا جا سکتا تھا۔ میں نے کہا اتنے عرصے کے بعد شک کیا جانا کچھ عجیب سا لگتا ہے' تو بولے اب میری نیت پر شک یوں کیا جا سکتا ہے کہ بیٹیوں کا باپ ہوں' جوان بیٹیوں کا بوجھ کاندھوں پر ہے اور اس بوجھ کو اپنے کاندھوں سے اتارنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس کے لیے مجھے رقم درکار ہے۔ میں جانتا ہوں کہ احمد صاحب بے مثال انسان ہیں۔ شریف اور خاندانی لیکن یہ جو کاغذ کے نوٹ ہوتے ہیں نا' یہ انسان سے بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔ کاغذ کے یہ نوٹ بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں' کون جانے احمد صاحب کے دل میں میل آ جاتا اور وہ یہ سوچتے کہ میں نے اپنا بوجھ اتارنے کے لیے یہ کھیل کھیلا ہے۔ یہ تو بعد کی بات تھی کہ میں اس کے بارے میں انہیں ثبوت پیش کرتا پھرتا کہ یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا اور پھر وہ بدبخت تو لے ہی گیا تھا یہ رقم' مجھے یقین ہے کہ کوئی بہت پہلے سے تاک میں تھا ورنہ کسی کو کیا معلوم کہ اس بھدے سے' میلے سے تھیلے میں اتنی بڑی رقم رکھی ہوئی ہے۔ بات پر اگر ذرا غور کرو تو اندازہ ہو جائے گا۔ اصل میں ویسے تو میں یہ رقم لانے کا خطرہ کبھی مول نہ لیتا لیکن اختیار احمد صاحب کچھ ایسی مصروفیات میں تھے کہ مجھ سے خاص طور سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ فیض اللہ رقم لا کر رکھنا' کسی کو نقد ادائیگی کرنی ہے۔ مگر یہ تھیلے کی کارروائی میں نے خود کی تھی یعنی یہ کہ میں نے سوچا کہ اس معمولی سے تھیلے پر کون شک کرے گا۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حویلی ہی کے کسی ملازم نے یہ بات کسی اور کو بتائی ہو اور ان بدبختوں نے سوچا ہو کہ چلو اس طرح رقم اڑانے میں آسانی ہو جائے گی۔ خدا تمہیں زندگی کی ہر خوشی سے بہرہ ور کرے۔ تم نے

در حقیقت ایک غریب کی عزت بچائی ہے۔ میں تو اگر دس بار بھی مر کر پیدا ہوتا تو اس رقم کی ادائیگی نہیں کر سکتا تھا۔ بیٹا تم نہیں جانتے کہ تمہاری یہ میزبانی میرے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموشی سے ایک دیوار کو گھورنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"چلیے' خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔" میں اس کا شکر گزار ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے اور بسکٹ وغیرہ آ گئے اور فیض اللہ صاحب کے اصرار پر میں نے چائے کی وہ پیالی پی لی پھر میں نے کہا۔

"خاں صاحب! اب اجازت دیجئے۔ فیض اللہ خاں صاحب نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے۔"

"تم نے کہا تھا کہ اس شہر میں اجنبی ہو' ہوٹل میں قیام ہے۔ بیٹے مجبور کرنے کا تو کوئی ذریعہ میرے پاس ہے نہیں اور ویسے بھی انسان کی نیت پر لمحوں میں شک کر لیا جاتا ہے لیکن دل میں اگر کوئی بات آئے تو کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا' تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"عزیزم! کچھ وقت اگر یہاں قیام کر لوگے تو دلی مسرت ہوگی۔" ہم بھی بس یوں سمجھ لو کہ تنہا ہی ہیں' ویسے تو اللہ خوش رکھے' اختیار احمد صاحب کو کبھی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا' چھوٹی موٹی تقریب بھی کرتے ہیں تو بیوی اور بچوں کو بلا لیتے ہیں اپنے پاس۔ عزت بھی دیتے ہیں لیکن بہرحال اگر تم کچھ وقت ہمارے ہاں قیام کر لو تو یقین کرو جی بڑا خوش ہوگا۔ میں سوچ میں ڈوب گیا پھر میں نے کہا۔

"فیض اللہ خاں صاحب آپ یقین کیجئے۔ میں بھی اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک ویرانے میں لگے ہوئے درخت کی مانند تنہا پاتا ہوں۔ کوئی بھی نہیں ہے میرا' لیکن آپ خود خیال فرمائیے کہ ایک چھوٹے سے عمل کے تحت میں اگر آپ سے اتنی رعائتیں مول لوں تو کیا میرا ضمیر یہ گوارا کرے گا۔"

"نہیں' کچھ بھی کہو' بس ایک درخواست تھی' منظور نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔" اتنی دیر میں عظمیٰ بیگم واپس آ گئیں اور بڑی بے تکلفی سے بولیں۔"

"یہ بھانجے صاحب' کہاں جانے کی باتیں کر رہے ہیں ابو؟"

"بھانجے صاحب؟"

"جی ہاں' انہوں نے مجھے عظمیٰ خالہ کہا ہے' آج سے میں ان کی خالہ جان ہوں۔"

"ارے بدتمیز' اتنی چھوٹی سی خالہ ہوتی ہیں۔"

"کیوں' خالہ ہونے کے لیے کیا چھت تک لمبا ہونا ضروری ہے۔" عظمیٰ نے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ میری خالہ جان ہی ہیں۔ فیض اللہ خاں مجھے گھور کر دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر عظمیٰ بیگم آپ کے سپرد ایک ذمہ داری کی جاتی ہے کیا آپ وہ ذمہ داری قبول کریں گی۔"

"جی ابو فرمایئے؟"

"یہ آپ کے بھانجے صاحب جانے کیا باتیں کر رہے ہیں حالانکہ یہ ہمارے محسن ہیں اور انہوں نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے لیکن یہ اس احسان کا صلہ نہیں قبول کرنا چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس چھوٹے سے احسان کے بدلے یہ یہاں رک نہیں سکتے۔ اب اگر یہ ذمہ داری ہم آپ کے سپرد کر دیں تو کیسا رہے؟"

"ایک شرط ہے۔" عظمیٰ نے کہا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ کہیے۔۔۔ کہیے۔"

"آپ چلے جائیں' دروازہ ادھر سے بند کر لیں' ادھر سے میں دروازہ بند کرتی ہوں' پھر دیکھتی ہوں یہ بھانجے صاحب یہاں سے کیسے جاتے ہیں مگر آپ کچھ بولیں گے نہیں۔"

"بدتمیز ہو' ایسی باتیں کرتے ہیں کہیں۔ فیض اللہ صاحب بولے۔"

"اب یہ آپ خود دیکھ لیجئے' یعنی فتویٰ دینے میں تو یہ بزرگ ماہر ہوتے ہیں۔ ہم نے بدتمیزی کیا کی ہے' اصل میں دروازہ بند کر کے' ہم تھوڑا سا روئیں گے اور اپنے ان بھانجے صاحب سے کہیں گے کہ "پیارے بھانجے خالہ کی عزت آبرو رکھ لو۔ اس وقت ہو سکتا ہے' ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے لیکن آپ نے بدتمیزی کا فتویٰ لگا دیا۔ بھئی کمال ہے کاش بزرگوں پر اختیار حاصل کرنے کی کوئی جڑی بوٹی ہوتی۔"

فیض اللہ صاحب ہنسنے لگے' پھر بولے۔

"بہت باتیں کرتی ہے' اچھا چلو ہم باہر چلے جاتے ہیں" اور اس کے بعد جب فیض اللہ صاحب باہر چلے گئے تو عظمیٰ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے' اگر آپ کچھ وقت ہمارے ساتھ رہ جائیں گے تو آپ کی خالہ کی عزت رہ جائے گی۔" مجھے ہنسی آ گئی' میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے خالہ جان' آپ کا حکم تو سر آنکھوں پر۔" اور عظمیٰ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"بھانجا ہو تو ایسا۔" اس نے کہا' نہ جانے کیوں' میری آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی' رشتے ناتے' محبت' پیار اور پھر یہ چھوٹی سی بچی' جو میری زندگی میں ایک اجنبی تھی۔ اندر سے ایک آواز ابھری کہ "احتشام جو نہیں ملا' وہ مل رہا ہے اسے قبول کرو۔" کم از کم ایک چھوٹا سا معصوم خاندان تمہیں اپنائیت دے رہا ہے۔ تم یہ جانتے تو نہیں تھے کہ تھیلے میں اتنی بڑی رقم ہے۔ یہ تو سب ذریعے ہوتے ہیں قدرت کے' کسی کو نوازنے کے لیے' یہ صورتحال قبول کر لو۔"

* * *

باب نمبر 4

ایسے ٹھکانے تقدیر سے ملتے ہیں' میں وہاں فروکش ہو گیا۔ ہوٹل سے اپنا سامان بھی اٹھالایا تھا' بس چند جوڑے کپڑے تھے' اس کے علاوہ تھا ہی کیا۔ فیض اللہ خان اور ان کی بیگم صاحبہ بہت ہی نیک نفیس خاتون تھیں۔ فیض اللہ خان صاحب تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ سب سے چھوٹی عظمیٰ ہی تھی' نجمہ اور صوفیہ بڑی تھیں' نوجوان تھیں' لیکن دو تین ہی دن کے اندر اندر وہ بھی میرے سامنے آگئیں اور میں نے ایک لمحے کے اندر محسوس کر لیا کہ نہایت باحیا اور درحقیقت شریف زادیاں ہیں۔ میں ان کے بارے میں سوچتا رہا اور میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ احتشام تمہاری اپنی جو حیثیت ہے' تمہیں اپنی ماں سے اس کا علم ہو چکا ہے۔ دنیا کا کہنا ہے کہ براخون' براہی ہوتا ہے۔ اس نظریئے کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔ ان بچیوں کو اس وقت تک اپنی سگی بہن کا مقام دو جب تک کہ فیض اللہ خاں کو تمہاری حیثیت معلوم نہ ہو جائے اور وہ تم سے خود معذرت کر کے تمہیں گھر سے نہ نکال دیں۔

بہرحال فیض اللہ خان صاحب کے ہاں میری بڑی عزت افزائی ہوتی رہی' میرے پاس اچھی خاصی رقم تھی جو ایک دن میں نے چچی جان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"چچی جان! یہ تھوڑے سے پیسے ہیں' آپ انہیں رکھ لیجئے' یوں سمجھ لیجئے' یہ میرا کل اثاثہ ہے' جوان آدمی ہوں' بیٹھ کر نہیں کھانا چاہتا' میں یہ رقم آپ کو اپنی یہاں رہائش یا کھانے کے عوض نہیں دے رہا بلکہ جب یہ گھر میرا اپنا ہے تو اس رقم کو اپنے پاس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے اور آپ کے درمیان کوئی فرق سمجھا اور اگر آپ نے اسے رکھنے سے انکار کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ میرا یہ احسان نہیں لینا چاہتے۔

دوسرے دن فیض اللہ خاں صاحب نے مجھ سے کہا۔

"جو کچھ تم نے بیگم صاحبہ سے کہا ہے' وہ بالکل ٹھیک ہے' ہم تمہیں وہ رقم واپس نہیں کریں گے لیکن کم از کم اتنا تو حق دو ہمیں کہ اسے اپنی امانت کے طور پر تمہارے پاس رہنے دو اور جہاں تک تمہارا اپنا سلسلہ ہے تو بیٹے یقین کرو' پانچ افراد کا کھانا پکتا ہے یہاں' چھٹے فرد کے لیے اس میں سے گنجائش نکل آتی ہے' جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا' ایک اچھے انسان کے ہاں خزانچی کے عہدے پر فائز ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے ابھی میری اس ملازمت کو کوئی زوال نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم بھی وہاں رہ کر کچھ کرو۔ ابھی تک احمد صاحب دورے سے واپس نہیں آئے ہیں۔ لمبے نکل جاتے ہیں' احمد صاحب میرے مالک کا نام ہے' سب انہیں احمد صاحب کہہ کر ہی مخاطب کرتے ہیں' وہ آجائیں تو میں تمہارے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کروں گا۔ ویسے اگر ایک بات کہوں تو مان لو گے۔"

"جی۔"

"بی۔ اے (B.A) کیا ہے نا تم نے؟"

"جی ہاں۔"

"تھوڑا سا اکاؤنٹس وغیرہ کا کام کر سکتے ہو۔"

"تجربہ تو کچھ نہیں ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے مشکل نہیں ہو گا۔"

"تم ایسا کرو' میں کچھ کھاتے وغیرہ تمہارے لیے لے آؤں گا آج' تم انہیں ذرا دیکھ کر کھاتے لکھنے کی مشق کر لو۔ اصل میں بات یہ تھی کہ کچھ عرصے قبل احمد صاحب خود یہ بات مجھ سے کہہ رہے تھے کہ فیض اللہ خاں صاحب اپنا کوئی معاون رکھ لیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کے اپنے بھروسے کا آدمی ہو۔ بہت عرصے سے میں اس بارے میں سوچ رہا تھا لیکن سچ کہوں ہمت نہیں پڑ رہی تھی کسی کا انتخاب کرتے ہوئے کیونکہ ذمہ داری تو بہرحال میری ہوتی لیکن اب تم سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے میرے لیے۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

پھر ایک دلچسپ مشغلے کا آغاز ہو گیا۔ فیض اللہ خاں صاحب باقاعدہ مجھے اکاؤنٹس بنانے کی تربیت دیتے رہے اور ایک ہفتہ مکمل ہونے کے بعد انہوں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"تمہارا کام مکمل ہو گیا ہے اور تمہیں اس بات کی خوشی ہو گی کہ میں نے تمہارے لیے بات بھی کر لی ہے احمد صاحب سے۔

"احمد صاحب واپس آ گئے؟"

"آئے اور گئے۔ فیض اللہ خاں صاحب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے' آئے تھے اور اس بار غالباً ایک ڈیڑھ مہینے کے لیے گئے ہیں' کہہ رہے تھے فیض اللہ' ذرا خیال رکھنا' ممکن ہے واپسی پر مجھے زیادہ وقت لگ جائے' تمہارے بارے میں یہ کہہ گئے کہ بھئی میں نے تو پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ تم اپنے بھروسے کا آدمی رکھ لو جو تنخواہ چاہو منتخب کر لینا۔ پھر بھی میں نے انہی کی زبان سے تنخواہ کی بات بھی کرائی' بھئی مبارک ہو تمہیں' تین ہزار مہینہ سے آغاز ہو گا اور باقی تمہاری کارکردگی کے مطابق۔ دیکھو برا نہ ماننا' اصل میں اگر کوئی ذمہ داری ڈال دی جائے کسی کے کندھوں پر تو پھر ذرا حساب کتاب میں چوکس رہنا پڑتا ہے۔

میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی' ایک گھرانہ مل گیا تھا مجھے' میری ذہنی رو نہ جانے کہاں سے کہاں تک چلی جاتی' ماں کی ڈائری میں جو کچھ پڑھا تھا' اسے پڑھنے کے بعد دل و دماغ میں نا جانے کیا کیا تصورات پیدا ہو گئے تھے لیکن اتفاق کی بات تھی کہ ایک نیک اور نفیس گھرانہ مل گیا تھا تو طبیعت میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ دل میں میں نے سوچا کہ ایک ایسے شخص کا سہارا بن رہا ہوں جو درحقیقت بے سہارا ہے' تین بیٹیوں کا باپ میرا کیا ہے' میں تو کسی فٹ پاتھ پر بھی رہ سکتا ہوں اور پھر میں کوئی شریف زادہ تو ہوں نہیں۔

پھر میں نے اپنی ڈیوٹی پر جانا شروع کر دیا۔ فیض اللہ خاں صاحب کے ساتھ کام کرتا تھا۔ بڑی مدد کر رہے تھے میری۔ اس دوران اس حویلی کے ماحول کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا۔ ایک شاندار حویلی کا ماحول جیسا ہو سکتا تھا' ویسا ہی تھا' بہت سے ملازمین تھے۔ اس دفتر میں بھی تین افراد میرے علاوہ کام کر رہے تھے۔ ایک چپڑاسی تھا' دو کلرک تھے' میں اسسٹنٹ اکاؤنٹس افسر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ زمینوں کے معاملات ہوتے تھے' بڑے بڑے کھاتے لکھنے پڑتے تھے اور اب میں اس کام میں مہارت حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ باقی اس دوران مجھ سے کسی نے تعرض نہیں کیا تھا اور گزر بسر ہو رہی تھی لیکن جب مہینے کی پہلی تنخواہ میرے ہاتھ میں آئی تو میں گھر پہنچا اور میں نے پورے تین ہزار روپے چچی جان کے ہاتھ پر رکھے تو چچی جان نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولیں۔

"اپنے اوپر کچھ خرچ نہیں کرو گے' جمع کرنے کا بہت شوق ہے؟"

"جی چچی جان۔" میں کس حیثیت سے یہاں رہ رہا ہوں' آپ مجھے ذرا یہ بتائیے؟

"فیض اللہ خاں صاحب اس خدشے کا اظہار پہلے ہی کر چکے تھے۔"

"کیا مطلب۔"

"کہہ رہے تھے کہ تم تنخواہ لا کر مجھے ہی دو گے اور ہم لوگ بڑے پریشان تھے۔"

"اگر آپ لوگ زیادہ پریشان ہیں تو آپ نے جتنی مدد میری کر دی ہے' اتنی ہی کافی ہے' اب مجھے یہاں سے واپسی کی اجازت دیجئے۔" میں نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"اوہ کمال ہے' یعنی بزرگوں کی موجودگی پر تو غور ہی نہیں کیا جاتا ہے' ارے خالہ کا رتبہ رکھتی ہوں۔ کوئی معمولی شخصیت تو نہیں ہوں' میں کہتی ہوں آخر مجھ سے ایسے معاملات میں مشورہ کیوں نہیں لیا جاتا۔" عظمیٰ نے کہا۔

"ہاں' خالہ جان آپ دیکھئے نا' اب یہ آپ کی محترمہ والدہ صاحبہ میری تنخواہ لینے سے انکار کر رہی ہیں۔"

"اصل میں پتہ ہے کیا بات ہے......؟"

"عظمیٰ بری بات ہے' کم بولتے ہیں۔ چچی جان نے اسے ڈانٹا۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے' جو بات آپ لوگ نہیں کر سکتے' وہ میں کر لوں گی' اکیلے ہی کر لوں گی....." میں واقعی وہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ پیسے تو رکھ لیے تھے انہوں نے اور مجھے خود بھی بہت اچھا لگا تھا اگر ملازمت کرتا تو ماں کو یہ پیسے دیتا اور ان لوگوں نے مجھے بیٹے کا درجہ دیا تھا۔ لیکن عظمیٰ نے جو بات مجھ سے کہی' وہ میرے لیے بہت خوفزدہ کر دینے والی تھی اور پھر میں اس پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا تھا.... "عظمیٰ نے کہا تھا...."

"آپ جانتے ہیں' امی اور ابو کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"دیکھیے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے نجمہ اور صوفیہ باجی کو دیکھا ہے' دیکھا ہے نا۔" عظمیٰ کہنے لگی۔

"ہاں۔" روزانہ دیکھتا ہوں۔

"اصل میں دونوں بچیاں جوان ہو گئی ہیں اور ابو امی کو ان کی شادیوں کی فکر پڑی ہوئی

تھی۔ ابو کہہ رہے تھے امی سے کہ اگر احتشام تیار ہو جائیں' تو نجمہ یا صوفیہ میں سے کسی سے ان کی شادی کر دی جائے' اس طرح ایک نیک بچہ گھر میں رہے گا اور اخراجات بھی زیادہ نہیں ہوں گے۔ بعد میں جو دوسری بچیاں یعنی ایک میں اور وہ جس سے آپ شادی نہیں کریں گے رہ جائیں گی تو دیکھا جائے گا' اللہ مالک ہے۔ گھر میں کم از کم کسی شریف زادے کا سہارا تو ملے گا۔" میں یہ بات سن کر دنگ رہ گیا اور پھر وہ پوری رات میں نے غور کر کے گزاری تھی اور کچھ فیصلے کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

تین دن کے بعد چھٹی کا دن آیا تھا۔ اس دن فیض اللہ خاں صاحب بھی گھر میں ہوتے تھے اور اچھی خاصی رونق بڑھ جاتی تھیں۔ عظمیٰ کی شرارتیں عروج پر ہوتی تھیں لیکن پورے دن کی شرارتوں کے بعد جب فیض اللہ خاں صاحب میرے پاس آئے اور باورچی خانے کی خوشبو سونگھنے کے بعد بولے۔

"پتہ ہے آج تمہاری چچی جان کیا پکا رہی ہیں؟"

"کچھ کوفتوں وغیرہ کا سلسلہ چل رہا ہے شاید۔"

"عظمیٰ بتا گئی ہو گی۔" فیض اللہ خاں صاحب ہنس کر بولے۔

"ہاں' کہہ رہی تھی پلاؤ پک رہا ہے اور امی خاص طور سے نرگسی کوفتے بنا رہی ہیں۔"

"واہ لطف آجائے گا آج تو۔"

"تمہیں پسند نہیں۔"

"جی ہاں۔"

"چلو یہ اچھی بات ہے۔"

"ویسے خاں صاحب' میں آج آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" آپ کہیں تو کھانا کھانے کے بعد۔

"کیوں خیریت۔" کوئی سنجیدہ بات ہے کیا؟

"جی ہاں' بے حد سنجیدہ۔"

"تو پھر اس کے لئے کھانا کھانے کا انتظار ہی کیوں کیا جائے۔"

"نہیں معافی چاہتا ہوں' ہو سکتا ہے میری بات آپ کو کچھ تلخ محسوس ہو' اتنا عمدہ کھانا پک رہا ہے' یہ کڑواہٹیں کھانا کھانے کے بعد ہی مناسب رہیں گی۔"

فیض اللہ خاں صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے پیلاہٹ پھیل گئی تھی' وہ خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے"

"ٹھیک ہے' لیکن۔۔۔۔؟ ایسی آخر بات کیا ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ اس کے لیے انتظار کرنا بہتر رہے گا۔ کھانا واقعی شاندار تھا' چچی جان پہلے بھی ایک بار یہ دونوں چیزیں کھلا چکی تھیں' میں ان سے کوئی فرمائش کرنے میں بڑا محتاط رہتا تھا۔ کیونکہ ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے ان لوگوں کے ساتھ اور پھر ویسے بھی بیچاری چچی جان کو پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ رات کو کھانے کے بعد فیض اللہ خاں صاحب مجھے لے کر ایک بالکل ہی الگ گوشے میں آبیٹھے۔" تو میں نے کہا۔

"چچی جان کو بھی بلا لیجئے' تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

اصل میں کچھ شبہ انہیں بھی ہو گیا تھا۔

"بلا لوں۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے میں بلا کر لاتا ہوں۔"

چچی جان بھی آ گئیں' چہرہ پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے اس دوران ان سے گفتگو کرنے کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کر لیا تھا۔ وہ دونوں سنجیدگی سے میری صورت دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔

"تقدیر عجیب عجیب کھیل دکھاتی ہے' فیض اللہ خاں صاحب۔ بعض اوقات انسان وہ نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے بلکہ شاید میں غلط کہہ رہا ہوں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ جو نظر آنا چاہتا ہے' وہ نظر نہیں آ سکتا۔" دنیا کو دھوکا دے لیا جائے لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں' جنہیں دھوکا دینے کے بعد ساری زندگی دل میں داغ پڑا رہتا ہے۔ فیض اللہ خاں صاحب آپ بہت اچھے انسان ہیں' بہت نیک اور نفیس ہیں۔ میں آپ سے انتہائی خلوص دل کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کسی طور آپ کے قابل نہیں ہوں۔ اب تک اپنے آپ کو چھپائے' آپ کے گھر کی چھت کے نیچے زندگی گزار رہا ہوں جبکہ آپ اس قدر نیک نفیس انسان ہیں کہ میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑ رہا ہے۔ فیض اللہ خاں صاحب آپ کو ایک وعدہ کرنا ہو گا کہ اگر عظمیٰ کے بارے میں' میں آپ سے کچھ کہوں تو اس بچی کو ایک بھی تلخ لفظ نہیں کہیں گے آپ' مجھ پر بہت

بھروسہ کرتی ہے اور خدا کی قسم اگر کوئی ایسی بات ہوتی جسے آسانی سے نظرانداز کیا جا سکتا تو میں کبھی اس بچی کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتاتا۔"

اصل میں عظمیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ کے اور چچی جان کے دل میں کیا ہے' فیض اللہ خاں صاحب مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے دنیا کے کھیل کا' کیونکہ میری کوئی بہن بھی نہیں ہے' بھائی بھی نہیں ہے۔ ماں تھی جو اس دنیا سے رخصت ہو گئی' باقی میں آپ کو ذرا سی تفصیل اور بتاؤں گا۔ نجمہ اور صوفیہ دونوں ایسی لڑکیاں ہیں کہ خداوند قدوس سے میری یہی دعا ہے کہ انہیں ان کی نیکیوں کا صلہ دے اور انہیں ایسے گھر دے جہاں وہ زندگی کی ساری خوشیوں سے ہمکنار ہوں۔ میں ان میں سے کسی ایک کے قابل بھی نہیں ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ کھلے دل سے انہیں بہن بھی نہیں کہہ سکتا حالانکہ میرا دل چاہتا ہے کہ پوری سچائیوں کے ساتھ انہیں اپنی ایک ایسی بہن کہوں جو اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسا ہی پیار ہے مجھے ان سے' اور اتنی ہی عزت کرتا ہوں میں ان کی۔ آپ کے دل میں یہ خیال ہے کہ مجھے ان میں سے کسی کی زندگی میں شامل کر دیں۔ ایک باپ اور ایک ماں کی مجبوری کو میں سمجھتا ہوں۔ میری مجبوری آپ سمجھ لیجئے گا۔ ماں کے ساتھ پروان چڑھا۔ باپ کے بارے میں کبھی علم نہ ہو سکا کہ اس نے ماں کو چھوڑ دیا یا مر گیا۔ کوئی بات پتہ نہیں چل سکی تھی مجھے کبھی تجسس بھی نہ رہا' اس لیے کہ ماں نے ہر وہ کمی پوری کر دی تھی جو باپ کے نام کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر کار ماں کی بیماری رنگ لائی اور جب وہ مرنے لگی تو اس نے ایک ڈائری کی نشان دہی کی جو اس نے ہمیشہ مجھ سے چھپا کر رکھی تھی اور اس میں اپنی داستان حیات لکھتی رہتی تھی۔ درحقیقت میری ماں ایک طوائف تھی' ایک طوائف کی بیٹی لیکن اس طوائف کے گھر ایک شخص آیا اور اس نے اس عورت کو خرید لیا جو میری ماں تھی۔ ان لوگوں کا تو خیر یہ کاروبار تھا' وہ بک گئی لیکن وہ شخص جس نے میری ماں کو خریدا تھا' ایک اچھی فطرت کا مالک نکلا' اس نے بھرپور رقم ادا کر کے' میری ماں کو میری نانی سے خرید لیا اور ایک مکان لے کر الگ رکھا لیکن یہ نیک نفسی کا ایک ایسا مظاہرہ تھا جو کبھی کبھی جذباتی طور پر ہو جاتا ہے۔ وہ خود ایک خاندانی آدمی تھا اور کچھ عرصے کے بعد آخر کار اس کے خاندان نے اس کی شادی ایک اور جگہ کر دی۔ ابتدا میں اس نے ماں کو بہت کچھ دیا لیکن رفتہ رفتہ وہ اسے بھول گیا اور پھر اس کے بعد سے کبھی اس نے میری ماں سے رابطہ نہیں کیا۔ میں اسی کی اولاد ہوں لیکن شاید

کبھی اس نے زندگی میں میری شکل بھی نہیں دیکھی۔ وہ جو کچھ کر چکا تھا' اس کے بعد مطمئن ہو گیا تھا کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ ماں نے مجھے احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے کبھی بھی نہیں بتایا لیکن مرتے وقت وہ یہ انکشاف کر گئی بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں ایک طوائف زادہ ہوں۔ میری رگوں میں کوئی اچھا خون نہیں ہے۔ میں کسی ایسے خاندان میں شامل ہو کر اس کے خون کو گندا نہیں کرنا چاہتا' جس میں آپ جیسے شریف لوگ ہوں' اگر اس گندے خون کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنا پسند کریں گے تو مجھے اس بیٹھک میں پڑا رہنے دیں۔ میں نے اپنا راز آپ کو صرف اس لیے بتا دیا ہے کہ آپ کے ذہن میں میرے لیے بہت اچھے اور نیک خیالات آ رہے تھے۔ باقی دنیا سے اپنے آپ کو چھپاؤں گا۔ کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں کیونکہ اس کے بعد حقارت کی جن نگاؤں کا مجھے سامان کرنا پڑے گا وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہوں گی اور ممکن ہے میں جرم کی راہ پر نکل جاؤں۔ میں نے آپ کو اس لیے بتا دیا ہے کہ آپ اپنا خون خراب نہ کریں۔ جہاں تک میری ان تینوں بہنوں کا معاملہ ہے تو آپ یقین کیجئے کہ تمام حقیقت جاننے کے بعد بھی اگر آپ نے مجھے اپنے درمیان جگہ دی تو ان کے لیے ایک بھائی ہی کا کردار ادا کروں گا۔" ان کے لیے اچھے رشتہ تلاش کروں گا' میری آواز بھرا گئی تھی۔ چچی جان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ چچا جان یعنی فیض اللہ خاں صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر چچی جان اپنی جگہ سے اٹھیں' میرے قریب پہنچیں اور میرا سر اپنے سینے سے لگا کر بولیں:

"خدا کی قسم تم پر بڑے بڑے شریف زادے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ عورت ایک کمزور اور مجبور وجود ہے۔ کوئی کسی گھر میں پیدا ہو جائے تو پیدائش کے فوراً بعد ہی تو وہ اپنے گھر سے تعارف نہیں کر سکتا' اگر اس عورت نے جو ایک طوائف کے شکم سے پیدا ہوئی تھی' بعد میں ایک مرد کے ساتھ اپنی ساری زندگی نبھا دی' تو پھر یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اس سے زیادہ کوئی شریف زادی اور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی پیشہ پیشہ نہیں ہوتا' کوئی شخصیت شخصیت نہیں ہوتی۔ بڑی بڑی امیر زادیاں' بڑی بڑی شریف زادیاں' طوائفوں سے بدتر کردار ادا کرتی ہیں اور بڑے بڑے بدکردار گھروں کی لڑکیاں' نیک نفسی کی ایسی مثالیں قائم کرتیں ہیں جن کے حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ ویسے نجمہ اور صوفیہ کو تم اگر اپنی بہنوں کی مانند سمجھتے ہو تو خدا کی قسم صرف اس لیے نہیں کہ تم نے اپنی حقیقت بتا دی ہے بلکہ صرف اس

لیے کہ تمہارے دل میں اس کے لیے دوسرا جذبہ ہے' تم ان کے سرپرست' ان کے رکھوالے ہو اور میں پوری خوشی کے ساتھ تمہیں اپنی اولاد کہتی ہوں جو تم کہہ چکے ہو اسے بس یوں سمجھو کہ ہمارے سینے کے قبر میں دفن رہنے دینا' باقی اور کچھ نہیں' تم اسی گھر میں رہو گے۔ اب تم اس گھر کے سرپرست ہو۔ اس کے باوجود ان دونوں بچیوں میں سے کسی کو اپنے قابل سمجھتے ہو' تو جس کو تم کہو وہ تمہارے نکاح میں دے دوں۔

"تم دنیا کے اچھے سب سے اچھے خون ہو۔" فیض اللہ خاں صاحب بولے۔

"خدا کی قسم' یہی الفاظ میرے بھی ہیں۔ تم میرے لیے لاکھوں گنا باعزت ہو گئے ہو۔" اور دیکھو اس کے بعد اس گھر سے جانے کا نام لیا تو میں خودکشی کرلوں گا۔" میں نے کہہ دیا تم سے۔

میں بھی اپنے آنسو نہ روک سکا۔ لیکن یہ آنسو ایک حسین مستقبل کا آغاز تھے۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس خاندان نے میرے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے قبول کیا تھا اور مجھے اتنا بڑا مقام دیا تھا جو الفاظ مجھ سے کہے گئے تھے وہ میرے لیے بڑی حیثیت کے حامل تھے۔ لیکن بات وہی تھی' فیض اللہ خاں صاحب خود انسان تھے۔ میں آپ سے حقیقت عرض کررہا ہوں کہ اگر فیض اللہ خاں صاحب مجھے یہ مقام نہ دیتے تو ہو سکتا تھا کہ کسی وقت میں منفی سوچ والا شخص بن کر اس دنیا کے خلاف کچھ کرنے کے بارے میں سوچ لیتا لیکن ایک سچے انسان کی نگاہ نے' ایک انسان کو جانور بننے سے روک دیا تھا۔

* * *

باب نمبر 5

ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ اور بڑی دلچسپی سے میں نے احمد صاحب کی اس شاندار کوٹھی میں اپنا کام جاری رکھا۔ میں بہت سے معاملات میں کافی آگے نکل گیا تھا اور اب مجھے اپنے اندر ایک اعتماد سا محسوس ہوتا تھا۔ انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا موقع مل گیا تھا۔ اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کے بعد گھر آتا تھا تو عظمیٰ میں گم ہو جاتا تھا۔ اس بچی سے مجھے اپنی اولاد کی مانند محبت ہو گئی تھی حالانکہ میں نہیں جانتا تھا کہ اولاد کیا ہوتی ہے لیکن دل چاہتا تھا کہ اس پر اپنا سب کچھ قربان کردوں۔ وہ مجھے بڑے پیار سے بھانجا کہا کرتی تھی اور میں اسے خالہ۔ نجمہ اور صوفیہ بھی بہت لاجواب لڑکیاں تھیں' محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان میں اور وہ بھائیوں کی مانند مجھ سے پیش آئی تھیں۔ شاید میرے کہے ہوئے الفاظ ان کے کانوں تک بھی پہنچ گئے تھے اور شریف خون شرافت سے سچائیاں قبول کرلے تو پھر اس کے رویئے میں بہت کچھ پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ نجمہ اور صوفیہ میرا ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں اور کبھی کبھی ان کی یہ محبت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے' میرے کپڑے مجھے استری کیے ہوئے ملتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی مجھے میرے جوتے پالش کیے ہوئے ملے۔ ایک دن میں نے صوفیہ کو اپنے جوتے پالش کرتے ہوئے دیکھ لیا اور سکتے کے عالم میں کھڑا رہا' صوفیہ کو پتہ نہیں تھا کہ میں آ گیا ہوں' اس نے مجھے دیکھا تو ایک لمحے کے لیے گھبرا سی گئی۔

میں نے پوچھا: "وہ یہ کیا کررہی ہو؟"

"پ پ پالیش۔۔۔۔ پالش۔"

"صوفیہ کون ہو تم میری یہ بتاؤ؟"

"جی۔"

"میں کہتا ہوں تم میری کون ہو؟"

"کون نہیں ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔"

"نہیں میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"بہن ہوں میں آپ کی۔"

"بے شرم بھائی ہوتے ہیں وہ' جو بہنوں سے اپنے جوتے پالش کرواتے ہیں۔"

"آپ بھی اب اس کا جواب سن لیں گے' جس طرح آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے' ہمیں بھی تو حق ہے نا کہ ہم دل کی بات کہیں۔"

میں نے تعجب سے صوفیہ کو دیکھا۔

"کیا بات ہے صوفیہ کہو؟"

"ہمارا بھی تو کوئی بھائی نہیں ہے' ہم اگر یہ سب کچھ کر لیتے ہیں تو اس سے ہمیں بھی تو خوشی ہوتی ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے ان الفاظ کے تاثر میں ڈوب گیا' پھر میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔"

"میری بہنو! کاش میں تمہیں زندگی میں کبھی تمہاری اس محبت کا جواب دے سکوں۔"

"جواب ہے۔" اور جواب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں' آپ ہمیں کرنے دیا کریں' اور اس پر کوئی نقطہ چینی نہ کیا کریں۔

"ٹھیک ہے' آئندہ ایسا نہیں کروں گا' لیکن صوفیہ بیٹے خیال رکھنا' میں تم سے اس طرح کے کام نہیں کرانا چاہتا۔"

اچھا اب کم از کم میرے سامنے تم یہ نہ کرو۔

"ہاں' اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔ اس گھرانے نے مجھے ایک نئی زندگی دے دی تھی۔ بڑی عجیب صورتحال تھی' میں ایسا محسوس کرتا تھا جیسے کوئی حسین خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہمیشہ اس خوف کا شکار رہتا تھا کہ کہیں اس خواب سے میری آنکھ نہ کھل جائے' جو مل گیا ہے کہیں وہ چھن نہ جائے' بس اکثر اس خوف سے لرزتا رہتا تھا۔

باب نمبر 6

احمد صاحب کی شاندار حویلی تھی۔ حویلی ہی کے ایک گوشے میں آفس بنا ہوا تھا' جہاں زمین' جائیدادوں' کاروں' کوٹھیوں اور بنگلوں کا حساب ہوتا تھا۔ فیض اللہ خان صاحب اکاؤنٹنٹ تھے بلکہ ایک طرح سے یہ کہنا چاہیے کہ اس سارے کاروبار کے منیجر تھے اور احمد صاحب ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ میں نے بس ایک بار احمد صاحب کو دیکھا تھا' خشک سے چہرے والے ایک عمر رسیدہ آدمی تھے' مسکراہٹ کبھی ان کے ہونٹوں پر نہیں دیکھی گئی تھی۔ پر رعب آدمی تھے۔ آتے تھے کسی سے کچھ کہنا ہوتا تھا' کہتے چلے جاتے تھے۔ ابھی تک میرا اور ان کا ایک بار بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ کوٹھی کی دوسری شخصیات بھی میرے سامنے آتی تھیں غالباً' احمد صاحب کا اپنا خاندان تھا لیکن خاص طور سے میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا جو جدید سے جدید لباس میں باہر نکلا کرتی تھی اور اس کے چہرے پر عجیب تاثرات ہوا کرتے تھے۔ بہت ہی تیز اور بدمزاج لڑکی تھی۔ کبھی کبھی اس کی دوست لڑکیاں کوٹھی میں آجایا کرتی تھیں اور خوب دھما چوکڑی مچتی تھی۔

بہرحال میں خوش تھا' بعد میں مجھے علم ہو گیا تھا کہ یہ احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی ریشم ہے۔ فیض اللہ خان صاحب ہی نے مجھے بتا دیا تھا۔

اصل میں بگڑی ہوئی بچی ہے' لاڈ پیار میں پلی ہوئی ہے اور پل میں تولہ پل میں ماشہ مزاج کی لڑکی ہے۔ اصل میں بڑی عجیب سی کیفیت ہوتی ہے ہم انسانوں کی بھی' شامی بیٹے۔ بچیوں کو اتنا بگاڑ دیتے ہیں کہ پھر وہ اپنے گھر آباد نہیں کر سکتیں بس میں اپنے مالک کی بیٹی کی برائی نہیں کرنا چاہتا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ احمد صاحب نے اس لڑکی کو نجانے کیا بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر کبھی تم سے کوئی بدتمیزی کر بیٹھے تو برا نہ ماننا' ہے ہی کچھ بدتمیز قسم کی۔ ویسے جہاں تک میرا

خیال ہے کوئی اور برائی نہیں دیکھی میں نے ابھی تک اس میں۔

"جی۔"

"بس میں نے تمہیں ذرا ہوشیار کردیا ہے تاکہ کوئی بات حادثہ نہ بننے پائے۔"

"جی میں خیال رکھوں گا۔" دل میں تو میں نے یہ تصور کرلیا تھا کہ مکمل طور سے اس بات کا خیال رکھوں گا کہ کوئی بات حادثہ نہ بننے پائے۔ لیکن ایک دن یہ حادثہ پیش آگیا۔ ریشم صاحبہ اپنی شاندار کار میں کوٹھی میں واپس آرہی تھیں، میں کسی کام سے کوٹھی کے دوسرے حصے میں گیا تھا اور میری واپسی پورچ سے ہو رہی تھی کہ ریشم صاحبہ نیچے اتریں، ہاتھ میں لمبی سی چھڑی تھی، کچھ سامان لے کر آئی تھیں، ڈرائیور نیچے اتر کر سامان کے پیکٹ سنبھال رہا تھا کہ پیکٹ نیچے گر گئے اور ان میں شاید کوئی ایسی چیز تھی جو ٹوٹ گئی، ڈرائیور رفیق احمد عمر رسیدہ آدمی تھے، نمازی تو تھے ہی داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے ریشم کو اس پر گرجتے برستے دیکھا۔ ریشم نے گرے ہوئے پیکٹ کو کھولا اور پھر اپنے نقصان پر برافروختہ ہوتے ہوئے چھڑی سے ڈرائیور کی پٹائی کردی۔ چار پانچ چھڑیاں اس نے بوڑھے ڈرائیور کر ماریں اور ڈرائیور تڑپ کر رہ گیا۔ باقی سامان بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ ریشم نے ڈرائیور کا گریبان پکڑ لیا۔ بات کچھ ایسی تھی، جس میں انسانیت مجروح ہو رہی تھی۔ بے شک مجھے اس بات کی وارننگ دے دی گئی تھی کہ میں ریشم کے سامنے آنے سے گریز کروں، لیکن اس وقت اس عمر رسیدہ ڈرائیور کی جو کیفیت میں نے دیکھی تھی، اس نے میرے اندر آگ روشن کردی تھی، ریشم کی چھڑی اٹھی ہوئی تھی اور اس نے ڈرائیور کا گریبان پکڑا ہوا تھا، جیسے ہی چھڑی ڈرائیور کی جانب بڑھی، میں نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور ریشم ایک دم ناگن کی طرح میری جانب پلٹی۔ اس نے مجھے گھورا اور غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"چھوڑو چھڑی۔" میں نے ایک جھٹکے میں چھڑی اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ میرے جھٹکے سے وہ میرے بالکل قریب آگئی اور اس کا سر میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"کون ہے تو۔" اسے نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جو بدتمیزی تم نے ان بزرگ کے ساتھ کی ہے۔ اس کے نتیجے میں دل تو میرا یہی چاہتا ہے کہ اس چھڑی سے تمہارے بدن کی ساری کھال اتار دوں لیکن دفع ہو جاؤ، میرے مالک کی

بیٹی ہو۔ نمک کھایا ہے تمہارے باپ کا میں نے۔ میری آنکھوں کے سامنے سے فوراً چلی جاؤ ورنہ۔۔۔۔! میں شاید تمہیں معاف نہ کرسکوں۔

اور پھر ریشم سے برداشت نہیں ہو سکا، اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ گھمایا، اگر میں اس کی کلائی نہ پکڑ لیتا تو یقیناً یہ تھپڑ میرے گال پر ہوتا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا اور پھر اس کے بعد دوسرے ہاتھ سے زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کردیا۔

ڈرائیور جلدی سے آیا تھا۔

"نہیں میاں۔۔۔۔ نہیں میاں۔ یہ۔۔۔۔ یہ ریشم بی بی ہیں" نہیں میاں یہ آپ نے کیا کیا۔

ریشم کے چہرے پر میں نے حیرت کے نقوش دیکھے تھے۔ وہ اپنے گال کو پکڑے کھڑی تھی اور اس کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھا اور بولا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟"

"جو کیا بالکل ٹھیک کیا، اس پر بالکل شرمندہ نہیں ہوں میں۔" آپ اپنے زخموں کا علاج کیجئے، آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔

"لیکن۔۔۔۔ بیٹے تم، تم۔"

"میری پرواہ نہ کریں، میں دنیا کو جوتے کی نوک پر مارتا ہوں۔" زیادہ سے زیادہ مجھے یہ لوگ یہاں سے نکال دیں گے، کیا بگاڑ لے گی یہ لڑکی میرا، دیکھ لوں گا، جو کچھ ہوا ہے، آپ جائیے، بس جائیے آپ یہاں سے۔ میں نے چھڑی کے کئی ٹکڑے کیے اور اسے وہیں پھینک دیا، پھر میں آفس میں واپس آگیا۔ فیض اللہ خان صاحب کہیں آؤٹ ڈور گئے ہوئے تھے۔ میں خاموش بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہاں ملازمت کے تو خیر اب امکانات ہی نہیں ہیں، ویسے احمد صاحب بھی نہیں آئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے دوسرے لوگ تو ہوں گے، ریشم میری دشمن بن جائے گی اور دشمن بن کر وہ جو کچھ کرے گی وہ ایک الگ بات ہوگی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، لیکن نوکری تو گئی۔ البتہ ایک بات کا خوف اور بھی تھا کہ اب جب ریشم کو یہ بات معلوم ہو گی کہ مجھے یہاں ملازمت دلوانے والے فیص اللہ خان صاحب ہیں تو فیض اللہ خان صاحب کی نوکری بھی چلی جائے گی۔ بہرحال ایک مشکل وقت آپڑا تھا لیکن جو کچھ میں نے کیا تھا اس سے میرا ضمیر بے حد اطمینان محسوس کر رہا تھا۔

فیض اللہ خان صاحب واپس آگئے لیکن میں نے ان سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ شام تک

تو کوئی ایسا ردعمل ظاہر نہیں ہوا تھا بلکہ دو ملازماؤں نے وہ ٹوٹی پھوٹی چیزیں اٹھالی تھیں۔ بے چارہ ڈرائیور بھی خاموش ہی تھا اور شاید ہم دونوں ہی کسی طوفان کی آمد کو محسوس کر رہے تھے۔ فیض اللہ خان صاحب نے واپسی پر شاید میری خاموشی کو محسوس کر لیا تھا' وہ مجھ سے کہنے لگے۔

"کیا بات ہے' طبیعت کچھ خراب ہے۔"

میں نے ایک لمحے کو سوچا' پھر خاموشی اختیار کر لی دل میں سوچا تھا میں نے کہ جب تک صورتحال کسی خاص شکل میں سامنے نہ آئے' مجھے اس بات کو چھپائے رکھنا چاہیے۔ بہرحال یہ ساری باتیں ہو گئیں' گھر میں آنے کے بعد میں نے اپنا رویہ بدل لیا تھا۔ عظمیٰ خالہ اپنے معاملات میں مصروف تھیں۔ اور اکثر مجھ پر احکامات چلایا کرتی تھیں۔ ساری رات میں کروٹیں بدلتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ اب دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ لیکن دوسرا دن گزر گیا اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا' کوئی ایسی بات نہیں ہوئی' مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔ اس دوران میں نے ریشم کو بھی باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن تیسرے دن جب میں کسی کام سے جا رہا تھا ایک ملازمہ میرے پاس آئی۔ اندر کی ملازمہ تھی' اس نے کہا۔

"صاحب جی' آپ کو چھوٹی بی بی بلا رہی ہیں۔"

میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"کک۔۔۔ کک۔۔۔۔ کہاں ہیں وہ؟"

"وہ بڑے باغ میں' پھولوں کی کنج کے پاس۔"

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔"

"میرے ساتھ ہی چلئے جی۔" وہ بولی۔ میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا رجسٹر بند کیا فیض اللہ خان صاحب یہاں اس وقت موجود نہیں تھے اور کسی کام سے آؤٹ ڈور گئے ہوئے تھے۔ بہرحال میں سست قدموں سے چلتا ہوا وہاں پہنچ گیا' جہاں مجھے اشارہ کیا گیا تھا۔ ریشم ایک خوبصورت لباس میں ملبوس' سنگ مرمر کے ایک خوبصورت بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا' بے حد حسین لڑکی تھی' لیکن پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ' تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم کر چکی ہوں میں' تمہارا نام شامی ہے نا۔"

"جی چھوٹی بیگم صاحبہ۔"

"چھوٹی بیگم' کیا فضول لفظ استعمال کر رہے ہو' ریشم ہے میرا نام۔"

"جی ریشم صاحبہ۔"

"تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ بہت غور کیا ہے اس دوران میں نے اور غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس دن غلطی میری ہی تھی اور مجھے تم سے اس غلطی کی معافی مانگنی چاہیے۔"

میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا' وہ مسکرائی' پھر بولی۔

کیا خیال ہے' معاف کرنے کے موڈ (Mood) میں ہو۔

یہ آپ کی بڑائی ہے ریشم صاحبہ' میں تو اسی وقت سے اس بات کا منتظر تھا کہ کب مجھے سزا ملتی ہے۔۔۔۔ اور میرے ساتھ کوئی انتہائی بدترین سلوک ہوتا ہے' مجھے تو۔۔۔۔ مجھے تو۔۔۔۔ اسی کا انتظار تھا۔

یقین کرو اپنی پوری زندگی میں' میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی میرے رخسار پر ایک تھپڑ بھی مار سکتا ہے۔ بچپن سے پھولوں میں پلی بڑھی ہوں لیکن بس کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ خیر اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے معاف کرنے کے موڈ (Mood) میں ہو یا ابھی نہیں؟

"معافی میں آپ سے مانگتا ہوں۔ اصل میں بزرگ ڈرائیور تھے' آپ نے اچھا خاصہ زخمی کر دیا تھا نہیں۔"

"آج کے بعد۔۔۔۔ کبھی کسی کو مجھ سے یہ شکایت نہیں ہو گی۔ میں تم سے یہ وعدہ کرتی ہوں۔"

تب پھر میں یہی کہوں گا کہ آپ اندر سے بہت بڑی ہیں' ورنہ آپ کو اختیار تھا کہ آپ میرے ساتھ جو سلوک چاہئیں کرتیں' یہ آپ کی بڑائی ہے۔

"ایک بات کہوں۔"

"جی کہیے۔"

"مرد کے ہاتھ کا تھپڑ عورت کے لیے ایک عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے۔ بات اصل میں صرف یہ تھی کہ زندگی میں جو چاہا حاصل کر لیا' لیکن بعد میں یہ اندازہ ہوا کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو چاہی نہیں جاتیں' اگر کبھی خود بخود ہو جائیں تو الگ بات ہے۔"

"جی۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ' میں اپنی اصلاح کے لیے تمہیں کیا انعام دوں۔"

"آپ نے ایک وعدہ کر کے مجھے سارا انعام دے دیا ہے۔"

"وعدہ کر کے۔"

"ہاں۔"

"کیا وعدہ کر کے۔"

"یہ کہ آئندہ آپ کسی کے ساتھ خراب رویہ نہیں رکھیں گی۔ وہ مسکرانے لگی' پھر بولی۔

"ڈرائیونگ آتی ہے۔"

"جی..... آتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر میرے ساتھ کہیں گھومنے چلو۔" میں اس سلسلے میں خود کوئی وقت فراہم کروں گی۔

"میرے اور آپ کے درمیان..... " مالک اور ملازم کا رشتہ ہے' مجھے اس قدر اہمیت نہ دیں۔

"دیکھو' میں پڑھی لکھی لڑکی ہوں اور تم بھی پڑھے لکھے آدمی ہو' ایسی کوئی بات کبھی نہ کرنا میرے سامنے۔ جو کچھ تم نے کیا ہے' بس تم یوں سمجھ لو کہ اس نے میری کایا پلٹ دی ہے' اب اتنا تو کم از کم حق دو کہ میں تم سے اپنی کسی خواہش کا اظہار ہی کر سکوں۔

جی' میں کبھی انکار نہیں کروں گا' اگر مجھے آپ نے اس کے لیے حکم دیا۔

"او کے' تھینک یو' تھینک یو ویری مچ' اور پھر ایک دن ریشم میرے پاس آ گئی۔" دفتر میں ہی آئی تھی' آ کر اس نے کہا۔

"احتشام صاحب۔"

میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا' وہاں اور بھی افراد اسی طرح کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ اصل میں ڈرائیور چھٹی پر گیا ہوا ہے' آپ کو ذرا میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ کچھ کام ہے۔

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"اس وقت فیض اللہ خاں صاحب بھی موجود تھے۔" انہوں نے کہا۔

"ڈرائیونگ کر لو گے۔"

"جی ہاں مجھے معلوم ہے' یہ ڈرائیونگ کر لیتے ہیں۔" ریشم نے میرے بجائے جواب دیا۔

فیض اللہ خان صاحب خاموش ہو گئے تھے لیکن ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

ریشم خاموشی سے باہر نکل گئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا لیکن نہ جانے کیوں زمین میں ایک کھلبلاہٹ سی ہو رہی تھی' ایک عجیب سا احساس دل میں جاگزیں ہو رہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے' کیا اس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ بہرحال پیجارو اسٹارٹ کر کے چل پڑا تھا۔ باہر نکلنے کے بعد ریشم نے کہا۔

"سائیڈ میں گاڑی روکو' میں تمہارے برابر آ کر بیٹھنا چاہتی ہوں' میں نے ایک لمحے کے لیے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا' لیکن بہرحال اس کے حکم کی تعمیل کرنا تھی۔" میں نے کہا۔

"کہاں جائیں گی؟" وہ اتر کر میرے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔

"ساحل سمندر۔"

میں خاموشی سے گاڑی گیئر میں ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔

* * *

باب نمبر 7

ریشم خاموش تھی۔ میری اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ میں اس سے کچھ پوچھتا لیکن میرے اندر کی بے چینی نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب احساس دلا رہی تھی۔ ریشم کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

آخر کار ہم سمندر پر پہنچ گئے۔ میں نے ریشم سے پوچھا۔ "کدھر چلوں ریشم صاحبہ۔"

"وہ جو سرخ ہٹ (Hut) نظر آ رہا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ ہمارا ہی ہے۔"

"ادھر چلوں۔"

"ہاں۔" ریشم بولی اور میں نے پجاور کا رخ اس طرف کر دیا۔ ساحل پر زیادہ رش نہیں تھا۔ پھر بھی اچھے خاصے افراد موجود تھے۔ میں نے پجاور اس ہٹ کے سامنے روک دی اور ریشم نیچے اتر گئی۔

"آؤ۔۔۔" اس نے کہا۔

"جی۔۔۔ میں۔۔۔"

"ہاں آؤ۔ میری کچھ سہیلیاں آنے والی ہیں۔ میں ذرا جلدی پہنچ گئی۔ آؤ کچھ دیر باتیں کریں گے وہ آ جائیں تو تم باہر نکل آنا۔"

"جی۔" میں نے کہا۔ ریشم نے پرس سے چابی نکال کر ہٹ کا تالا کھولا۔ ہٹ میں بے حد قیمتی ساز و سامان سجا ہوا تھا۔ دنیا کی ہر چیز وہاں موجود تھی وہ سجے ہوئے ایک اندرونی کمرے میں آئی پھر اس نے کہا۔

بیٹھو۔ اور میں خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔ وہ سرد لہجے میں بولی اور نہ جانے کیوں مجھے اس کے لہجے کی یہ ٹھنڈک خوفناک محسوس ہوئی۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کے چہرے پر کوئی خاص ہی کیفیت ہے۔ بہر حال! میں نے خود کو سنبھال لیا اور پھر آہستہ سے کہا۔

"میرے بارے میں آپ کیا جاننا چاہتی ہیں؟"

"تمہارا ماضی؟"

"میرے ماضی سے آپ کو کیا دلچسپی ہے؟"

"یہ میں جانتی ہوں۔"

"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے ریشم صاحبہ! کہ آپ کا موڈ (Mood) کچھ عجیب سا ہے۔"

"اصل میں تمہارے بارے میں جاننے کی خواہش میں اس لیے کر رہی ہوں کہ اگر کچھ لوگ تم سے منسلک ہیں اور تمہاری وجہ سے انہیں نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے تو کم از کم میں انہیں سنبھال سکوں۔"

"آپ کیسے نقصان کی بات کر رہی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی کفالت تو کرتے ہو گے تم؟"

"آپ اصل بات بتائیے؟ جو آپ کے دل و دماغ میں ہے۔"

"بتاؤں؟" اس نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی بتائیے؟"

"دیکھو! میں خود بھی اپنے بارے میں اتنا نہیں جانتی' میرا خیال ہے کہ میرے اندر شاید آتش فشاں ہے۔ میں زندگی میں ایک بار جس سے نفرت کرتی ہوں اس سے صرف نفرت کرتی ہوں۔ اگر کوئی مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرے تو میں اس پر کوئی حملہ نہیں کرتی۔ بلکہ انتظار کرتی ہوں ایک ایسے وقت کا جب میں اس پر ایک کاری وار کروں۔ ایسی ضرب لگاؤں اس پر جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ ہو اور اس وقت وہ محسوس کرے کہ واقعی میرے خلاف کوئی عمل کر کے اس سے غلطی ہوئی ہے۔" میں خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"کیا آپ اس دن کی بات اپنے دل میں لیے بیٹھی ہوئی ہیں ریشم؟" جواب میں اس کے

ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"تم میرے گھر میں دو ٹکے کے ملازم ہو۔ تم کیا اور تمہاری اوقات کیا۔ اس معمولی سے ڈرائیور کے لیے تم نے میرے گال پر تھپڑ مارا تھا۔ اگر جرم قابل دست اندازی پولیس نہ ہوتا تو میں اندر سے رائفل لا کر تمہارے دل میں سوراخ کر دیتی۔ لیکن! میں نے سوچا کہ تم مرجاؤ گے بے شک اور اس کے بعد میرے ڈیڈی کو میرے لیے بلاوجہ نہ جانے کس کس کے سامنے جانا پڑے گا اور پھر کوئی فائدہ بھی نہ ہو گا۔ سزا کم از کم ایسی تو ہو جسے محسوس کیا جا سکے۔"

"تو آپ مجھے کوئی سزا دینا چاہتی ہیں؟"

"ہاں! ایک دلچسپ سزا جو تمہیں پسند آئے گی۔ اب سے کچھ دیر کے بعد میری چند سہیلیاں یہاں پہنچنے والی ہیں۔ باہر تم نے دیکھا کہ لوگ موجود ہیں اور پولیس کے افراد انتظامی امور کے لیے یہاں ٹہلتے ہی رہتے ہیں۔ ابھی چند لمحات کے بعد میں چیخوں گی۔ اپنا لباس پھاڑ لوں گی اور باہر نکل جاؤں گی۔ پھر میں لوگوں کو یہ بتاؤں گی کہ تم' جسے میں اپنی مدد کے لیے یعنی یہاں تک آنے کے لیے ساتھ لائی تھی کیونکہ میری دوستوں کے ساتھ میرا پروگرام تھا۔ مجھے تنہا پا کر مجھ پر حملہ آور ہوئے اور تم نے مجھ پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟ اس کے بعد جو کچھ ہو گا تمہیں اس کا اندازہ ہے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن! وہ کم بخت واقعی شیطانی فطرت کی مالک تھی۔ یہ الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے لباس کو شانے کے پاس سے پکڑا اور اسے نیچے تک چیرتی چلی گئی۔ پھر اس نے پشت کے پاس سے اپنا لباس پھاڑا۔ میں تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اور مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کوئی عمل کر ڈالے گی۔ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے اور اس کے بعد اس نے دلخراش چیخ ماری اور باہر کی جانب دوڑ پڑی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت میں ایک بے وقوف اور نادان سی لڑکی کے ہاتھوں جس طرح احمق بنا تھا شاید زندگی بھر مجھے اس کا افسوس رہے گا۔ میں اگر چاہتا تو کوئی سخت قدم اٹھا کر اسے روک سکتا تھا۔ اسے وہ سزا دے سکتا تھا جس کا وہ تصور بھی نہ کرتی۔ لیکن! میرے اندر اتنی جرات نہیں تھی اور میری فطرت میں جرم تھا ہی نہیں۔ وہ باہر نکل گئی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ باہر اس نے کیا کیا؟ کیسے کیا؟ میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔ کم از کم تھوڑے سے حواس

واپس آجاتے تو میں پچھلی سمت سے بھاگنے کی کوشش کرتا۔ لیکن! میرے تو قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ ساری روایتیں سچ ہوتی ہیں جن میں عورت کو ایک زہریلی ناگن کہا جاتا ہے۔ پھر مجھے اس وقت ہوش آیا جب اس ہٹ کے اردگرد کچھ گاڑیاں آ کر رکیں۔ اور بہت سے لوگوں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ پھر اس دروازے سے جس کی جانب میں موجود تھا۔ تین پولیس والے اندر داخل ہوئے ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ ایک نے ہاتھ میں پکڑی رائفل میری جانب سیدھی کر لی۔

"خبردار! بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا' ہاتھ اٹھا دو۔ دونوں ہاتھ اٹھا دو۔" میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں احمقوں کی طرح کھڑا اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کچھ اور لوگ بھی اندر گھس آئے تھے۔ پولیس والوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاتھ پیٹھ پر کس دو۔ اس مردود کے۔ بہت بڑا بدمعاش بنتا ہے۔ دیکھیں گے کتنا بڑا بدمعاش ہے یہ؟" اور میرے ہاتھ پشت پر کس دیئے گئے۔ میں ابھی تک گم صم تھا۔ کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو؟

"نکالو اسے۔ لے چلو پولیس اسٹیشن۔ بی بی کہاں ہے وہ؟" تیسرے پولیس والے نے پوچھا۔

"باہر کھڑی ہے۔ ارے بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے وہ۔ دیکھو! یہ بڑے لوگ کبھی کبھی کس طرح اپنے جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔" پھر وہ لوگ مجھے دھکے دیتے ہوئے باہر لائے۔ میں نے ہٹ سے باہر نکل کر دیکھا تو کئی لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کی گاڑیاں اور ان کے ڈرائیور بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان لڑکیوں کو میں احمد صاحب کی کوٹھی پر دیکھ چکا تھا۔ یہ ریشم کی سہیلیاں تھیں۔ مجھے یاد آگیا کہ ریشم نے کیا کہا تھا؟ اس نے مکمل طور پر منصوبہ بندی کی تھی' اور میں صرف اس بات پر حیران تھا کہ اتنے عرصے تک اس نے اپنے سینے میں میرے لیے نفرت چھپائے رکھی اور میں ایک بار بھی محسوس نہیں کر سکا کہ اس کے اندر انتقام کا ایسا لاوا پک رہا ہے۔ لیکن بہرحال جب پولیس والے مجھے جیپ میں بٹھا کر لے چلے تو میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا۔ مجھے سمندری علاقے کے تھانے ہی میں لے جایا گیا۔ انسپکٹر وہاں بیٹھا ہوا تھا اور اس نے مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"کون ہے بھئی یہ؟ کیا بات ہے؟"

"صاحب جی! بہت بڑی واردات کر ڈالی ہے اس بدمعاش نے۔"

"کیا واردات کی ہے؟ بٹھاؤ اسے بینچ پر؟" انسپکٹر صاحب نے کہا۔

"صاحب جی! اس نے ایک بہت بڑے آدمی کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"اچھا! کون ہے وہ بہت بڑا آدمی؟"

"صاحب جی! یہ ایڈریس دیا ہے اس لڑکی نے اپنا' عزت لوٹ رہا تھا جی اس کی' اس کے چیخنے چلانے پر ہم عین وقت پر پہنچے اور بیچاری کی مدد کی ہم نے' ورنہ....."

"پورا قصہ بتاؤ کیا ہے؟"

"صاحب جی! یہ اس کے ہاں نوکری کرتا ہے۔ اس نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ پکنک پر یہاں آنا تھا۔ وہ اس کے ساتھ آئی اور ان کی سہیلیاں اس وقت تک نہیں پہنچیں تھیں۔ اس بندے نے سوچا کہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ ہٹ میں اس نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ کپڑے پھاڑ دیئے۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ اسے باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔"

"لڑکی کہاں ہے' کارڈ دکھاؤ؟" انسپکٹر نے کہا اور سپاہی نے کارڈ انسپکٹر کے سامنے پیش کر دیا۔

"ارے واقعی یہ تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ مر گیا سالا۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ کس کی بیٹی پر ہاتھ ڈال رہا ہے؟ میرے لیے کوئی جواب دینا ممکن نہیں تھا۔ انسپکٹر نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈال دو اسے لاک اپ میں' یہ تو بہت بڑا کیس ہو گیا۔ مجھے خود دیکھنا پڑے گا۔" میں خاموش ہو گیا اور اس کے بعد مجھے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ لاک اپ میں اس وقت میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ سلاخوں کے پیچھے پہنچنے کے بعد میں نے ان تمام حالات پر غور کیا اور تحمل و دانش نے مجھے سمجھا دیا کہ بیچارے فیض اللہ صاحب بھی میرے لیے اس وقت کچھ نہیں کر سکیں گے۔ جو کچھ اس لڑکی نے کیا ہے وہ واقعی ایک ایسا قدم ہے جس سے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بہرحال! تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کرنا تھا۔ انسپکٹر صاحب روانہ ہو گئے تھے اور اپنی کارروائی کرنے چل پڑے تھے۔ شام کو ۴ بجے تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ ۴ بجے کچھ افراد اس راہداری سے گزرتے ہوئے نظر آئے اور ان کے ساتھ فیض اللہ خان صاحب

کو دیکھ کر میں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ پہلی بار میں نے احمد صاحب کو دیکھا تھا۔ شاید وہ بھی واپس آ گئے تھے۔ اچھی خاصی شخصیت کے مالک تھے۔ فیض اللہ خان صاحب کا چہرہ دیکھا جو سرخ ہو رہا تھا اور اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ احمد صاحب میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے چراغ روشن تھے۔ انسپکٹر ان کے سامنے بڑا باادب نظر آ رہا تھا۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"او لاٹ صاحب کے بچے! اٹھ کر ادھر آ۔ مالک کو نہیں پہچانتا۔ مالک کے کتے۔" میں خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا ہوا اور سلاخوں کے پاس آ گیا۔ احمد صاحب نے کہا۔

"میں اس لڑکی کا باپ ہوں' جس پر تو نے دست درازی کی ہے۔ بے شرم' بے غیرت ایک شریف آدمی کو بھی اپنی غلاظت میں ملوث کر ڈالا۔" فیض اللہ خان صاحب مجھے آپ پر بڑا بھروسہ تھا' کم از کم میرے گھر میں اگر آپ اس شخص کو لے کر آئے تھے تو آپ کو اتنا اطمینان تو ہونا چاہیے تھا کہ آپ اس پر پورا پورا اعتماد کر لیتے۔"

احمد صاحب زندگی کے تیس سال گزارے ہیں آپ کے ساتھ اور آپ کو اس بات کا علم ہو گا کہ ان تیس سالوں میں میں نے کبھی کوئی مجرمانہ عمل نہیں کیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ بات وہ نہیں ہے جو سمجھائی جا رہی ہے۔ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ آپ کی بیٹی جسے میں آج آپ کی بیٹی کہنے کے لیے مجبور ہوں۔ کس قدر تند مزاج ہے' اصل بات اگر چاہیں تو پوچھ لیجئے اور نہ چاہیں تو پھانسی لگوا دیجئے اسے۔ اس کی قسمت میں یہ ہے تو یہی سہی۔"

"گویا آپ اس بات سے اب بھی انکار کر رہے ہیں کہ ریشم نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔"

"سو فیصد غلط' احمد صاحب سو فیصد غلط۔ پولیس تو آپ کی مٹھی میں ہے آپ کے الفاظ کی تردید کرنے کے الزام میں مجھے کم از کم سزائے موت ہونی چاہیے۔ لیکن! آپ کا کیا خیال ہے؟ میری رگوں میں دوڑتا ہو نمک میری قید میں بھی میرا ساتھ دے گا۔ سنئے! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنئے۔"

اچھا' اچھا خاموش ہو جایئے آپ۔ آپ جذباتی ہو رہے ہیں' ایک سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"اگر مناسب سمجھیں تو صرف ایک بار اس سے پوچھ لیں۔ صرف ایک بار پوچھ لیں اور

سنو بیٹے! میں دنیا کی سب سے بڑی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تمہاری بے گناہی کا یقین ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا ہو؟ اور کوئی جانے یا نہ جانے۔ سنو بات کتنی ہی اہمیت کی حامل ہو حقیقت بتاؤ بالکل حقیقت اور اس وقت تم نہ بولے تو' تو..... فیض اللہ صاحب کی آواز بھرا گئی۔ میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا۔

"کافی دن پہلے کی بات ہے ریشم بی بی ڈرائیور کے ساتھ کچھ سامان لے کر آئی تھیں۔ جب ڈرائیور وہ سامان اتار رہا تھا تو اس کے ہاتھ سے کچھ پیکٹ گر گئے اور ریشم بی بی نے چھڑی نکال کر ڈرائیور کی مرمت شروع کر دی۔ بزرگ آدمی تھے مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا' میں نے جا کر ریشم بی بی کی وہ چھڑی پکڑ لی۔ اس پر انہوں نے مجھے برا بھلا کہا اور بہت ہی غلط الفاظ استعمال کرتے ہوئے میرے منہ پر تھپڑ مارنے کی کوشش کی۔ جسے میں برداشت نہیں کر سکا اور میں نے خود ان کے منہ پر تھپڑ مار دیا اس کے بعد وہ چلی گئیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے مجھ سے آ کر معافی مانگی اور کہا کہ غلطی ان کی تھی واقعی اس عمر رسیدہ شخص پر انہیں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ میں نے خود بھی ان سے معافی مانگی اور کہا کہ میں جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد معاملات ٹل گئے۔ وہ جب بھی مجھے نظر آتیں' مہربانی کی نگاہوں سے دیکھتیں۔ آج انہوں نے مجھ سے کہا کہ انہیں یہاں آنا ہے۔ ڈرائیور موجود نہیں ہے چنانچہ میں انہیں لے کر چلوں۔ اس بات کے گواہ فیض اللہ خاں صاحب اور آفس کے دوسرے لوگ بھی ہیں۔ وہ مجھے یہاں لائیں اور یہاں لانے کے بعد جب اس ہٹ میں داخل ہوئیں تو انہیں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ گال پر تھپڑ کھانے کے بعد انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہو گا تو یہ غلط ہے۔ آج وہ مجھ سے اپنا انتقام لینا چاہتی ہیں اور اس کے بعد انہوں نے اپنا لباس پھاڑ دیا۔ یہ ہے اصل واقعہ۔ میرے پاس کوئی اہم ثبوت نہیں ہے سوائے اس کہ ڈرائیور سے اس دن کے واقعہ کے بارے میں پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ تصدیق کرے اور اسے جھوٹا سمجھا جائے تو اس کے جسم پر چھڑیوں کے نشانات دیکھ لیے جائیں۔ بس اپنی صفائی میں اور کوئی لفظ نہیں ہے میرے پاس۔"

اچھی کہانی گھڑی ہے اس نے۔ اچھی کہانی گھڑی ہے لیکن فیض اللہ خاں صاحب آپ سے مجھے یہ امید نہ تھی؟

ارے چھوڑیئے احمد صاحب! تین بیٹیاں ہیں میری' بیوی ہے میں ہوں۔ پورے گھر کو

پھانسی پر چڑھوا دیجئے۔ تھوکتا ہوں آپ کی نوکری پر اور آپ کے نمک پر۔ مجھ پر یقین نہیں کیا آپ نے۔ ٹھیک ہے آپ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ فیض اللہ خان صاحب تیز تیز قدموں سے وہاں سے چل پڑے۔ میں ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن بہر حال بات بگڑ چکی تھی۔ سب لوگ چلے گئے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب میرا پرسان حال کوئی نہیں ہے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ فیض اللہ خان صاحب اور احمد صاحب کے درمیان جو بھی رابطے رہے ہوں وہ اپنی جگہ لیکن اتنا میں نے دیکھا کہ میری ہر پیشی پر فیض اللہ خان صاحب ضرور ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے بچانے کے لیے شاید اپنی آخری کوشش تک صرف کر دی تھی۔ کئی وکیل کیے تھے انہوں نے میرے لیے لیکن معاملہ کچھ اور تھا۔ ایک بہت بڑا آدمی اور میرے خیال میں بات اتنی ہی نہیں رہی تھی بلکہ میرے کیس کو زیادہ سے زیادہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ آخر کار مجھے سزا سنا دی گئی۔ فیض اللہ خان صاحب پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے تھے۔ انہوں نے اس وقت جب ایک طویل قید کے لیے مجھے جیل کی گاڑی کی جانب لے جایا جا رہا تھا میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"دیکھو! دنیا کی عدالت نے دولت کے نام پر فیصلہ کیا ہے۔ لیکن بیٹے! فکر نہ کرنا بڑی عدالت میں جا کر فریاد کروں گا میں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا کوئی نہیں ہے تو بھول جانا اس بات کو۔ میں ہوں' تمہاری ماں ہے' تمہاری بہنیں ہیں۔ سب دعائیں کریں گی تمہارے لیے۔ میں اپیل کروں گا۔ سب کچھ کروں گا میں اور فیض اللہ خان صاحب نے در حقیقت نہ جانے میرے لیے کیا کچھ کیا لیکن احمد صاحب کو اپنی بیٹی کی خوشیاں عزیز تھیں۔ انہوں نے فیض اللہ خان صاحب کی ساری کوششیں ملیامیٹ کر دیں اور انہیں کسی طور کامیاب نہ ہونے دیا۔ چنانچہ مجھے سزا ہو گئی اور پھر میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

❊ ❊ ❊

باب نمبر 8

جیل کے دن' جیل کی راتیں' نئے نئے لوگوں کا ساتھ' ان ہی میں مجھے افضال ملا تھا' افضال ایک نوجوان جو میری ہی عمر کا تھا۔ اس نے بڑا ہنس ہنس کر اپنی کہانی سنائی۔

یار! کچھ بھی نہیں کیا تھا میں نے۔ لیکن! یہ بڑے لوگ جو ہوتے ہیں نا کسی کے پیچھے لگ جائیں تو سمجھ لو شامت آگئی۔ ویسے میں اللہ کے فیصلوں پر تنقید تو نہیں کرتا لیکن ایک بات ہے' چاہے دنیا میں ہی سہی لیکن ان دولت مندوں کو بڑی آسانیاں حاصل ہو گئی ہیں۔ جو مرضی آئے کر لیتے ہیں۔ قسم لے لو جس گناہ کے الزام میں سزا بھگت رہا ہوں وہ گناہ میں نے کیا ہی نہیں کیا سمجھے؟

ہاں ایسا ہی ہوتا ہے' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ یہ صرف اتفاق کی بات تھی کہ جتنی سزا مجھے ہوئی تھی اتنی ہی افضال کو ہوئی تھی۔ میری اور اس کی رہائی میں شاید چھ یا سات دن کا فرق تھا لیکن طویل ترین سزا میں' میں نے اور افضال نے جتنی نیکی کا ثبوت دیا تھا۔ اس سے ہمیں جیل میں بڑی آسانیاں ہو گئی تھیں۔ اور خود جیلر صاحب ہم سے بڑے خوش تھے۔ محنت مشقت کے کام پر ہمیں لگایا گیا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ہم سے آسان کام لیے جانے لگے۔ اور کبھی کبھی جیلر صاحب کے گھر پر بھی کام کرنا پڑا۔ اب بڑی محتاط زندگی ہو گئی تھی میری۔ بہت سے زندگی میں شامل ہو گئے تھے۔ البتہ جب میں رہا ہونے لگا تو میں نے جیلر صاحب سے فرمائش کی۔

"سر! ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں! بولو' کیا بات ہے؟"

"سر! افضال کے علاوہ میرا اس دنیا میں اور کوئی دوست نہیں ہے۔ اس کی سزا کے سات

دن باقی ہیں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ ہی جیل سے باہر نکلوں گا۔ سر! دونوں میں سے ایک کام کر دیجئے۔ میری سزا کے سات دن بڑھا دیجئے یا اس کی سزا کے سات دن کم کر دیجئے۔ میں آپ کا بہت احسان مانوں گا۔" جیلر صاحب مسکرا دیئے پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ رہائی کے روزنامچے میں تمہاری رہائی تو آج ہی لکھ دی جاتی ہے لیکن اس کی رہائی میں سات دن کے بعد ہی لکھوں گا۔ اس سے دستخط وغیرہ کرا دو اور اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔" میں نے جیلر صاحب کے پاؤں پکڑ لیے۔ انہوں نے مہربانی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بہت اچھے لڑکے ہو تم۔ بہت اچھی طبیعت کے مالک ہو۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ میری مدد کی ضرورت ہو تو بتاؤ؟ بہرحال افضال کو میرے ساتھ ہی رہا کر دیا گیا اور ہم دونوں جیل سے باہر نکل آئے۔ افضال نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔

"یار! ایک محلے میں اپنی ایک کھولی ہے اور اس کی رکھوالی بھی یقیناً" کی جاتی رہی ہو گی۔ اب ساری باتیں اپنی جگہ۔ تم بتاؤ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"افضال تم مجھے بتا چکے ہو کہ دنیا میں تم بھی تنہا ہو۔ دیکھیں گے دوست کہ زندگی نے آگے کیا مقدر میں لکھ دیا ہے۔ بات کروں گا میں تم سے۔ ساری بات کروں گا لیکن ابھی نہیں یہاں سے میں اس گھر میں جانا چاہوں گا جس کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ظاہر ہے اس قید کے دوران میں نے افضال کو اپنی ساری حقیقتیں بتا دیں تھیں اور افضال نے بھی مجھے اپنے بارے میں بتا دیا تھا لیکن کچھ ارادے ایسے تھے جن کے بارے میں افضال کو نہیں بتایا تھا۔ بہرحال فیض اللہ صاحب کے مکان کے سوا اور کہاں جا سکتا تھا میں۔ چنانچہ میں فیض اللہ خان صاحب کی جانب چل پڑا۔ مکان کی طرف اٹھنے والا ہر قدم میرے دل میں لرزش پیدا کر رہا تھا۔ آخر کار میں اس دروازے پر پہنچ گیا۔ گھنٹی بجائی تو ایک عمر رسیدہ آدمی نے دروازہ کھولا۔ میرے لیے یہ شکل اجنبی تھی۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"ہاں! کہیے کیا بات ہے۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"فیض اللہ صاحب گھر میں ہیں؟"

"فیض اللہ صاحب؟" اس شخص نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کہیں باہر سے آئے ہیں آپ؟"

"کیوں؟" "کیا مطلب ہے آپ کا؟" میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔

"میاں! فیض اللہ خان صاحب کے تو انتقال کو بھی تین سال گزر چکے۔ ان کے بیوی بچے تھے اس گھر میں' انہوں نے یہ گھر میرے ہاتھ فروخت کر دیا' اور اس کے بعد یہاں سے کہیں چلے گئے۔ میرے دل پر ایک گھونسہ سا پڑا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے کہا۔

"اور کوئی خدمت میرے لائق!" میرے بجائے افضال نے پوچھا۔

ان کے بیوی اور بچے کہاں گئے ہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے آپ کو؟"

"نہیں جناب۔" ہم نے بس یہ گھر ان سے خریدا تھا۔ ساری کورٹ کچہری ہوئی تھی' انہیں ادائیگی کر دی گئی تھی اور اس کے بعد انہوں نے یہ گھر خالی کر دیا تھا۔ کہاں گئے' کیسے گئے؟ ہمیں خود نہیں معلوم اس کے بارے میں۔

"فیض اللہ صاحب بیمار ہو گئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں! ہمیں اس بارے میں بھی معلوم نہیں۔ اس وقت وہ مر چکے تھے جب ہم نے یہ مکان ان کی بیگم سے خریدا تھا۔ اور کوئی خدمت میرے لائق؟" ہم دونوں خاموشی سے واپس چل پڑے۔ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا اور افضال مجھے سمجھا رہا تھا۔

"نہیں' روتے نہیں ہیں۔ خود کو سنبھالو' خود کو سنبھالو احتشام۔ رونے سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔"

"ایک بات کہوں تم سے؟ میں پہلے مجرم نہیں تھا۔ میں کبھی مجرم نہیں تھا۔ جیل میں رہنے کے بعد بھی میں نے اس دنیا سے انتقام لینے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب میں مجبور ہو گیا ہوں افضال۔ آئی ایم سوری۔ میں تمہارے ساتھ تمہاری کھولی پر بھی نہیں جاؤں گا۔"

"ارے کیوں؟"

"بس نہیں جاؤں گا' وجہ ہے اس کی۔"

"تو پھر مجھے اپنے ساتھ رہا کیوں کرایا تھا تم نے۔ جانتے ہو میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور سات دن گزار لینے دیتے' کم از کم یہ تو نہ سوچتا کہ مجھے بھی کسی کا سہارا حاصل

ہے۔"

"افضال! فیض اللہ خان صاحب میری وجہ سے موت کی آغوش میں پہنچے ہیں۔ میری نحوست نے وہ گھر برباد کر دیا ہے اور میری نحوست تمہیں برباد کر دے گی۔"

"تو میری جان! میں تمہاری نحوست کے ہاتھوں برباد ہونا چاہتا ہوں اور اب تم فضول باتوں کو ذہن سے نکال دو۔"

افضال کی کھولی جوں کی توں تھی۔ ایک غریب سے محلے میں اس کی رہائش تھی اور جہاں غریب ہوتے ہیں وہاں انسانیت ضرور ہوتی ہے۔ افضال کا استقبال اس طرح کیا گیا تھا جیسے وہ کسی بارات کا دولہا ہو۔ کچھ بزرگوں نے کہا تھا۔

"تمہیں تو سات دن کے بعد رہا ہونا تھا۔ ہم نے تو جیل پر تمہیں خوش آمدید کہنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ایک ایک دن یاد رکھا تھا تمہارے لیے۔" افضال کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اس نے کہا۔

"آپ کی محبت مجھے زندہ رکھے گی' ندیم چچا۔ آپ ہی لوگوں کے سہارے جیوں گا بس۔"

پھر ایک اور بزرگ نے اس کھولی کا دروازہ کھولا تھا اور چابی افضال کو دیتے ہوئے کہا تھا۔

"بھیا! بڑی نگرانی کی ہے تمہاری اس کھولی کی۔ دیکھ لو جا کر اندر۔ آج ذمہ داری ختم ہو رہی ہے۔ ارے ہم میں سے کون نہیں جانتا ہے کہ ہمارا بچہ بے گناہ تھا۔ بس تقدیر میں یہی لکھا تھا۔" جسے کھولی کہا جاتا ہے اس میں ایک صحن تھا' غسل خانہ وغیرہ تھا۔ چھوٹا سا باورچی خانہ بھی تھا۔ ایک دالان تھا اور ایک بڑا کمرہ تھا۔ دالان میں تخت بچھا ہوا تھا۔ اس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی لیکن ساری کی ساری ایسی ک ابھی ابھی کوئی صفائی کر کے گیا ہو۔ افضال نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"خدا کی قسم! ان لوگوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا تھا لیکن! مجھے اتنی امید نہیں تھی۔ یہ سب کچھ جس طرح صاف ستھرا نظر آ رہا ہے' ندیم چچا کی بچیاں ہی کرتی رہی ہوں گی۔" میں زار و قطار رونے لگا۔ مجھے اپنی چھوٹی سی خالہ یاد آنے لگی۔ نجمہ اور صوفیہ یاد آئی تھیں۔ چچی جان یاد آئی تھیں۔ آہ' ماں تو اس دنیا سے ہی روٹھ ہی گئی تھی جبکہ ان لوگوں کے زوال کا ذمہ دار میں تھا اور پھر رفتہ رفتہ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے افضال سے کہا۔

"افضال! میں تمہیں ساری تفصیل بتا چکا ہوں' ساری تفصیل بتا چکا ہوں میں تمہیں۔ وہ

لوگ اگر بہتر حالت میں ہوتے تو یقینی طور پر فیض اللہ خان صاحب مجھ سے کہتے کہ جو ہوا ہے اسے معاف کر دیا جائے لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے افضال۔ صرف ایک ہی کام کرنا چاہتا ہوں میں۔"

"کیا؟"

"میں اس لڑکی کو بے آبرو کروں گا۔ یوں سمجھ لو کہ جس الزام کے لیے مجھے سزا دی گئی ہے میں وہ جرم کیے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔" افضال سوچ میں ڈوب گیا تھا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"ایسا کرو ابھی تھوڑا سا صبر کرو۔ دیکھو! دنیا بے شک بہت وسیع ہے۔ لیکن انسان جب اپنے طور پر کچھ سوچ لیتا ہے تو اس کی تکمیل ہو ہی جاتی ہے۔ فیض اللہ خان صاحب کے اہل خاندان کہیں چلے گئے ہیں، تم انہیں تلاش کر کے ان کا سہارا بن سکتے ہو، بجائے اس کے کہ ایک بار پھر جرم کر کے جیل کا رخ کرو۔"

"نہیں----جو کچھ بھی ہو میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم یوں کرو، تھوڑا سا تو صبر کرو۔" یہ ذمہ داری مجھے سونپ دو۔ میں دیکھتا ہوں، صورت حال معلوم کرتا ہوں، اس کے بعد تمہیں بتاؤں گا۔ بہرحال افضال نے مجھے کسی نہ کسی طرح تیار کر لیا تھا اور میں نے اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ افضال مصروف ہو گیا۔ میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں کھولی میں رہ کر انتظار کرتا رہوں۔ افضال واپس آیا اور اس نے مجھے کچھ تفصیل بتائی۔

"احمد صاحب ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب سے دو سال پہلے ریشم کی شادی ہو چکی ہے اور اس وقت وہ امریکہ میں ہے اپنے شوہر کے ساتھ بہرحال اب تم خود دیکھو کیا کرو گے؟ اس گھر میں آگ لگاؤ گے؟ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں نے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے۔ لیکن! یہ بھی جانتا ہوں میں کہ تم اپنی زندگی بے مقصد نہیں گنواؤ گے۔ اس معاشرے میں اپنے لیے ایک مقام بنانے کی کوشش کرو۔ بلکہ اگر میری مانو تو اس طرح اپنا مقام بناؤ کہ ایک دن احمد صاحب خود تمہارے قدموں میں جھکیں۔ میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔

رکھنا پسند کرو گے؟" جواب میں افضال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ کہنے لگا۔

"اب بھی یہ سوال کرنا ہے تمہیں مجھ سے؟" میں خاموش ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ میرے ذہن میں سکون اترنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے۔ دنیا نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ ایک الگ عمل ہے لیکن واقعی انسان اگر خودکشی نہ کرنا چاہتا ہو تو پھر کچھ نہ کچھ کرے ہاں! انتقام کے جذبے کو ضرور زندہ رکھنا چاہیے۔ میں معاشرے میں اپنے لیے کچھ حاصل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا لیکن یہ یاد رکھوں گا کہ ریشم نے مجھ سے وہ گھر چھین لیا تھا جو میرا اپنا گھر بن چکا تھا اور اس کے بعد میں نے اپنی زندگی کو مختلف انداز میں گزارنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ گریجویشن کی ہوئی تھی۔ ملازمت کے لیے ہزاروں جگہ قسمت آزمائی کی لیکن ملازمت کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ افضال کے پاس جو کچھ تھا وہ مجھ پر خرچ کرتا رہا۔ میں اس سے شرمندہ تھا لیکن بہرحال اب جو صورت حال سامنے آ رہی تھی وہ مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ میں افضال پر ہی زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"افضال!"

"ہوں!"

"تمہیں بھی ملازمت نہیں مل رہی؟"

"یار! بس کیا بتاؤں، پتہ نہیں ہم لوگوں کی تقدیریں یکساں کیوں ہیں؟ کہاں کوشش نہیں کر رہا۔ ایک جگہ تو یوں سمجھو نوکری مل ہی گئی تھی۔ پتہ نہیں کس کم بخت نے یہ کہہ ڈالا کہ مجھے سزا ہو چکی ہے چنانچہ ٹھائیں ٹھائیں فش۔"

"افضال اصل میں بات یہ ہے کہ میں بھی اپنی ان کوششوں میں ناکام ہوں۔ تم اگر برا مانتے ہو تو میں تم سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ میری بات کا برا مت ماننا۔ میں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب مجھے یہاں نہیں رکنا۔ میں کچھ کروں گا۔

"کیا کرو گے؟"

"دنیا مجھے نیکیوں کے راستے پر نہیں جانے دے رہی تو میں کیوں نہ وہی راستہ اپناؤں جو دنیا میرے لیے چاہتی ہے۔" افضال کافی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"دیکھو! میں تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔ مجھے چھوڑنا تو خیر ایک بالکل ہی غلط بات

ہے کیونکہ اگر ہمیں ایک روٹی ملی تو آدمی آدمی کھا کے بھی گزارا کر سکتے ہیں۔ میں تم سے ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جسے اگر تم مان لو تو امکانات اس بات کے ہیں کہ تمہیں کچھ بہتری حاصل ہو جائے گی۔ ہاں! اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر میں تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔"

"کیا؟"

"میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں جب یہ دنیا شیطانوں سے بھر جاتی ہے اور انسانوں کو انسان دستیاب نہیں ہوتے تو اللہ کے وہ بندے سامنے آتے ہیں جنہیں اللہ کی مدد حاصل ہے۔ بہت پرانی بات ہے اس وقت کی جب میں جیل میں نہیں گیا تھا۔ ایک دفعہ ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بڑے سادہ اور نیک دل انسان تھے۔ تم یقین کرو! جیل کے دنوں میں بھی مجھے یاد آتے رہے۔ کچھ باتیں کہی تھیں انہوں نے مجھ سے۔ اور یہ کہا تھا کہ میں ان کے ہاں آؤں لیکن اس وقت میں بھی ایک غلط انسان تھا اور میں نے ان پر توجہ نہیں دی تھی لیکن اب میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں کسی ایسے روحانی بزرگ کا سہارا حاصل ہو جائے تو شاید ہماری تقدیر بدل جائے۔" جواب میں میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔

"تمہاری ترکیب اچھی ہے۔ لیکن کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ بزرگ اب بھی موجود ہیں۔"

"یار! مذاق نہیں کر رہا۔ سچ بتا رہا ہوں' دیکھ لیتے ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ٹھکانہ بھی بتایا تھا۔ یہاں سے کوئی چوبیس پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر یا شاید اس سے کچھ زیادہ فاصلہ ہو۔ شاہ گڑھی نامی ایک علاقہ ہے۔ بزرگ نے مجھے بتایا تھا کہ شاہ گڑھی کے پاس ان کا آستانہ ہے اور میں وہاں آ کر ان سے ملوں۔ بہرحال اگر تم چاہو تو ان سے مل لیا جائے۔ اگر زندہ ہیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ہماری مدد کریں۔ میں تیار ہو گیا تھا۔ بات ان بزرگ سے عقیدت کی نہیں تھی بلکہ صرف افضال کی دوستی کی تھی۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسے کرنے دیا جائے اور جب کچھ نہ بن سکے تو پھر دیکھا جائے کہ دنیا میں اپنے لیے جگہ کیسے تلاش کی جائے۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 9

جب ہم ان بزرگ کی طرف جا رہے تھے تو میں نے افضال سے کہا۔

"دیکھو! افضال! کوشش کر لیتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے تمہاری بات نہیں مانی لیکن میرا دل کہتا ہے کہ میرے لیے اس دنیا میں اب کچھ نہیں رہا ہے' سوائے اس کے کہ جرم کے راستے پر نکل جاؤں اور اگر میں جرم کے راستے پر نکل گیا تو پھر یوں سمجھو کہ دنیا سے حساب پورا کر لوں گا۔"

"ابھی ایسی کوئی بات نہ کہو۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ کیسے ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

بہرحال میں اس بات کے لیے اپنے آپ کو تیار کر چکا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ نہ میرے دل میں کسی بزرگ کا خیال تھا اور نہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ ایسا کوئی بزرگ میری مشکل حل کر سکے گا لیکن میرے دوست کی خواہش تھی اور دوست بھی ایسا کہ جسے میں مخلص کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی خواہش کی تکمیل کے لیے میں نے اس کی بات کو مان لیا تھا اور اس کی وجہ سے سفر کر رہا تھا۔ چوبیس پچیس کلومیٹر کا فاصلہ تھا لیکن ہمیں جس جگہ بس سے اترنا پڑا یہاں سے بائیں سمت ایک پگڈنڈی تھی جو اس آستانے تک جاتی تھی۔ پانچ کلومیٹر تک کا فاصلہ پیدل طے کرنا تھا۔ یہ بات یہیں آ کر معلوم ہوئی تھی کیونکہ افضال نے بھی پہلے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔

"یار معاف کرنا واقعی مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا مگر دیکھو کتنے لوگ اس طرف جا رہے ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ کوئی ایسی صورت حال ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اب جب یہاں تک آئے ہیں تو تم بھی اپنی خواہش کی تکمیل کر ہی لو۔ کوئی حرج نہیں ہے' اللہ مالک ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد ہم آگے بڑھتے رہے۔ تین

افراد ہم سے کچھ فاصلے پر جا رہے تھے۔ افضال نے کہا کہ ان سے کچھ معلومات حاصل کی جائیں چنانچہ اس نے تیز تیز قدم بڑھائے۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا اور ہم ان کے قریب پہنچ گئے۔ افضال نے انہیں سلام کیا تو ان میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے ہمارے سلام کا جواب دے کر ہم سے کہا۔

"کہیے میاں! کیا بات ہے؟"

"جی وہ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ غزل شاہ صاحب کے آستانے تک جانے کا یہی راستہ ہے؟"

"ہم لوگ بھی وہیں جا رہے ہیں۔ کیا آپ لوگ بھی ادھر ہی جا رہے ہیں؟"

"جی ہاں؟"

"تو پھر چلیں آیئے۔ یہ پگڈنڈی ان ہی کے آستانے تک پہنچتی ہے اور باقی تمام افراد بھی ادھر ہی جا رہے ہیں۔ اصل میں اب تو وقت زیادہ ہوتا چلا جا رہا ہے چونکہ سورج ڈھلنے کے بعد غزل شاہ صاحب کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ اس لیے لوگ جلدی پہنچ جاتے ہیں اور جنہیں موقع نہیں ملتا وہ وہیں قیام کر لیتے ہیں۔ ہم لوگ بھی اس ارادے سے جا رہے ہیں۔"

"اوہو! اچھا۔ مطلب یہ ہے مغرب کے بعد وہ نہیں ملتے؟"

"آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی؟" ان صاحب نے پوچھا۔

"نہیں! واقعی ہمیں نہیں معلوم تھی۔"

"چلیں خیر اگر کوئی اہم کام ہے تو بہتر ہے کہ وہاں رات کو قیام کریں اور کل دن میں غزل شاہ صاحب سے ملاقات کریں۔"

"کیوں بھئی کیا خیال ہے؟"

"ظاہر ہے جب ملنا چاہتے ہو تو پھر جیسے بھی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں' ملنا ہی چاہتے ہیں سے کیا مراد ہے آپ کی' کیا آپ پہلی بار یہاں آ رہے ہیں؟" ان ہی صاحب نے کہا جنہوں نے بعد میں اپنا نام مجید احمد بتایا تھا۔

"جی ہاں! اصل میں ہم پہلی بار یہاں آئے ہیں اور بس ایسے ہی سن رکھا تھا غزل شاہ صاحب کے بارے میں۔"

"میاں! کیا بات کرتے ہیں۔ اتنی بڑی ہستی ہے شاہ صاحب کی کہ آپ لوگ تو سوچ بھی

نہیں سکتے۔"

"مغرب کے بعد میرا مطلب ہے۔ سورج چھپنے کے بعد وہ کسی سے نہیں ملتے۔"

"یہ تو ان کا ہمیشہ کا اصول ہے۔"

"آپ کیا بہت عرصے سے انہیں جانتے ہیں؟"

"بہت عرصے سے تو نہیں لیکن بس یہ سمجھ لو کہ خاصا عرصہ گزر چکا ہے۔"

"ان کے بارے میں کچھ بتائیں گے ہمیں؟"

"ان کے بارے میں تو بہت کچھ ہے لیکن راستے میں پوچھنے کی بجائے آپ لوگ ایسا کریں کہ ہمارے قریب ہی قیام کریں۔ رات کو ان کے سلسلے میں بات چیت ہو گی آپ سے۔"

"اگر ہمیں اس بات کا علم ہوتا کہ وہاں رات کو بھی قیام کیا جا سکتا ہے تو اپنے ساتھ کچھ بندوبست کر کے چلتے۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟ کھانے پینے کی اگر بات کرتے ہیں تو میاں وہاں لنگر ہوتا ہے نہ کھانے کی کمی نہ پینے کی' آپ کو شاید اس بات کا پتہ نہیں ہے کہ غزل شاہ صاحب کے قبضے میں لاتعداد موکل ہیں۔ اور کئی بار اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ موکل ان کے عقیدت مندوں کو کھانے پینے کی اشیاء مہیا کرتے ہیں اور وہاں کوئی بھوکا نہیں رہتا چونکہ آپ پہلی بار وہاں جا رہے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم آپ کو وہاں کے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔"

"آپ کی بے حد مہربانی ہو گی۔" افضال نے کہا لیکن اس کے بعد وہ صاحب خاموش ہو گئے تھے' ہم نے اور بھی بہت سی ٹولیوں کو دیکھا جو اسی عقیدت کے ساتھ جا رہی تھیں۔ افضال نے کہا۔

"یہ خاموش ہو گئے ہیں لیکن بہرحال ہم ان سے ضرور معلومات حاصل کریں گے ویسے یار لگ تو یہ رہا ہے جیسے واقعی غزل شاہ صاحب کام کی شخصیت ہیں' دیکھ لیتے ہیں تقدیر کے دروازے کہاں کھلتے ہیں' کھل جائیں تو اچھا ہے۔ کیا فائدہ برائیوں کے راستے پر جانے سے' برائیوں میں رکھا ہی کیا ہے۔"

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا' کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"میرے دوست! دنیا اچھی ہے یا بری' اس کے بارے میں تو میں کچھ بھی نہیں کہوں گا

لیکن درحقیقت فیض اللہ خان صاحب کے انتقال کے بعد اگر تم بھی مجھے نہ مل جاتے تو یقین کرو کہ زندگی بے حد بھیانک ہو جاتی اور میں نہیں جانتا کہ میری زندگی کس طرح گزرتی، تم جس انداز میں مجھے سنبھال رہے ہو بس میں تمہاری اس محبت کو دل میں محسوس ہی کر سکتا ہوں، زبان سے کیا کہوں۔"

افضال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے کہا۔ "میرا بھی تو اس دنیا میں کوئی نہیں ہے، کیا تم یہ بات نہیں جانتے۔"

پھر یہ فاصلہ طے ہو گیا اور ہم نے دیکھا کہ پہاڑی ٹیلے پر ایک آستانہ بنا ہوا ہے، سبز رنگ کے کچھ جھنڈے لگے ہوئے ہیں، سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، پتھروں سے چنی ہوئی دیواریں ہیں۔ ٹیلوں کا یہ سلسلہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا دور تک چلا گیا تھا۔ جگہ واقعی بڑی پراسرار سی تھی۔ ماحول بہت عجیب، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برگد کے درخت بکھرے ہوئے تھے جن کی ڈاڑھیاں لٹکی ہوئی تھیں اور بعض داڑھیاں زمین سے آ لگی تھیں، ان کے نیچے عقیدت مندوں کی ٹولیاں تھیں۔ لوگوں نے جگہ جگہ چولہے لگا رکھے تھے اور نجانے کیا کیا ہو رہا تھا۔ میرا واسطہ اس سے پہلے ایسے ماحول سے نہیں پڑا تھا اس لیے یہ سب کچھ مجھے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ ان تینوں افراد نے وہاں پہنچنے کے بعد ہم سے کہا۔

"ادھر آ جائیے، وہ جگہ ہے" اور ہم ان کے ساتھ چل پڑے۔ پھر انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے بارے میں بتانے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"اب چونکہ آپ کی ملاقات کل ہی غزل شاہ صاحب سے ہو سکتی ہے اس لیے آرام سے بیٹھیے کھانے پینے کی خواہش ہو تو وہ سامنے لنگر گاہ ہے جا کر وہاں سے اپنے لیے خوراک لے لیجئے، ویسے بھی لوگ یہاں کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں، وہ دیکھیے وہ شاید ہم لوگوں کے لیے چائے آ رہی ہے۔"

"وہ چند افراد تھے جو ہاتھ میں چائے کے برتن لیے ہوئے تھے اور لنگر کے طور پر چائے تقسیم کر رہے تھے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مجھے نہ تو اس ماحول کے بارے میں کچھ معلوم تھا اور نہ ہی اس سے پہلے میرا واسطہ ایسے کسی ماحول سے پڑا تھا۔ میری تو کہانی ہی عجیب تھی اور میں بس اپنی ہی کہانی کا ایک کردار تھا۔ چائے دینے والوں نے ہمارے ہاتھ میں چائے کے برتن پکڑائے اور ان میں چائے انڈیل دی۔ وہ تین افراد ہمارے اچھے خاصے دوست بن

گئے تھے اور پھر غزل شاہ صاحب کے بارے میں گفتگو ہونے لگی، ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ شاہ جی بڑی طاقت کے مالک ہیں۔ میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ بے شمار موکل ان کے قبضے میں ہیں اور وہ ان موکلوں کے ذریعے دنیا کا ہر کام کرتے ہیں، آپ ان سے کچھ بھی پوچھئے وہ اپنے موکلوں سے پوچھ کر بتا دیتے ہیں۔ وہ لوگ نجانے کیا کیا مجھے سناتے رہے اور میں عجیب و غریب احساسات میں ڈوبا رہا۔ میرے ذہن میں تو بڑے جوار بھاٹے تھے، میں نجانے کیا کیا سوچتا رہتا تھا۔۔۔۔ وہ لوگ غزل شاہ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ایسی ہی کوئی بات ہے تو غزل شاہ صاحب سے ملاقات کر کے صرف یہ پوچھوں گا کہ اس وقت نجمہ، صوفیہ اور میری پیاری بیٹی عظمیٰ کہاں ہے، وہ معصوم بچی جس نے مجھے دوبارہ زندہ رہنے کی ترغیب دی تھی، میری چھوٹی سی خالہ جان، میرا دل اس کے لیے بری طرح تڑپتا تھا، آہ میری نحوست نے اس خاندان کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا تھا، فیض اللہ خاں صاحب کے بارے میں اس بات پر کوئی شبہ ہی نہیں تھا کہ وہ صرف اور صرف میری وجہ سے موت کا شکار ہوئے تھے ورنہ وہ اچھی خاصی صحت اور تندرستی کے مالک تھے، ہمارے ساتھی ہمیں غزل شاہ صاحب کے بارے میں نجانے کیا کیا باتیں بتاتے رہے، پھر رات کا کھانا افضال ہی لنگر سے لے کر آیا تھا اور اس کے بعد ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ آج کی رات اور کل کا پورا دن یہاں گزارنا تھا۔

افضال تو بہرحال غزل شاہ صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ اس کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ لیکن میں مختلف انداز میں سوچ رہا تھا، میں نے سوچا کہ ذرا دیکھنا تو چاہیے کہ غزل شاہ صاحب کے موکل کیسے ہیں۔

آخر مغرب کے بعد وہ لوگوں سے ملاقات کیوں نہیں کرتے، میری فطرت میں شدید تجسس بھڑک رہا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

* * *

باب نمبر 10

چاروں طرف اب سناٹا پھیل چکا تھا اور لوگ سو گئے تھے' میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ افضال بھی گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں ذرا تھوڑی سی جاسوسی کر کے دیکھوں۔ ویسے ان لوگوں نے جو داستانیں سنائی تھیں وہ میرے لیے بڑی دلچسپی کا باعث تھیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ غزل شاہ صاحب کے قبضے میں جو موکل ہیں اور جن سے وہ گفتگو کرتے ہیں اور لوگوں کے جائز کام کراتے ہیں ان کی شخصیت کیسی ہے' کیا ہے یہ سب کچھ؟ تھوڑی سی معلومات تو ہونی چاہیں اس بارے میں' اور اس کے بعد میرا تجسّس اس قدر بھڑکا کہ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر خاموشی سے اس سمت چل پڑا جہاں پہاڑی ٹیلے تھے۔ مجھے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا' لیکن تجسّس مجھے اس طرف لیے جا رہا تھا اور میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ایک دو بار دل میں خوف بھی پیدا ہوا کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے' لیکن خود ہی اپنے آپ پر ہنسنے لگا۔

میری زندگی اگر نقصان سے دوچار ہوتی تو کیا فرق پڑتا۔ تاریکی میں لپٹی ہوئی پہاڑی آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ میں ٹیلے کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ اور پھر ایک جگہ سے میں اس پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ مدھم مدھم روشنی ان پہاڑی ٹیلوں کے درمیان بکھری ہوئی تھی' لیکن روشنی کا مرکز نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ عجیب سے خوف کا غلبہ طاری ہو رہا تھا' وہ ٹیلہ جس پر غزل شاہ صاحب کی خانقاہ تھی' مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ پہاڑی راستہ ناہموار تھا اور بار بار میرے پاؤں کے نیچے چھوٹے موٹے پتھر آ جاتے تھے اس لیے میں نے اپنی رفتار ذرا سست رکھی تھی۔ مجھے نجانے کیوں اپنے وجود پر ایک عجیب سا بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔

پھر اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور میں رک کر پلٹا' لیکن آس پاس کوئی نہیں تھا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پھر آگے قدم بڑھائے' لیکن چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ مجھے پھر محسوس ہوا کہ میرے تعاقب میں کوئی آ رہا ہے' اس بار میں نے رکنے کی بجائے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد پلٹ کر بھی دیکھا لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ انسان جب کوئی چیز تصور کر لیتا ہے تو وہ تصور حقیقت بن کر اس کے سامنے آنے لگتا ہے' میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔

بہرحال پھر تھوڑی سی دور آگے بڑھا تھا کہ اچانک ہی وہ ایک پہاڑی سلسلہ ختم ہو گیا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میری نگاہیں چونکہ سامنے اس چھوٹی پہاڑی پر جمی ہوئیں تھیں جس پر جھنڈا لہرا رہا تھا اور خانقاہ تھی میں اس کو اس انداز سے نہیں دیکھ سکا تھا جس انداز سے مجھے دیکھنا چاہیے تھا' ٹیلوں میں سے بعض جگہیں ایسی بھی تھیں جہاں ان ٹیلوں کا اختتام ہو جاتا تھا اور غالباً" ایسی ہی کسی جگہ سے میرا پاؤں نیچے پھسلا تھا اور اس کے بعد میں گرتا چلا گیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنا نیچے گرا' سر میں چوٹ لگی تھی اور اس چوٹ نے مجھے کچھ دیر کے لیے دنیا سے بے خبر کر دیا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 11

وہ شاید باورچی خانے میں چلی گئی تھی' لیکن میرے ہوش و حواس ابھی تک ٹھکانے نہیں آئے تھے۔ نہ جانے کیوں ماضی میرے ذہن سے اوجھل ہو چکا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اب کرنا کیا چاہیے نہ تو شیتل میرے ذہن میں آ رہی تھی اور نہ مجھے یہ یاد آ رہا تھا کہ ماضی میں میرا اس سے کیا رشتہ رہ چکا ہے' جبکہ یہ تصویر مجھے بتاتی تھی کہ میں اس کا عزیز ساتھی ہوں۔ کیا واقعی میرا نام ستیش ہے' میں نے دل میں سوچا' لیکن اگر ستیش نہیں ہے تو پھر میرا نام کیا ہے؟ ہو سکتا ہے یہی میرا نام ہو' لیکن گزرے ہوئے دن مجھے کیوں یاد نہیں ہیں' آخر ایسا کیا قصہ ہے؟ میں بہت دیر تک یہ سوچتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی تھالی تھی۔ اس تھالی میں گرم گرم پوڑیاں اور کئی قسم کی ترکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ دفعتاً مجھے احساس ہوا کہ میں بھوکا ہوں اور جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو بہت سے احساسات خودبخود تاریکی میں چلے جاتے ہیں۔ اس نے یہ کھانا میرے سامنے ہی رکھا تھا اور میں نے کچھ وقت کے لیے یہ فراموش کر دیا تھا کہ میں ستیش نہیں ہوں یا وہ شیتل نہیں ہے۔ میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ جب میں اچھی طرح شکم سیر ہو گیا تو اچانک مجھے وہ یاد آئی۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا' روٹھے ہوئے انداز میں مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے اسے مزید غور سے دیکھا اور مجھے ایک دم احساس ہوا کہ وہ بے حد حسین ہے۔ کیسری رنگ کی ساڑھی کمر سے نیچے تک جھولتے ہوئے کالے کالے بال' موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے دانت' نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھیں' عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس پچیس سال رہی ہو گی۔ مجھے ایک دم احساس ہوا کہ وہ جو کچھ بھی ہے' حسن و جمال میں یکتا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسے دیکھنے کے بعد کسی نوجوان کے لیے یہ ممکن نہیں

کہ اس کے حسن سے متاثر نہ ہو' لیکن شرط یہ ہے کہ پیٹ بھرا ہوا ہو۔ اس وقت شاید خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے میں نے اس کے سراپا پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ میں ایک دم بولا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ واقعی مجھے یہ احساس نہیں تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ میں نے تمہیں کھانے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔"

"کون سی نئی بات ہے' تم تو ہمیشہ سے ہی میرے ساتھ یہ سلوک کرتے رہے ہو۔"

"ہمیشہ؟"

"تو اور کیا۔"

"جب اپنے من میں کچھ ہوتا ہے تب تو شیتل شیتل کی رٹ لگائے رہتے ہو اور جب بھی اپنا من اکتا جاتا ہے تو دورے کا بہانہ کر کے مجھے جوتی کی نوک سے ٹھکرا دیتے ہو۔"

میں نے شرمندگی سے کہا۔

"نہیں شیتل تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ تم یقین کرو کہ میں تمہیں شیتل کہہ کر اس لیے پکار رہا ہوں کہ تم نے اپنا نام شیتل بتایا ہے' ورنہ مجھے تو یہ سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے کہ میں ستیش ہوں اور تم شیتل اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت ابھر آئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ شیتل مندر چل رہے ہو نا؟"

"کیا یہ مندر تمہارے نام پر رکھا گیا ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ شیتل مندر تمہارے نام پر بنایا گیا ہے؟"

"نہیں۔ جب میں پیدا ہوئی تھی تو میرے پتا جی نے مجھے شیتل مندر کے مہاپجاری کے چرنوں میں ڈال دیا تھا اور مہاپجاری کے کہنے پر میرا نام شیتل رکھا گیا تھا' لیکن تم گمان کی دیوی شیتل کے مجسمے کو دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے' بولو چل رہے ہو میرے ساتھ؟"

"تم کہو تو بھلا میں انکار کیسے کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا مگر اچانک ہی مجھے یہ احساس ہوا جیسے کوئی میرے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ رہا ہے۔ میرے دماغ نے مجھ سے کہا کہ خبردار شیتل مندر نہ جانا۔ لیکن یہ صرف میرا احساس تھا' جسے میں نے صرف چند لمحوں میں فراموش کر دیا' وہ اپنی کالی کالی حسین آنکھوں سے میرا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے پوچھا:

"تو کیا تم شیتل مندر نہیں چلو گے؟"

"کیوں نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے جواب دیا اور اچانک ہی مجھے یوں

محسوس ہوا جیسے کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی ہے۔ میں نے اس سے پھر کہا۔

"کیا اس سے پہلے میں شیتل مندر جا چکا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ تم نے ایک بار وہاں بھینٹ بھی چڑھائی ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ وہاں اب جانوروں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ میرے ماتا پتا بتاتے ہیں کہ پرانے زمانے میں پوجاری یہاں انسانوں کی بھینٹ چڑھاتے تھے' مگر اب تو یہ رواج ہی نہیں رہا' چنانچہ اب جانور بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے واقعی میں نے شیتل مندر میں جانوروں کو کبھی ذبح ہوتے ہوئے نہیں دیکھا' پھر وہ بولی:

"تو کیا میں تیار ہو جاؤں؟"

"ہو جاؤ۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چلی گئی۔ کھانے کے برتن وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی' پھر وہ واپس آئی تو اس نے ایک اور حسین ساڑھی باندھ لی تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ سحر انگیز لگ رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا' جیسے ہی میں نے باہر قدم رکھا' بوڑھے سے ایک فقیر نے میرے سامنے آ کر ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا:

"بابا دے دو کچھ اللہ کے نام پر' اللہ تمہیں خوش رکھے گا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ جیسے یہ سب کچھ الفاظ میرے لیے مانوس ہیں' لیکن شیتل نے نفرت سے ناک چڑھاتے ہوئے کہا:

"اے بوڑھے فقیر سامنے سے ہٹو' کیا بد تمیزی ہے یہ راستہ کیوں روک رہے ہو؟"

"اللہ کے بندے سے اللہ کے نام پر مانگ رہا ہوں۔ تمہیں کیوں اعتراض ہے۔" فقیر نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میری آنکھوں میں دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ گردن ہلا کر مجھے آگے جانے سے روکنا چاہتا ہو۔ لیکن اس کا بھلا کیا سوال تھا۔ میں شیتل کے ساتھ آگے بڑھ گیا' ویسے بھی مجھے معلوم نہ تھا کہ میری جیبوں میں کچھ ہے بھی کہ نہیں اور میں اس فقیر کو کچھ دے سکتا ہوں کہ نہیں پھر شیتل نے تھوڑا سا آگے بڑھنے کے بعد ایک ٹیکسی روکی۔ جدید ترین شہر تھا۔ ٹیکسی نے خاصا فاصلہ طے کیا تھا اور مجھے راستے میں جگہ جگہ مندر نظر آئے تھے کون سی جگہ ہے یہ صحیح اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ پر ہجوم سڑکوں پر ٹیکسی کو بار بار رکنا پڑ رہا تھا۔ کہیں کوئی گائے سامنے آ جاتی تو کہیں کوئی ٹھیلا۔ دھوتی باندھے ہوئے ہندو قمیص پاجامے میں ملبوس مسلمان۔ ہر علاقے کا انداز تقریباً ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ بہر حال

ٹیکسی آگے بڑھتی رہی اور پھر وہ ایک مندر کے سامنے رک گئی۔ یہاں بھی اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا۔ اچھے لباسوں میں ملبوس حسین عورتیں' ان کے ساتھ مرد' اس کے علاوہ بھکاریوں کی ایک بہت بڑی تعداد۔ ویسے تو ہر جگہ کے بھکاری گندے اور نفرت انگیز ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں مندر کے سامنے بیٹھے ہوئے بھکاریوں کو غلیظ ترین کہا جا سکتا تھا' کیونکہ ان کے لباس اور جسموں سے ایسی بدبو اٹھ رہی تھی' جیسی سڑے ہوئے گوشت کی بدبو ہوتی ہے۔ شیتل میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ مندر کی عمارت اگرچہ بہت پرانی تھی' مگر سامنے کے رخ پر سنہرے اور سفید پتھر چمک رہے تھے' غالباً ان پتھروں پر سونے اور چاندی کے نقش و نگار کا کام کیا گیا تھا۔ ہم ٹیکسی سے نیچے اترے تو بہت سے بھکاری ہماری طرف لپکے۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے اور جسیم تھے۔ مجھے پہلے ہی ان سے نفرت محسوس ہو رہی تھی اور ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا تھا کہ یہ کمبخت میرے قریب نہ آئیں تو بہت اچھا ہے۔ لیکن ابھی میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ تمام بھکاری مجھ سے خاصے فاصلے پر رک گئے۔ مجھے اس طرح ان کے رک جانے پر حیرت ہوئی تھی۔ نہ جانے کیا ہوا تھا کہ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شیتل ٹیکسی سے اتر رہی تھی اور بھکاریوں کی نگاہیں میرے بجائے اس پر تھیں۔ یقیناً وہ اسے دیکھ کر ہی رکے تھے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ کچھ خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔ مجھے ان کی اس کیفیت پر حیرت ہوئی۔ حالانکہ شیتل نے ان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تو ویسی ہی مسکراہٹ تھی' جیسی اب تک مجھے نظر آتی رہی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر بھکاریوں کا اس طرح رک جانا میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ پھر شیتل میرے ساتھ آگے بڑھی تو بھکاری اس طرح منتشر ہو گئے جیسے جان بچا رہے ہوں۔ شیتل مجھے ساتھ لیے ہوئے مندر میں داخل ہوئی تو وہاں بھی میں نے لوگوں کا یہی انداز دیکھا' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شخص کے انداز میں شیتل کے لیے عقیدت ہے اور شیتل بھی اسی طرح گردن اٹھائے چل رہی تھی جیسے کوئی بہت بڑی شخصیت ہو۔ میں اچھی طرح یہ باتیں محسوس کر رہا تھا کہ شیتل کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں جھک جاتی ہیں اور وہ اسے آگے بڑھنے کے لیے راستہ دے دیتے ہیں۔ نہ جانے کیا قصہ ہے؟ نہ جانے کیا چکر ہے؟ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو میں نے دیکھا کہ بہت سے افراد ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پھول یا بھینٹ چڑھانے کے لیے جو بھی چیز لائے تھے وہ شیتل کے قدموں میں رکھ رہے تھے۔ شیتل اپنی جگہ رک گئی تھی' وہ مندر کے صحن میں کھڑی ہوئی تھی اور اس مندر میں اس کے آنے

سے کچھ عجیب ہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کوئی دیوی ان کے درمیان آ گئی ہو' وہ اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزیں اس کے قدموں میں رکھ رہے تھے اور الٹے قدموں تیزی سے پیچھے ہٹ رہے تھے اور کچھ ہی لمحوں میں میں نے محسوس کیا کہ اب اس مندر میں صرف ہم دو افراد رہ گئے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات تھی۔ میری کیفیت تو اس وقت خوابوں جیسی تھی اور میں یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ کہیں واقعی میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ میں نے پلٹ کر شیتل کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی غیر انسانی مخلوق ہو۔ شیتل چند لمحے وہیں کھڑی رہی اور پھر وہاں سے مجھے لے کر آگے بڑھی۔ ایک چبوترا سا تھا اور پھر اس کے بعد ایک نیم تاریک دالان اور اس دالان کے عین درمیان ایک سنہرا مجسمہ نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی کہ سنہری مجسمے کی صورت بالکل شیتل سے ملتی ہوئی تھی' بلکہ اگر وہ مجسمہ نہ ہوتا تو یہی سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ شیتل ہے' البتہ اس مجسمے میں اور شیتل میں ایک بہت بڑی تبدیلی تھی وہ یہ کہ مجسمے کے بدن پر بہت سے ہار پڑے ہوئے تھے' اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت چھائی ہوئی تھی' اس کے جسم پر سونے کے کئی سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ گلے میں بڑے بڑے منکوں کی مالائیں پڑی ہوئیں تھیں اور اس کے ایک ہاتھ میں خون آلود تلوار اور دوسرے ہاتھ میں کٹا ہوا انسانی سر تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ ایک طرف نظر آنے والی شیتل حسین شکل و صورت کی مالک اور دوسری طرف یہ موت کا مجسمہ' جسے دیکھ کر ہی عجیب سی دہشت طاری ہو رہی تھی مجھ پر' میں نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولنا چاہی لیکن مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری زبان بند ہو گئی ہو۔ میں بولنا چاہتا تھا لیکن میری آواز نہیں نکل رہی تھی اور ادھر شیتل کی یہ کیفیت تھی کہ وہ پلک جھپکے بغیر بڑی محویت سے اس مجسمے کو دیکھ رہی تھی' بالکل یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ایک مجسمہ نہیں بلکہ دو مجسمے ہوں جو ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہوں۔ ایک زندہ اور دوسری مجسمے کی شکل میں۔ نہ جانے کیا قصہ تھا یہ لمحے صدیاں بن کر بیت رہے تھے اور میں اپنے اطراف میں بڑی بوجھل سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اسے آواز دی:

"شیتل کیا ہے یہ سب کچھ؟" جواب میں شیتل نے میری جانب دیکھے بغیر نہ جانے کون سی

زبان میں مجسمے کو دیکھتے ہوئے کچھ کہا اور اس کے بعد چونک کر میری جانب متوجہ ہو گئی۔

"آؤ۔"

"تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"آؤ۔" وہ پھر ایک بار اسی انداز میں بولی اور مجھے لے کر ایک جانب بڑھ گئی۔

"تم نے شیتل مندر دیکھا؟"

"ہاں۔"

"وہ کیسی' لگی؟"

"کون؟"

"وہ۔" شیتل پتھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ میری جانب نہیں دیکھ رہی تھی' مجسمے کی طرف بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ تیسری بار اس نے پھر کہا:

"آؤ۔" میں تمہیں دکھاؤں کہ شیتل کو بھینٹ کیسے دی جاتی ہے۔ میں نے کسی قدر تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بہت عجیب تاثرات تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ مجھے یہ لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اب میری جانب بھی متوجہ نہ ہو' بہرحال مندر کے حال سے باہر نکل کر وہ ایک طرف چل پڑی' اگر میں خود اس کا ساتھ نہ دیتا تو شاید اسے پتا بھی نہ چلتا کہ میں اس کے ساتھ آ رہا ہوں۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا' نہ جانے کیوں میرے ذہن میں بھی ایک عجیب سا تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ مندر کے احاطے میں جہاں شیتل مجھے لے گئی' لوگوں کا ایک مجمع سے لگا ہوا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو بھینٹ چڑھانے آئے تھے۔ لکڑی کی تقریباً ۲ فٹ اونچی چوکی تھی جس کے سامنے ایک وحشی صورت کا پجاری کھڑا ہوا تھا۔ اس کا اوپری بدن برہنہ تھا' نچلے جسم پر اس نے کیسری رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ کیسری رنگ کہیں کہیں سے جھانک رہا تھا' ورنہ اس لباس پر خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چوڑے پھل کا تیز دھار والا ہتھیار تھا۔ یہاں بکریوں کی بھینٹ دی جا رہی تھی۔ بکری کے پیر باندھ کر اسے چوکی پر اس طرح لٹا دیا جاتا کہ اس کا سر ایک طرف پہنچ جاتا۔ دوسری طرف چار پجاری اشلوک پڑھ رہے تھے۔ ہر لمحے کے بعد اس وحشی پجاری کا وہ ہتھیار حرکت میں آتا اور بکری کا سر کٹ کر دور جا گرتا۔ پجاری بکری کے کٹے ہوئے سر کو اٹھا کر اس سے ٹپکنے والا خون پیتل کی چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں جمع کر کے بھینٹ چڑھانے والوں کے

سامنے پیش کر دیتا اور وہ اس خون میں انگلیاں ڈبو کر اپنی پیشانیوں پر نشان لگاتے اور پھر بغیر سر کی بکری لے کر رخصت ہو جاتے اس جگہ شدید تعفن پھیلا ہوا تھا۔ مکھیوں کی بھرمار بھی ساتھ تھی۔ لاتعداد کتے بھی موجود تھے جو ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے' غرا رہے تھے' گوشت پر جھپٹ رہے تھے۔ بہرحال ہم بھی وہاں جا کر کھڑے ہو گئے۔ شیتل در حقیقت میرے لیے ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اب تک جس طرح کا اظہار کیا تھا اس سے مجھے اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ لیکن مجھے حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیا کیا تھا کہ میں اب بھی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ ستیش کہہ کر مجھے مخاطب کر رہی تھی' یہ ستیش کون ہے' کیا ہے؟ کچھ پتا نہیں تھا۔ پھر وہ وہاں سے واپس پلٹی اور بوجھل سے قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے چل پڑی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ مجھے بھول چکی ہو۔ اگر میں اس کے ساتھ قدم نہ اٹھاتا تو وہ آگے بڑھ جاتی۔ مندر کی حدود سے نکل کر سڑک کی طرف جاتے ہوئے وہ بالکل خاموش تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے خواب میں چل رہی ہو' لیکن اب میں ہوش و حواس میں تھا اور اس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا' وہ پیدل ہی چلتی رہی اور ہم کافی دور نکل آئے اور پھر جیسے اسے اچانک جھٹکا سا لگا۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا:

"......اور بہت پہلے شیتل کے مجسمے کے سامنے جانوروں کی بجائے انسانوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ کیا تمہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی ہو۔ ایسی چمک جیسے شکار کو دیکھ کر شکاری کی آنکھوں میں اتر آتی ہے۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے یہ منظر سکون کے ساتھ دیکھا۔ ارے ہم کتنی دور نکل آئے۔ ٹیکسی کے بغیر تو ہم واپس جا بھی نہیں سکتے۔ کوئی ٹیکسی روکو' ہمیں ایک اور جگہ جانا ہے۔"

"کہاں؟"

میں نے سوال کیا۔ لیکن اس سوال کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' پھر اچانک ہی وہ بولی:

"اور اس بات پر بھی تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ شیتل کے مندر میں جو شیتل ہے اس کے

نقوش مجھ سے مختلف نہیں ہیں۔"

"میں اس کی وجہ نہیں جانتا۔" میں نے کہا۔

"جان جاؤ گے' وہ دیکھو وہ ٹیکسی جا رہی ہے' اسے اشارہ کرو۔" چند لمحوں کے بعد ٹیکسی ہمارے پاس رک گئی اور ہم اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ کون سا شہر تھا' کون سی جگہ تھی؟ آج دماغ ہی قابو میں نہیں تھا۔ ٹیکسی شہر کے انتہائی گنجان علاقے میں داخل ہو گئی۔ شاید شیتل ٹیکسی ڈرائیور کو پتا بتاتی جا رہی تھی۔ میں نے شیتل کو ڈرائیور کو اشارہ کرتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ ڈرائیور کو اس کا بل ادا کر کے نیچے اتر آئی۔ تنگ و تاریک گلیاں جن میں گندے پانی کی نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یہ پانی کافی بدبودار تھا' گلی میں بکھرا ہوا تھا اور اس کے درمیان میں سے نکلنا کافی مشکل کام تھا۔ جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ سامنے سے ایک گائے آ رہی تھی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ ہمیں سمٹ کر دیوار سے لگنا پڑا' وہ تو شکر تھا کہ گائے کوئی شریف زادی تھی' جو خاموشی سے غلیظ پانی کی چھینٹے اڑاتی ہوئی ہمارے پاس سے نکل گئی' اگر اخلاقاً ہی وہ ہمارے پیٹ میں ایک ٹکر مار دیتی تو کھیل یہیں ختم ہو جاتا۔ بہرحال اسی طرح کی کئی گلیاں عبور کرنے کے بعد آگے جا کر راستہ بند ہو گیا تھا۔ گلی کے اس اختتامی حصے کو لکڑی کے تختے سے گھیر کر رہائشی مقاصد کے لیے استعمال میں لایا جا رہا تھا۔ تختے بھی بری طرح ایک دوسرے پر ٹھوک دیے گئے تھے۔ اسی میں ایک دروازہ سا بنا دیا گیا تھا' جس کے سامنے پردے کے طور پر پھٹا ہوا ٹاٹ لٹکا ہوا تھا۔ شیتل اس دروازے سے اندر داخل ہوئی تو مجھے بھی اس میں داخل ہونا پڑا' لیکن اچانک ہی مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی' بالکل اس طرح جیسے کوئی بکری کا چھوٹا سا بچہ اپنی آواز میں بولتا ہے۔ ہم دروازے سے گزرنے کے بعد جس کمرے میں داخل ہوئے اس میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہ تھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی نوار والی چارپائی پڑی ہوئی تھی اور دو تین پرانی طرز کی کرسیاں سامنے ہی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ مٹی کے تیل کا ایک لیمپ بھی رکھا ہوا تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد شیتل نے یہ لیمپ جلا دیا۔ درمیان میں ایک بھاری اور میلا کچیلا پردہ پڑا ہوا تھا' یہ بھی ٹاٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو سی کر ڈالا گیا تھا۔ شیتل نے میری جانب دیکھا اور پھر کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی:

"بیٹھو۔"

"لیکن میں کہتا ہوں یہ کیا ہے؟"

"میں تمہارے پینے کے لیے شربت لے کر آتی ہوں۔" اس کے قدم پردے کی طرف

بڑھ گئے اور میں اس ہولناک جگہ کو دیکھنے لگا۔ اندر ہی اندر میں عجیب سی کشمکش کا شکار تھا۔
خداوندا یہ سب کیا ہے؟ اور میں کون ہوں؟
مجھے یاد کیوں نہیں آتا کہ میں کون ہوں؟ وہ واپس آئی تو اس نے ایک برتن میری جانب بڑھادیا' جس میں کوئی نیم گرم سیال بھرا ہوا تھا۔ ویسی ہی آواز مجھے دوبارہ سنائی دی' بالکل ایسے جیسے کسی بکری کے بچے پر تشدد کیا جارہا ہو اور وہ اس تشدد سے چیخ رہا ہو۔ میرا دل چاہا کہ میں شیتل سے اس آواز کے بارے میں پوچھوں' نہ جانے کیسی آواز تھی کہ جسے سن کر بار بار میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ جاتی تھیں اور نہ جانے کیوں مجھے وہ لمحات یاد آرہے تھے' جب وہ خونی پجاری صرف ایک وار میں بکری کے سر کو کاٹ دیتا تھا۔
"تم شربت نہیں پی رہے؟"
"یہ شربت ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"پی لو' جو کچھ بھی ہے پی لو۔" اس نے کہا۔
"اور تم؟"
"میں بعد میں پی لوں گی۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"لیکن یہ ہے کیا؟"
"کیا تمہیں یہ سوال کرنا چاہیے؟"
"پی لو' یہ تمہارے لیے ہے۔"
اور پھر وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے بمشکل چند گھونٹ حلق سے اتارے اور برتن نیچے رکھ دیا' وہ میرے قریب آئی اور اس نے برتن دوبارہ اٹھا کر میری جانب بڑھایا اور عجیب سے لہجے میں بولی: "یہ سب پی لو۔" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ میرے دل میں اس بدذائقہ مشروب سے نفرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں لیکن اس نے وہ برتن اٹھا کر دوبارہ میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی' ہلکا ہلکا نمکین مشروب' میرے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری ہو رہی تھی' پھر مجھے یوں لگا جیسے میرا جسم ہلکا ہوتا جارہا ہو۔ میں نے شیتل کی طرف دیکھا' وہ مجھے پہلے سے زیادہ حسین لگنے لگی۔ میں نے برتن خالی کر دیا تھا' اس نے برتن اٹھایا اور بولی: "میں ابھی آتی ہوں۔"
ایک بار پھر وہ اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ اب میرے لیے وقت کا احساس مٹ چکا تھا۔ مجھے آہستہ آہستہ غنودگی کی سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے

میرا بدن کرسی سے اٹھ کر فضا میں بلند ہوتا جارہا ہو۔ یہ خواب کی سی کیفیت' میری اصلیت کو تبدیل کیے دے رہی تھی۔ مجھے بالکل ایسا ہی لگا جیسے میرے بدن میں قوتوں کا ذخیرہ بڑھتا جارہا ہو۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئیں تھیں' بس مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی سفر کر رہا ہوں۔ کوئی ایسا طویل اور بے مقصد سفر جو نہ جانے کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہو جاتا ہے۔ بہت سی ملی جلی خوشبوئیں آرہی تھیں اور پھر یہ خوشبوئیں بدبو میں تبدیل ہو گئیں۔ بالکل اس طرح جیسے قربان گاہ پر بدبو پھیلی ہوئی تھی' مجھے یوں لگا جیسے میں اپنی جگہ سے اٹھ کر یہاں کھڑا ہو گیا ہوں۔ اس وقت میں اپنے آپ کو کوئی طاقتور دیوتا محسوس کر رہا تھا کہ اچانک اس پردے کے پیچھے سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور شیتل اندر داخل ہو گئی لیکن وہ شیتل نہیں تھی جو پردے کے پیچھے گئی تھی' اس کا رنگ سنہرا تھا' اس کے گلے میں منکوں کی مالا پڑی ہوئی تھی' اس کے بدن پر کیسری لباس تھا اور اس نے بکری کے ایک بچے کو پکڑ رکھا تھا' اس نے بکری کا بچہ میرے حوالے کیا اور پھر اپنے بدلے ہوئے لباس سے ایک بہت بڑا خنجر نکالا اور اسے میری جانب بڑھا دیا۔
"لو تمہیں خون کی بلی چاہیے نا' لو خون کی بلی قبول کرو' تمہیں خون پسند ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی' اپنے دماغ کو کئی جھٹکے دیئے لیکن اپنے آپ کو اس طلسمی حصار سے باہر نہ نکال سکا' اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سے سحرانگیز کیفیت تھی' وہ آہستہ آہستہ میری جانب بڑھی اور پھر بولی:
"لو ستیش دیوتا تم نہیں جانتے کہ اس بلی کو سیوکار کر کے تم کتنے طاقتور بن جاؤ گے۔ اس نے بکری کا بچہ زبردستی میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔ مگر وہ بکری کا بچہ کہاں تھا؟ اس کے دو پاؤں تھے' دو ہاتھ تھے' گھنگریالے سنہرے بال تھے' آنکھوں میں معصوم سی چمک تھی۔ اس کے نقوش بے حد حسین تھے۔ آہ یہ بکری کا بچہ تو نہیں ہے' یہ تو انسان کا بچہ ہے۔ میری نگاہیں ایک بار پھر شیتل کی طرف اٹھ گئیں جو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس کے بعد مجھے اس کے بدلتے ہوئے روپ نظر آنے لگے' اس کے جسم پر سونے کے سانپ لپٹ گئے تھے اور پھر اس کی آواز سنائی دی:
"میں شیتل ہوں' تباہی اور موت کی علامت' تم ایک عظیم دیوتا بننے کے لیے اس بچے کی بھینٹ میرے چرنے کو دو۔ یہ خنجر ہے' اس سے اس کی گردن کاٹو اور اس کا خون میرے پورے بدن پر پھینک دو' اس کا خون مجھے دے دو' اس کا خون مجھے دے دو۔" میں نے ایک

نگاہ بچے کو دیکھا۔ معصوم بچہ ہونٹ بسور کر رو دیا اور جیسے ہی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی' میں ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ میں نے وہ خنجر جو میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا' شیتل پر پھینک مارا۔ اس معصوم بچے کو میں زندگی سے کیسے محروم کر سکتا تھا۔ میں تو مسلمان تھا اور میرا نام' میرا نام احتشام تھا۔ ہاں میرا نام احتشام تھا اور میں..... میں رات کی تاریکی میں ان بزرگ کے مزار پر آیا تھا' میں پہاڑیاں عبور کر رہا تھا کہ میرا پاؤں پھسل گیا تھا اور میں نیچے گر گیا تھا' میرے سر پر چوٹ لگ گئی تھی..... مگر شیتل..... یہ جگہ..... یہ سب کچھ..... کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ قرب و جوار میں ایک مدہم سی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور رات ہی کا وقت ہے' مجھے اب سے چند لمحے قبل خود پر بیتی ہوئی داستان یاد آنے لگی۔ آہ کیا وہ ایک تصور تھا' کوئی خواب تھا وہ' کیا تھا آخر؟ پھر اچانک ہی میں نے اپنے سامنے ایک مدہم سی روشنی دیکھی اور میرا دل لرز اٹھا۔ اس روشنی کی کیفیت ایک انسانی جسم جیسی تھی۔ سفید لباس' سفید داڑھی' لمبے لمبے سفید بال' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آ گیا۔

"بری بات ہے' بڑے جس کام سے منع کرتے ہیں وہ نہیں کرنا چاہیے' اگر تمہارے کانوں میں اذان کی آواز نہ کہی گئی ہوتی' اگر تم نے صدق دل سے زندگی میں ایک بار بھی کلمہ نہ پڑھا ہوتا تو خدا کی قسم ان بدروحوں سے تمہارا تحفظ نہیں کیا جا سکتا تھا' تم نہیں جانتے کسی بھی کام کے لیے انکار کی منزل کیا ہوتی ہے؟ مقصد کیا ہوتا ہے؟ سمجھے۔ بس جو کہا جائے وہ کرنا چاہیے۔ چلو اب واپسی کے لیے پلٹو!" میں نے گھوم کر اپنی پشت پر دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر بولا: "لیکن میں۔"

یہ جملہ میں نے ان بزرگ کو مخاطب کر کے کہنا چاہا تھا لیکن جب پلٹ کر دیکھا تو ان کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

مدہم روشنی میں ڈوبی ہوئی پہاڑیاں خاموش تھیں اور تھوڑے فاصلے پر عزل شاہ کی خانقاہ نظر آ رہی تھی۔ اس خانقاہ کے مختلف گوشوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں ذرا سی دیر میں کئی خوفناک کیفیتوں کا شکار ہو چکا تھا۔

میرے قدم پھر ایک بار آگے بڑھے' میں اب میں عزل شاہ کے بارے میں جانے بغیر نہیں جانا چاہتا تھا' چنانچہ خانقاہ سے میرا فاصلہ کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ ایک بات اب میں اچھی طرح محسوس کر رہا تھا' وہ یہ کہ کوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میں بار بار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا' یہاں

تک کہ میں خانقاہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ خانقاہ کے دروازے پر وہی سفید درویش بزرگ کھڑے ہوئے تھے' ان کے چہرے پر سختی کی بجائے نرمی اور مسکراہٹ تھی۔

بولے: "بڑے ضدی ہو' جو کہا جاتا ہے مانتے نہیں' بچوں کی طرح ضد کرتے ہو۔ آخر چاہتے کیا ہو؟"

"میں شاہ صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"صرف ملاقات کرنا چاہتے ہو؟ یا کچھ اور بھی چاہتے ہو ان سے؟"

"میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور ان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"دیکھو میاں ایک بات بتاؤں تمہیں' کسی بھی نیک کام کے لیے انسان کو اپنی فطرت میں نیکیوں کا عنصر پیدا کرنا پڑتا ہے' تم کیا سمجھتے ہو' شاہ صاحب کوئی معمولی شخصیت ہیں' ان سے ملاقات کے لیے دل و دماغ کو اتنا صاف کرنا پڑتا ہے کہ اس پر کوئی نشان نہ ہو' کیا تم اپنے آپ کو اتنا صاف ستھرا پاتے ہو؟"

"نہیں' صاف ستھرا تو میں بالکل نہیں آپ بزرگ ہیں' آپ کو تو اس بات کا اندازہ ہو گا کہ میں غلاظت کی پوٹ ہوں' گندگی ہوں اس کائنات کی' اگر میں اس کائنات کی گندگی نہ ہوتا تو اس دنیا میں میرے لئے بھی کوئی مقام ہوتا۔ اگر آپ یا عزل شاہ صاحب درحقیقت بزرگ ہیں تو انہیں دنیا داروں سے الگ تھلگ ہونا چاہیے' کیونکہ دنیا جانے یا نہ جانے کم از کم بزرگ عزل شاہ جانتے ہیں کہ دنیا میں آتے ہوئے میرے دل میں یہ بات نہیں تھی کہ میں اس دنیا میں آؤں گا اور اس میں میرے اپنے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ دنیا والے تو مجھے غلاظت کی پوٹ سمجھتے ہی ہیں اور اگر تم نے بھی ایسا ہی سمجھا تو پھر کیا فرق ہوا تم میں اور دنیا میں؟ یا تو مجھے اندر جانے دو یا پھر کہہ دو کہ ایک طوائف کا بیٹا اندر نہیں جا سکتا۔" نہ جانے کیوں میرے دماغ میں ایک نفرت کی سی کیفیت ابھر آئی تھی۔

میں نے دہشت زدہ لہجے میں کہا: "مجھ پر جو الزامات لگائے گئے تھے..... جن الزامات کے تحت میں نے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتی' کیا وہ میرے لیے ضروری تھی؟ بولو..... جواب دو مجھے..... اے نیک لوگو! جواب دو۔"

"بھائی بڑا حجتی ہے تو۔" بزرگ نے کہا اور راستے سے ہٹ گئے۔

* * *

باب نمبر 12

سفید لباس والے بزرگ کو راستے سے ہٹتے دیکھ کر میری ہمت بڑھی گویا مجھے اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی کہ میں اندر داخل ہو جاؤں۔ میرے اندر ہمت تھی' چنانچہ میں خانقاہ کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر چراغ جل رہے تھے۔ جائے نماز پر ایک بزرگ سینے سے تھوڑی لگائے دوزانو بیٹھے ہوئے کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان کے جسم پر بھی سفید لباس تھا۔ مجھے ان کے چہرے پر ایک عجیب سا جلال نظر آ رہا تھا۔ میرے قدموں کی چاپ اس پہاڑی غار میں گونجی لیکن بزرگ نے گردن نہیں اٹھائی وہ خاموشی سے بیٹھے پڑھنے میں مصروف رہے۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح پڑھتے رہے' پھر انہوں نے اپنے اطراف میں پھونکا اور اس انداز میں مجھے دیکھا' جیسے انہیں میرے آنے کی وجہ معلوم ہو اور وہ اس بات سے واقف ہوں کہ میں یہاں موجود ہوں۔ بہرحال شخصیت ایسی تھی کہ انہیں دیکھ کر میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی ہیبت سوار ہو گئی تھی۔ بزرگ نے پر متانت انداز میں ہاتھ سامنے کر کے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر آہستہ سے بولے:

"زبان خلق نقارہ خدا ہوتی ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا؟"

مجھے جواب دینا تھا' کیونکہ سوال کیا گیا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا:

"یہ محاورہ میں نے سنا ہے۔"

"تم بزرگوں کو احمق سمجھتے ہو' یعنی اگر کوئی کچھ کہے تو اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے! لیکن میں یہ بات نہیں جانتا کہ مجھ سے یہ الفاظ کیوں کہے جا رہے ہیں؟"

"کچھ مسائل ہوتے ہیں' کچھ الجھنیں ہوتی ہیں' بعض باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں' اگر سمجھایا جائے تو سمجھنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔"

"جب سمجھ جاؤں گا تو عمل کروں گا' ابھی سمجھا نہیں ہوں۔"

"اور نہ سمجھنے کے عالم میں جو کچھ کر کے آئے ہو' اس کا کچھ پتہ ہے؟"

"کیا کر کے آیا ہوں میں؟" میں نے بے خوفی سے کہا۔ پتا نہیں میرے اندر یہ ہمت' یہ جرأت کیسے پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ مجھے احساس تھا کہ میں کسی بہت بڑی شخصیت کے سامنے ہوں' لیکن بس طبیعت میں کچھ ایسی سرکشی پیدا ہو گئی تھی کہ جو دل میں آیا وہ کہہ رہا تھا اور اس سے گریز نہیں کر رہا تھا۔ بزرگ نے کچھ اس انداز میں نگاہیں اٹھا کر میری طرف دیکھا جیسے میرے الفاظ کو پسند نہ کیا ہو۔ کچھ دیر سوچتے رہے' پھر بولے:

"الجھے ہوئے ہو' اگر ایسے ہی الجھنا تھا تو اپنی تلاش کو کیوں نکلے تھے' خود کو گمنام رہنے دیتے۔ ماں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ جاؤ دنیا میں جا کر برائیاں پھیلاؤ' وہ کرو جو نہیں کرنا چاہیے۔ ارے اگر اس نے اپنی حقیقت بتا دی تھی تو نیکی کا راستہ بھی تو اختیار کیا جا سکتا تھا۔" میں حیران نگاہوں سے ان بزرگ کو دیکھ رہا تھا' پھر میں نے کہا:

"آپ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے ابھی زبان سے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خانقاہ کے در و دیوار سے تیز ہوائیں ٹکرا رہی ہوں۔ سانپوں کی سی پھنکاریں ان دیواروں سے ابھرنے لگیں تھیں۔ اچانک ان بزرگ نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور بولے:

"نہیں! نا سمجھ ہے' نا سمجھی کا شکار ہوا ہے' اگر دنیا میں ٹھوکریں نہیں کھائے گا تو تجربہ نہیں حاصل کر پائے گا۔ یہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہے اس کی تحریر نہ مٹاؤ' لکھنے دو اس کو جو کچھ لکھ رہا ہے۔"

"محترم بزرگ! مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔" میں نے فوراً کہا۔ دل میں ایک خوف سا بس گیا تھا' جو کچھ ہو چکا تھا وہ یاد تھا' لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ہواؤں کا شور' سانپوں کی پھنکاریں ایک دم رک گئیں اور خانقاہ میں خاموشی اور سناٹا طاری ہو گیا تو بزرگ نے کہا:

"جن باتوں سے منع کیا جائے' ان سے گریز ضروری ہے۔ جب کوئی تمہارے گھر کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو تم دروازہ کھول کر اسے دیکھتے ہو اور اس کے بعد فیصلہ کرتے ہو کہ اسے اندر آنا چاہیے یا نہیں اور جو اپنی مرضی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاتے

ہیں' وہ یا تو چور اور ڈاکو ہوتے ہیں یا پھر بری نیت سے داخل ہونے والے۔ ہاں جو تمہاری اجازت سے تمہارے گھر میں داخل ہوتا ہے' اس پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ تمہارے اپنے اصولوں کے مطابق۔ خیر عقل ہے تو سمجھو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں اور نہیں تو جاؤ پہلے دنیا کی ٹھوکریں کھاؤ پھر یہاں آنا۔"

میں نے کہا: "سنیئے محترم بزرگ! میں آپ کا احترام کرتا ہوں' بہت عزت کرتا ہوں لیکن مجھ پر انکشاف ہوا ہے کہ میں ایک بدنصیب شخص ہوں اور ہمیشہ بدنصیبی کا شکار ہوتا رہا ہوں۔"

"اگر زر و جواہر اور جائیداد تمہارے ہاتھ لگ جائیں تو خود کو معتبر اور خوش نصیب کہنا شروع کر دو گے۔ ان قوتوں کو بھول جاؤ گے' جنہوں نے تمہیں یہ سب کچھ بخشا۔ کیسی نا انصافی ہے اور کیسے افسوس کا مقام ہے' جو کچھ ہوا وہ یاد نہیں ہے تو اسے یاد کرو' دل میں رکھو تاکہ قلب کی صفائی ہو اور آگے چل کر اپنے آپ کو کچھ بہتر بنا سکو۔ ایک سجدہ...... فقط ایک سجدہ نہیں کیا تھا اس نے اور اپنے تمام علم کے باوجود وہ ملعون قرار پایا۔ انسان جب کمرہ امتحان میں داخل ہوتا ہے تو تمام سوالات یاد کر کے آتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ پرچہ بالکل صحیح حل کرے لیکن اگر وہ اس کے برعکس کرے تو جانتے ہو کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

تمہارا وجود ایک لمحے میں ناپاک کر دیا گیا ہے سمجھے' جو سیال پی کر آئے ہو وہ خون تھا اور یہ خون اب تمہارے خون میں شامل ہو گیا ہے۔ اللہ نے تمہیں عقل دے کر اس کائنات میں بھیجا ہے نیکی اور بدی میں تفریق کرنے کا حکم دیا۔ سنو! میں تم سے ہمدردی رکھتا ہوں' کیونکہ تم بھٹکے ہوئے انسان ہو۔ اپنی چھوٹی سی عقل لے کر اس دنیا کو سکندر کی طرح تسخیر کرنے نکل چکے ہو۔ عقل بہت مختصر ہے اور کائنات بے حد وسیع۔ اپنی عقل سے تم اس کائنات کی تسخیر نہیں کر سکتے۔ کچھ باتیں ذہن نشین کر لو' ہو سکتا ہے تمہارے قلب کی صفائی ہو جائے' ہو سکتا ہے جو کچھ کرو اللہ اس کا صلہ دینے پر آمادہ ہو جائے' گناہ کی منزل بہت آسان ہوتی ہے اور راستے خوشگوار' لیکن اس کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ نیکی کے راستے پر چلو گے تو خاروں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن جب یہ خاردار راستے ختم ہوتے ہیں تو وہ گلستان سامنے آتے ہیں جن کا تصور بھی تمہاری آنکھ سے نہ گزرے۔ برائی کے بارے میں سوچو' کیا برا ہے؟ کیا اچھا ہے؟ فیصلہ کرنے میں دقت نہیں ہو گی سمجھے! جاؤ کہہ دیا گیا تم سے کہ خود کو

سنوارو اور سنور جاؤ تو توبہ کرتے رہو' اپنے ناپاک وجود سے ان غلاظتوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہو جن میں اپنے آپ کو پھنسا لیا ہے۔ بچ جاؤ' جاؤ تمہارے وجود سے جو ناپاک بدبو اٹھ رہی ہے وہ ہماری طبیعت میں تکدر پیدا کر رہی ہے۔ جاؤ۔" بزرگ نے کہا اور اس کے بعد پھر اسی طرح گردن جھکا کر مراقبے میں چلے گئے۔ میں نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے واپس پلٹ پڑا۔ عجیب و غریب باتیں سننے کو ملی تھیں۔ عجیب صورت حال تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے؟ واپس پلٹا' یہ نہیں معلوم تھا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ میرا دوست افضال کہاں ہو گا؟ کیا کر رہا ہو گا؟ میرے بارے میں اس نے کیا سوچا ہو گا لیکن جب ان پہاڑیوں سے باہر آیا اور باہر کا منظر دیکھا تو ذرا سی غیرت ہوئی۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ نمودار ہوتی جا رہی تھی کسی جانب سے اذان کی آواز آ رہی تھی اور زیارت گاہ پر آئے ہوئے زائرین اٹھ اٹھ کر وضو کر رہے تھے۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ جتنا وقت گزر چکا تھا' اس کے مطابق یہاں کا پورا ماحول ہی تبدیل ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن لگ یوں رہا تھا جیسے مختصر وقت کی کہانی ہو اور میں نے یہاں بہت ہی تھوڑا سا وقت گزارا ہو۔ بات واقعی ناقابل فہم سی ہو گئی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ سب کچھ تو بہت عجیب لگ رہا تھا۔ میں نے افضال کو جہاں چھوڑا تھا' وہاں جا کر دیکھا تو افضال وہاں موجود تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ افضال گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگایا اور افضال حیرانی سے اٹھ کھڑا ہوا' پھر مجھے دیکھتا ہوا بولا: "کیا بات ہے؟ کیا عبادت کرنے کو دل چاہ رہا ہے؟ اذان ہو رہی ہے' نماز پڑھنا چاہتے ہو؟"

"افضال اٹھ کر بیٹھو۔" میں نے کہا۔

اور افضال اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"خیریت۔"

"یار یہ بتاؤ' کتنا وقت گزر گیا؟"

"بھئی صبح کی اذان ہو رہی ہے۔"

"نہیں میرا مطلب ہے' ہمیں یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر گیا؟"

"میرا خیال ہے' رات گزری ہے۔"

"یار افضال میں بہت پریشان ہوں' اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

"اوہ بھئی اگر اللہ نے توفیق دے دی ہے تو چلو نماز پڑھو اور اگر بس یونہی آنکھ کھل گئی ہے تو کم از کم مجھ سے تو یہ نہ کہلواؤ کہ سو جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"افضال میں تمہیں کیا بتاؤں' عجیب بات ہے۔"

"خدا کی قسم غصہ آ رہا ہے تم پر یا تو کچھ بتاؤ یا پھر سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

"نہیں تم جاگو' تمہارا جاگنا بے حد ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" افضال اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر عجیب سی نگاہوں سے میری صورت دیکھنے لگا اور تب میں نے افضال کو مکمل کہانی سنا دی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"یار ایک بات سنو! تم کیا سمجھتے ہو کہ کیا میں تمہیں مذاح میں یہاں لے آیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ جو کہتے ہیں نا' نادان کی دوستی جی کا جنجال۔ بہت سی جگہوں پر ہم کچھ چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے اور گناہوں اور ثواب کا تصور ذہن سے مٹا دیتے ہیں لیکن بہت سی جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں ہمیں خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہاں اس جگہ بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور یہاں کے آداب کا خیال رکھتے ہیں' تم نے تو سب کچھ مٹی میں ملا دیا میں نہیں سمجھتا کہ اب تمہیں آسانیاں حاصل ہوں گی یا نقصان اٹھاؤ گے۔ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تم پر رحم کرے۔"

"دیکھو میں بہت زیادہ نصیحتیں سننے کے موڈ (Mood) میں نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کون سی آسانیاں ہوئیں ہیں؟ میرے ساتھ کون سا انصاف ہوا ہے؟ زندگی بھر اس لئے محنت کی کہ اس معاشرے میں اپنے لئے ایک مقام حاصل کروں' ایک اچھا شہری کہلاؤں اس معاشرے کا۔ ماں نے اچانک ہی وہ حقیقت بتا دی جو اگر میرے علم میں نہ آتی تو ماں کی موت کے بعد بھی ایک عزت دار انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی کوشش کرتا لیکن چند لمحوں میں عزت خاک میں مل گئی اور میں کچھ بھی نہیں رہا اور اس کے بعد بھی اگر اپنے آپ کو کوئی شریف شہری اور کوئی عزت دار شخصیت تصور کروں تو سمجھ لو کہ یہ حقیقت سے چشم پوشی یا اپنا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اپنی زبان سے تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک نیک نام آدمی ہوں اور بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں لیکن کیا یہ سب جھوٹ نہیں ہوگا۔"

تم الجھے ہوئے ہو' پریشان ہو۔ میرا خیال ہے نیند پوری کر لو۔ تھوڑا سا وقت گزر جانے

دو' اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا صورت حال ہے۔"

"افضال میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس یہاں سے چلو۔ میرا ساتھ دے سکتے ہو تو یہاں سے چلو۔ بہت بری مشکل کا شکار ہوں میں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ کیا ہو چکا ہے میرے ساتھ؟ دنیا کی ہر بات بھول سکتا ہوں لیکن فیض اللہ صاحب کو نہیں بھول سکتا۔ آہ وہ کس قدر نیک اور نفیس انسان تھے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ صرف میری وجہ سے موت کا شکار ہو گئے ہیں' اس کے علاوہ چچی جان' نجمہ صوفیہ اور میری بیٹی' میرے سینے کی ٹھنڈک' جس نے صحیح معنوں میں دنیا میں مجھے جینے کا راستہ تلاش کر کے دے دیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ اس بچی کو اپنی ذات کا محور بنا کر جیئوں گا۔ لیکن یہ سب کچھ چھن گیا' مجھے سکون درکار ہے افضال اور اگر مجھے سکون نہ ملا تو تم یقین کرو میں مجرم بن جاؤں گا۔" افضال مجھے نیچی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر بولا:

"اچھا اٹھو' اٹھو پھر۔" اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بس اس کے بعد ہم وہاں نہیں ٹھہرے تھے۔ میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ ہم نے فاصلے طے کیے اور آخر کار شہر واپس آ گئے۔ افضال نے کہا:

"اب ہمیں کسی عمدہ سے ہوٹل کی ضرورت ہے۔ یار دیکھو راستے اپنا تعین خود کرتے ہیں۔ پتا نہیں کیا لکھا ہے تقدیر میں؟ برائی یا اچھائی' کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے تھوڑی سی رقم کی ضرورت ہوگی۔"

"رقم کہاں سے حاصل کریں؟" میں نے کہا۔

"تم ذہنی طور پر بہت مضطرب ہو..... میں کوشش کرتا ہوں۔" اس کے بعد افضال مجھے لئے ہوئے' ایک خوبصورت سے ہوٹل پہنچ گیا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا بہرحال ہمیں اس ہوٹل میں ایک کمرہ مل گیا۔ ڈبل روم تھا اور ہوٹل اچھا مہنگا تھا جبکہ ہمارے پاس نہ ڈھنگ کے لباس تھے اور نہ ہی کوئی سامان وغیرہ۔ میں نے افضال سے کہا:

"تم نے ہوٹل میں کمرہ تو لے لیا ہے لیکن یہاں کے اخراجات کا کیا ہوگا؟"

"دوست کہا ہے تم نے' دوستی کی ہے تو اعتبار نہیں کرو گے؟"

افضال میں اصولی طور پر تو تمہارا احسان مند ہوں اور دنیا داروں کی طرح مجھے تمہارا بہت

زیادہ شکر گزار ہونا چاہیے لیکن اگر کچھ وقت کے لئے مجھ پر ایک احسان اور کردو تو میں تمہارا بہت ممنون ہوں گا۔"

"کہہ کر دیکھو میری جان' افضال کو تم خود سے دور نہیں پاؤ گے۔"

"اگر میری کوئی بات ناگوار گزرے تو عارضی طور پر اسے برداشت کرلینا۔ برا مت ماننا' مجھے چھوڑنا نہیں۔ بس یہی کہنا چاہتا ہوں میں تم سے۔" افضال نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ پھر بولا:

"میں اب بھی تم سے یہی کہوں گا کہ کھانے پینے کا موڈ (Mood) ہے تو کھاؤ پیو' بل پر دستخط کردو' میں تمام انتظام کرکے آؤں گا اور کھانے کے بعد آرام سے سو جاؤ' میری جانب سے کوئی خدشہ دل میں نہ رکھو نہ ذہن میں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔ میں دروازہ کو دیکھ رہا تھا اور میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا سوچیں سر ابھار رہی تھیں۔ واقعی بھوک لگ رہی تھی اور طبیعت پر کچھ اداسی بھی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے ویٹر کو بلا کر اس سے کھانے پینے کی کچھ اشیاء طلب کیں۔ اب یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا کہ افضال پیسے کا بندوبست کرکے آتا ہے یا نہیں اگر انتظام نہیں ہو سکا' تو ہوٹل کی انتظامیہ سے گالیاں کھالیں گے' مار کھالیں گے۔ ذلیل کرکے نکال دیں گے وہ' ویسے بھی کون سے عزت دار تھے ہم لوگ۔ سزا یافتہ جن کے بارے میں اگر کسی کو صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ جیل سے ہو کر آئے ہیں تو ہمارے قریب کھڑا ہونا پسند نہ کرے۔ بہرحال ویٹر نے کھانے پینے کی اشیاء لا کر رکھ دیں اور میں نے جی بھر کر کھایا۔ کون جانے کب ان تمام چیزوں سے محرومی ہو جائے پھر بستر پر لیٹ کر میں گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا' جو کچھ سامنے آیا تھا' اس میں سے کچھ سمجھ میں آرہا تھا اور کچھ نہیں آرہا تھا۔ کیا کیا نصیحتیں کی گئی تھیں مجھے' اب تو یاد بھی نہیں آرہا تھا' چنانچہ میں سونے کی کوشش کرنے لگا اور کچھ وقت کے بعد آخر کار مجھے نیند آگئی۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 13

نیند ایک مشفق اور مہربان ماں کی مانند ہوتی ہے جو تمام مشکلات کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ اسی طرح میں بھی سکون کی نیند سویا اور نہ جانے کب تک سوتا رہا۔ پیٹ بھرا ہوا تھا' بس کچھ فکریں تھیں' جو ذہن کو تردد کا شکار کیے ہوئے تھیں' لیکن وہ سب بھی نیند میں تحلیل ہو گئی تھیں۔ نہ جانے کتنا سویا جاگا تو یہ احساس ہو رہا تھا کہ سونے کی وجہ سے طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی ہے اور ایک عجیب سی فرحت کا احساس دل میں جاگ اٹھا ہے۔ اچانک ہی افضال یاد آیا' ابھی تک واپس نہیں آیا تھا ایک لمحے کے لئے ذہن پر ایک بوجھ سا آپڑا کہ افضال بھی جان چھڑا کر بھاگ گیا ہے' بہرحال اگر اس نے ایسا کیا بھی ہے تو یقینی طور پر اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے' اسے یہی کرنا چاہیے تھا' بھلا صرف دوستی کے نام پر اس دور میں کون بوجھ اٹھائے پھرتا ہے؟ میں تو درحقیقت بلاوجہ کا بوجھ تھا۔ بے چارے افضال کو مجھ سے کیا حاصل ہو سکتا تھا' سوائے الجھنوں کے۔ چنانچہ اگر وہ جان چھڑا کے چلا بھی گیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے' بہرحال افضال کے سہارے میں پہلے بھی زندہ نہیں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ساری زندگی اس کے سہارے نہیں گزاری جا سکتی' اپنے طور پر بھی دنیا میں اپنا مقام تلاش کرنا پڑے گا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ اب پیسے تو ہیں نہیں' ہوٹل کا بل ادا کرنا بھی مشکل ہو گا' کسی ترکیب سے ہوٹل سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ زندگی تو جرم کی حدود میں داخل ہو ہی چکی ہے' ریشم نے جیل کی ہوا بھی کھلا دی ہے' زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟ بس یہاں سے نکلنے کے بعد کوئی مقام تلاش کیا جائے' غور کیا جائے کہ وقت کیسے گزارا جا سکتا ہے۔ ابھی ان سوچوں کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور اس کے بعد افضال اندر آگیا۔ افضال کو دیکھ کر جان میں جان آئی تھی' ورنہ یہ سوچ رہا تھا کہ

اب اس کام کا آغاز کر دینا چاہیے جو دل میں سوچا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اب افضال کے بدن پر ایک عمدہ قسم کا لباس تھا اور ہاتھ میں سوٹ کیس‘ چہرے پر تازگی ہی تازگی بکھری ہوئی تھی۔ میرے پاس آیا اور مسکرا کر بولا:

”آنکھوں سے لگ رہا ہے کہ خوب گہری نیند سوئے ہو؟“

”ہاں! لیکن تمہارا تو حلیہ ہی بدلا ہوا ہے‘ اس کا مطلب ہے کہ کوئی صحیح کام دکھا کر آئے ہو؟“

”یار سچی بات یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں بڑا بے بس ہے‘ اپنی مرضی سے کچھ کر نہیں سکتا‘ اچھا بننا چاہتا ہے لیکن وقت اسے اچھا بننے کی اجازت نہیں دیتا تو وہ اچھا نہیں بن سکتا۔ ہم پر جرم کی چھاپ لگی ہوئی ہے‘ دنیا کو لاکھ اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کریں‘ لوگ ہنسیں گے اور خاموش ہو جائیں گے‘ ہمیں بے گناہ کوئی قبول نہیں کرے گا پھر کیا فائدہ دنیا کے سامنے رونا رونے سے۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہو‘ واقعی تمہارا کہنا ایک طرح سے بالکل ٹھیک ہے لیکن کر کے کیا آئے ہو؟“

”بس کچھ باتیں صیغہ راز میں رہنی چاہیں اور ان باتوں کو بھی صیغہ راز ہی میں رہنے دو کہ میں کیا کر کے آیا ہوں جو کچھ کر کے آیا ہوں اس کے نتیجے میں اس سوٹ کیس میں کم از کم 50 ہزار روپے کیش اور ہم دونوں کے لئے لباس موجود ہے‘ میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا‘ پھر برا سا منہ بنا کر بولا:

”افضال میں تو خیر ایک برے وقت کی پیدائش ہوں‘ میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون تو ایک غلیظ خون ہے‘ تمہارا پتا نہیں کیا شجرہ ہے؟ لگتا ہے ہمارے لئے یہی زندگی مخصوص ہو کر رہ گئی ہے‘ چلو ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی‘ کیا کیا جا سکتا ہے۔“ میں اٹھ کر غسل خانے کی جانب چلا گیا۔ افضال نے دستک دے کر میرے لئے جو لباس لایا تھا وہ مجھے غسل خانے میں ہی دیا تھا۔ میں لباس پہن کر باہر نکل آیا۔ اس دوران افضال شاید کھانے پینے کے لئے کچھ چیزیں منگوا چکا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے میں نے کہا: ”تمہارے نظریات میں یہ اچانک تبدیلی میری سمجھ میں نہیں آئی‘ تم تو مجھے ان بزرگ کے مزار پر اس لئے لے گئے تھے کہ وہاں میری اصلاح کروا سکو‘ مجھے سکون قلب

حاصل کرنے میں مدد دے سکو اور اب اِدھر تم آئے ہو تو تمہاری کایا پلٹ ہو گئی ہے؟“ افضال چائے کا گھونٹ لے کر بولا:

”باہر نکل کر میں نے اس دنیا میں اپنا مقام تلاش کیا تو مجھے یہ اندازہ ہوا کہ بے شمار افراد اپنے مقام کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں اور کچھ نہیں کر پا رہے۔ میں نے کہا کہ افضال تم ہی کیوں بیوقوف بن رہے ہو‘ جاؤ عیش کرو اس دنیا کو دیکھو‘ جو کر سکتے ہو کرو زندگی تو آخر کار ختم ہو ہی جاتی ہے‘ تم اپنی زندگی کھونے پر کیوں تلے ہوئے ہو‘ بس یہ سمجھ لو کہ اس خیال نے ذہن تبدیل کر دیا‘ واقعی جب کچھ بس میں نہ رہے تو انسان کی بے بسی اسے غلط راستے اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے‘ کیا کر سکتے ہیں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یوں سمجھ لو زندگی ہم پر تلف ہو گئی ہے‘ جرم کے علاوہ اس دنیا میں ہمارے لئے اور کچھ باقی نہیں رہا ہے۔“ میں خاموش ہو گیا‘ ایک طرح سے افضال ٹھیک ہی کہہ رہا ہے تھا۔ میں نے کہا:

”اب کیا ارادہ ہے؟“

”کچھ نہیں پچاس ہزار روپے ہمارے پاس موجود ہیں‘ عیش سے وقت گزاریں گے اور جب یہ رقم ختم ہو جائے گی تو آگے بڑھ کر نئی زندگی تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔“ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ افضال ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ بہت دیر تک ہم وہیں بیٹھے رہے پھر افضال نے کہا:

”آؤ میرا خیال ہے‘ اب ہمیں اس سے بہتر جگہ تلاش کرنی چاہیے‘ جہاں زندگی کی تفریحات بھی ہوں‘ لطف آئے جہاں۔“

”ہوٹل کی بات کر رہے ہو؟“

”ہاں۔“

”افضال اگر کوئی خاص پریشانی نہیں ہے تو ہوٹل تو یہ بھی برا نہیں ہے‘ اسی میں کیوں نہ وقت گزارو۔“ افضال میری صورت دیکھتا رہا‘ پھر بولا:

”نہیں میرا خیال ہے‘ کسی اور ہوٹل میں چلتے ہیں۔“ افضال کے کہنے پر میں بھی تیار ہو گیا۔ ہم نے اپنا سوٹ کیس بند کیا‘ دوسرا لباس تبدیل کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ افضال نے اس بار جس ہوٹل کا انتخاب کیا تھا وہ غالباً کوئی فور اسٹار ہوٹل تھا‘ پہلے ہوٹل سے کہیں زیادہ خوبصورت اور کہیں زیادہ شاندار‘ یہاں بھی آخر کار ہم

نے ایک کمرہ حاصل کر لیا اور اس میں منتقل ہو گئے' پھر کافی وقت یہاں گزارا۔ افضال کے بارے میں جوں جوں سوچتا اس کا احسان میرے ذہن پر مسلط ہوتا چلا جاتا۔ ہوٹل کی تفریحات میں خاصی رات تک مصروف رہے اور اس کے بعد اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ افضال نے مجھ سے کہا:

"دیکھو ایک بات کہوں تم سے' اگر برا نہ مانو؟"

"یار اب تمہاری بات کا بھی اگر برا مانا تو پھر اور کس کی بات پر توجہ دوں گا۔"

"زندگی کے وہ دکھ بھلا دو' جو تمہیں ملے ہیں' اب اپنے آپ کو ایک نئے اور زندہ انسان کی حیثیت سے روشناس کراؤ۔ خوشی کے ساتھ آگے قدم بڑھاؤ اور اپنے طور پر زندگی کی تمام دلچسپیاں حاصل کر لو' جو انسان کو خوش رکھتی ہیں۔"

"تھوڑی سی تفصیل بتاؤ' تو کچھ سمجھ میں بھی آئے۔"

افضال سوچنے لگا' پھر اس نے کہا:

"جب دنیا سے جنگ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر ایک کام کیوں نہ کرو؟"

"کیا۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے' اس لڑکی کو سزا دینا تمہارا پہلا مقصد ہونا چاہیے؟"

"کون لڑکی؟"

"تم نے شاید اس کا نام ریشم بتایا تھا۔" افضال نے کہا اور میرے سینے پر ایک گھونسا سا پڑا۔ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہاں اس کا نام ریشم ہی تھا۔"

"اور تم نے اسے معاف کر دیا۔"

"کیا بگاڑ سکتا ہوں میں اس کا' بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے۔"

"جبکہ تم کہتے ہو کہ اس کی وجہ سے تمہیں فیض اللہ صاحب کی موت برداشت کرنا پڑی اور اس کی وجہ سے تمہیں شدید ذہنی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔"

"ہاں۔"

"تو پھر اس کے لئے تمہاری طرف سے سزا ہونا بے حد ضروری ہے۔" میں سنجیدگی سے افضال کا چہرہ دیکھنے لگا' میں نے کہا:

"ذرا وضاحت کرو۔"

"عورت زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتی ہے اور عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کیا کیا جا سکتا ہے وہ اس کی مستحق ہے۔"

"میں سمجھ گیا' لیکن کیا یہ اتنا آسان ہو گا۔" میں نے کہا۔

"مرد جب انتقام پر اتر آتا ہے تو اس کے راستے روکے نہیں جا سکتے۔"

"لیکن میں شاید اسے ایسا کوئی نقصان نہ پہنچا سکوں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ فیض اللہ خان صاحب اس سے بہت محبت کرتے تھے' بس وہی دیوانگی کی باتیں' فیض اللہ صاحب بھی تو اسی کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہوئے۔"

"برائی تو اس نے کی ہے' تم نے تو نہیں کی' وہ بری ہے اور اسے اس کی برائیوں کی سزا ملنی چاہیے' اس نے تم سے تمہاری قیمتی ترین ہستی چھین لی' حالانکہ میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے لیکن دوست کا جھگڑا اپنا جھگڑا ہوتا ہے۔"

"یار مجھے مشورہ دو میں کیا کروں؟"

"اس سے اس کی سب سے قیمتی شے چھین لو تاکہ اسے احساس ہو کہ دنیا صرف اسی کے لئے نہیں بنی ہے' اس دنیا میں اور بھی انسان رہتے ہیں اور انسانوں کو نقصان پہنچانے کے نتائج ہر ایک کو بھگتنا پڑتے ہیں۔" میں افضال کی باتوں پر غور کرنے لگا' ایک ایک لفظ درست لگ رہا تھا مجھے اس کا' واقعی وہ مجھے جیل بھجوانے کے باوجود پر سکون تھی' اسے تو کوئی تکلیف ہی نہیں' جبکہ میری تو دنیا ہی لٹ گئی' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ شرافت انسانیت اچھی چیز ہے لیکن اس وقت تک جب تک کوئی آپ کے سینے میں سوراخ نہ کرے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" افضال نے مجھ سے پوچھا۔

"افضال میرا خیال ہے' تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن میرے دوست مجھے بتاؤ میں یہ سب کیسے کر سکوں گا؟"

"یار اب تمہیں بزدل کہنے کو تو دل نہیں چاہتا' کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ تم بزدل نہیں ہو۔ بیوقوف کہہ لوں کوئی حرج تو نہیں ہے' برا تو نہیں مانو گے۔" افضال کے انداز پر میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا:

"شوق پورا کر لو کہہ دیا، تمہاری بات کا بھلا کیا برا ماننا۔"

"میں تمہارے لئے تمام انتظامات کرلوں گا یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے گہری نگاہوں سے افضال کو دیکھا اور کہا:

"ٹھیک ہے افضال، تم مجھ پر احسانات کیے جاؤ، میرے لئے ساری تکلیفیں برداشت کیے جاؤ، ہو سکتا ہے زندگی کبھی مجھے اس کا موقع دے دے کہ میں تمہارے احسانات کا بدلہ اتار سکوں۔"

"چلو ایک وعدہ کرلو مجھ سے۔" افضال نے کہا۔

"پوچھے بغیر کہ تم کیا وعدہ لینا چاہتے ہو، میں اس وعدہ کے لئے ہاں کہتا ہوں۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ مجھ سے بددل نہ ہونا اور دوسری بات یہ کہ جو میں کہوں وہ کرتے رہنا پورے بھروسے اور اعتماد کے ساتھ۔"

"اب تک تو یہی کرتا رہا ہوں اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہے تو معافی ضرور مانگ سکتا ہوں تم سے اس کے لئے۔" افضال نے کہا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ بہرحال افضال مجھ پر احسان پر احسان کر رہا تھا۔ میرے ذہن سے بہت سی باتیں محو ہوگئیں تھیں۔ ان بزرگ نے جو کچھ کہا تھا اب مجھے ان کا کہا ہوا ایک لفظ بھی یاد نہیں تھا۔ ایسی یادیں صرف ذہن کو تکبر کا شکار کرتی ہیں اور کچھ نہیں۔ پھر افضال چلا گیا تھا اور میں نہ جانے کیسی، کیسی سوچوں میں ڈوب گیا تھا افضال کی واپسی دوسرے دن شام کو پانچ بجے ہوئی تھی اور میں نے یہ پورا دن کاہلوں کی طرح ائرکنڈیشنڈ کمرے میں ہی گزارا تھا، رقم میرے پاس ہی موجود تھی۔ افضال اس میں سے کچھ نہیں لے گیا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ افضال اب میرے لئے اس قدر ناقابل اعتبار بھی نہیں رہا تھا، بلاوجہ اس کے بارے میں کوئی غلط بات بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا چنانچہ پورا اعتماد تھا مجھے اس پر۔ وہ مسکراتا ہوا میرے پاس آیا تھا، اس نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا: "ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے چلنا ہے ہمیں سارے انتظامات کر کے آیا ہوں۔"

"مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"ابھی نہیں بس سرپرائز دوں گا تمہیں۔" اس نے کہا اور مسکراتا ہوا سیٹی بجا کر ایک جانب بڑھ گیا۔ کپڑے تبدیل کیے اور بولا:

"کھا پی لیا ہے اچھی طرح، کوئی ضرورت تو نہیں؟"

"نہیں یار کھانے پینے کے علاوہ اور کیا کیا ہے، ویسے افضال زندگی میں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا، اس طرح تو میں ناکارہ ہو کر رہ جاؤں گا۔"

"تم فکر مت کرو میں تمہیں موٹا نہیں ہونے دوں گا۔" افضال نے جواب دیا۔

میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات آ رہے تھے، بہت عرصے بعد ریشم کا خیال دل میں آیا تھا، بہت مغرور لڑکی تھی اور احمد صاحب کی بڑی چہیتی، کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی، ارے کیا بگاڑا تھا میں نے اس کا؟ انسان تھی، انسانوں کی طرح رہتی تو کیا حرج تھا، میں بھی اپنی زندگی گزار لیتا اور وہ بھی سکون میں رہتی۔ ایک لمحے کے لیے طبیعت کچھ بوجھل ہوئی تھی لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔ مجھے ظلم کرنے والے کو سزا دینی تھی اور یہ سزا بے حد ضروری تھی ورنہ پھر میں مظلوم رہ جاتا۔

کیوں رہ جاتا میں مظلوم؟ کیا بگاڑا تھا میں نے اس دنیا کا؟ میری ماں نے بھی پوری زندگی اذیتوں میں گزاری اور میں بھی کسی بڑے آدمی کے ہاتھوں اسی طرح اذیتوں کا شکار ہو جاؤں۔ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

افضال مجھے لے کر چل پڑا۔ ٹیکسی نے ہمیں ایک ایسے علاقے میں اتار دیا، جہاں گندی گندی گلیاں تھیں، کچے پکے مکان بکھرے ہوئے تھے، ایک طرف ایک موٹر گیراج بنا ہوا تھا دوسری جانب کچھ دکانیں تھیں سڑکوں کے بیچ گندا پانی، کنارے کنارے بچ کر چلنا پڑ رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ایک جگہ پہنچنے کے بعد آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا: "نہیں صاحب آگے سڑک بہت خراب ہے، ہم آگے نہیں جائیں گے۔ افضال نے اسے بل کے پیسے دیئے اور میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ ایک بڑے سے مکان کے احاطے کے سامنے ہم رک گئے۔ افضال نے زنجیر بجائی تو ایک بھدی سی شکل کے چھوٹے سے قد والے آدمی نے دروازہ کھولا اور افضال کو پہچان کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا ہوا گنگولی آ گیا؟"

"استاد آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" چھوٹے قد کے آدمی نے جواب دیا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ باہر سے یہ گھر بدنما اور بھدا نظر آ رہا تھا اندر سے بہت ہی خوبصورت اور آرام دہ تھا۔ کچھ کچے پکے کمرے بنے ہوئے تھے پھولوں کے بہت سے پودے لگے ہوئے تھے۔

رات کی رانی کی خوشبو فضاؤں میں پھیل رہی تھی۔ ایک طرف بڑی سی چارپائی پر ایک آدمی بیٹھا حقہ پی رہا تھا' اس کے اردگرد بید کی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان کرسیوں پر تین چار افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ حقہ پینے والے نے ہمیں دیکھا اور پھر حقے کا کش لگاتے ہوئے بولا:

"آؤ افضال خان صاحب' کہو کیا حال ہے؟"

"تم سناؤ گنگولی کام ہو گیا؟"

"دیا ہے بھگوان کی' گنگولی جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے وہ پورا ہو ہی جاتا ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے۔"

"کوئی خطرہ تو پیش نہیں آیا؟"

"نہیں مہاراج ہم تو ہیں ہی خطروں کے کھلاڑی' خطروں کی بھلا ہمیں کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ آپ کو ابھی جانا ہے یا تھوڑی دیر لگانی ہے۔ اور آپ دونوں ساتھ جائیں گے یا صرف ایک؟"

"گنگولی صرف یہ جائیں گے' انہیں پہنچادو' میں تمہارے پاس ہی موجود ہوں۔ ویسے ایک بار پھر میں تم سے یہ سوال کروں گا کہ تم پوری طرح مطمئن ہو۔"

"ہاں مہاراج! آپ بالکل فکر نہ کرو' گنگولی پیسے لیتا ہے اپنی پسند کے' اور کام کرتا ہے کلائنٹ (Client) کی پسند کا' کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے۔" افضال بولا۔ گنگولی نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اپنے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرکے بولا:

"پہنچادو۔"

نہ جانے اب مجھ پر کیسی کیفیت طاری ہو رہی تھی' میں نے افضال سے کہا۔

"تم ایک منٹ کے لئے اِدھر آؤ۔" افضال مسکراتا ہوا آگے بڑھ آیا اور کہا:

"ہاں بولو۔"

"کم از کم مجھے تفصیل تو بتادو۔"

"یار تفصیل اور کیا رہ جاتی ہے' ساری بات تو تمہارے علم میں ہے۔ میں تمہیں اور کیا بتا سکتا ہوں' وہاں تمہاری ملاقات محترمہ' کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نے کہا نہ تمہیں اسی کے پاس پہنچایا جا رہا ہے۔"

"ریشم ہے اس کا نام۔"

"ہاں۔"

"یہ شخص اسے اغوا کرکے لایا ہے' اس کا کاروبار یہی ہے' تب تو اب وہ!؟"

"دیکھو بزدلی دکھائی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"میں بزدل نہیں ہوں یار' بس نہ جانے کیوں....."

"دو ہی باتیں ہیں یا تو برے بن جاؤ یا اچھے بن جاؤ۔ بیچ کا آدمی ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔ ارے یہ وہی لڑکی ہے' جس نے تمہیں بے قصور جیل میں پہنچایا تھا۔" افضال نے کہا اور میرے دماغ میں دھواں بھر گیا' واقعی ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے یہ' میں نے افضال سے کہا:

"مگر یہ گنگولی کون ہے؟"

"کرائے کا غنڈہ' اس کا کاروبار یہی ہے ایسے کاموں میں یہ بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے' بڑی عمدگی سے اس نے یہ کام کر ڈالا ہے۔"

"ہندو ہے؟"

"کتنی بار پوچھو گے؟"

"نہیں بس ذرا ایسے ہی' چلو خیر ٹھیک ہے' اب میں کیا کروں؟"

"اس کا آدمی تمہیں ریشم کے پاس پہنچا رہا ہے' لیکن ایک بار پھر میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں' اس وقت اگر تم نے ہمت سے کام نہ لیا تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔"

"نہیں میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور پھر گنگولی کے آدمی کے ساتھ چل پڑا۔ سامنے کچے پکے کمرے نظر آ رہے تھے۔ میرے قدموں میں ایک عجیب سی لغزش تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اتنے عرصے کے بعد ریشم مجھے دیکھ کر پہچانے گی یا نہیں؟ اس کا ردعمل کیا ہو گا؟ یہ تمام باتیں میرے ذہن میں محفوظ تھیں لیکن بہرحال اب ہمت کرنی تھی۔ برائی کی جانب قدم بڑھائے تھے تو مجھے برا انسان بننا ہی تھا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 14

جس کمرے میں داخل ہوا وہ بہت کشادہ اور وسیع تھا' باہر سے یہ عمارت جس قدر خراب اور معمولی سی نظر آتی تھی اندر سے اتنی ہی شاندار تھی' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بدنما عمارت کا اندرونی حصہ اتنا خوبصورت ہو گا۔ کمرے میں موٹا قالین بچھا ہوا تھا' ایک طرف مسہری پڑی ہوئی تھی۔ چھت میں فانوس لٹکا ہوا تھا' جس میں شمعیں روشن تھیں۔ سب سے بڑی اور حیران کن چیز وہ تھی جو بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سو فیصدی وہ ریشم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ریشم' آہستہ آہستہ تمام احساسات میرے ذہن میں ابھر آئے' اس لڑکی نے کیا نہیں کیا تھا میرے ساتھ' میری جگہ کوئی اور ہوتا تو زندگی سے بے زار ہو جاتا' ختم ہو جاتا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں زندہ رہ گیا تھا اور آج جب یہ میرے سامنے آئی تو میرے اندر بہت سے حیوانی جذبے جاگ اٹھے تھے' یہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رحم کیا جا سکے اس دنیا میں دو ہی شخصیتیں ہوتی ہیں' ظالم اور مظلوم۔ ظالم ظلم کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ خود اس پر بھی کبھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے وہ تو بس اپنے آپ کو دنیا کا طاقتور انسان سمجھتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا رہتا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔ لیکن آخرکار یوم حساب آجاتا ہے اور پھر تمام حساب سامنے آتا ہے۔ میں آہستہ آہستہ اپنے دل میں نفرت سجائے ریشم کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ جب تک میں احمد صاحب کے پاس رہا' میں نے کبھی ریشم پر غلط نظر نہیں ڈالی تھی۔ نہ تو میں نے اس کا قد و قامت دیکھا اور نہ ہی میں نے اس کے چہرے کے نقوش پر غور کیا تھا کہ وہ کس قدر حسین ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے تھا وہ بالکل مختلف تھا اس کے لئے مجھے موقع فراہم کیا گیا تھا' چنانچہ اس وقت میرا انداز بالکل مختلف تھا' میں ریشم کی مسہری کے قریب پہنچا تو میرے جسم کی ٹکر

سے مسہری زور سے ہلی اور اچانک ریشم نے آنکھیں کھول دیں' وہ پوری آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی' غور کر رہی تھی' شاید اس کی ذہنی قوتیں واپس آ رہی تھیں...... اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

"تم؟" اس کے منہ سے نکلا

اور میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہاری یادداشت واقعی بہت شاندار ہے اور تمہاری اس یادداشت کی داد نہ دینا' میرے خیال میں کم ظرفی ہو گی۔"

"تم وہی ہو نا..... وہی ہو نا تم؟"

"ہاں میں وہی ہوں' جس پر تم نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ یاد ہے تمہیں ریشم کیا سلوک کیا تھا تم نے میرے ساتھ؟"

"مگر' مگر یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ آزاد گھر ہے' تم نے آج تک جو کچھ دیکھا ہے ریشم اس میں تم نے اپنے لئے ہر طرف حسین پھول کھلے پائے ہوں گے' کبھی کانٹوں کو بھی چھو کر دیکھا ہے؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم' تمہیں شرم آنی چاہیے؟"

"ہاں مجھے واقعی شرم آنی چاہیے' لیکن میرے ایک سوال کا جواب دو؟"

"کیا؟"

"تمہیں اس وقت شرم آئی تھی' جب تم نے مجھے بے گناہ جیل میں پہنچا دیا تھا؟"

"وہ مم۔۔۔۔ میں۔"

"بولو...... بولو کہ بولنے کی تمہیں مکمل آزادی ہے۔"

"مجھے ایک بات تو بتاؤ' یہ جگہ آخر کون سی ہے؟"

"کون سی مت پوچھو' یہ پوچھو کیسی جگہ ہے؟"

"مجھے یہاں کون لے کر آیا ہے؟"

"ظاہر ہے میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں ریشم' نہ ہی میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں کہ جواب دینے پر مجبور کر دیا جاؤں۔"

"سنو! میری بات سنو میں میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو گی۔"

"ہاں میں اسی لئے تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں ریشم کہ تم میرا وہ حشر کرو کہ جس سے دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔"

"کیا تم مجھے بے بس سمجھتے ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔"

"اور میں..... میں جو کچھ کروں گا وہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"کیا کرو گے تم؟"

"ریشم وہ تمام رشتے جو میرے اور تمہارے درمیان تھے ختم ہو گئے' وہ رشتے جن کے جال میں پھنس کر میں نے تمہاری عزت کی تھی اور تمہیں ٹیڑھی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا' اب میں تم سے نئے رشتے قائم کرنا چاہتا ہوں اور یہ نئے رشتے بالکل مختلف ہوں گے اس کے بعد ریشم میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا' لیکن تم ہمیشہ مجھے اپنے وجود کے ساتھ محسوس کرو گی' ان لمحات کو یاد کرو گی جو اس وقت آنے والے ہیں' ویسے تو ریشم ہر انسان ان لمحات سے گزرتا ہے اور یہ اس کے ذہن پر جاوداں ہو جاتے ہیں لیکن تمہارے ساتھ یہ وقت جس انداز میں آئے گا وہ تمہاری زندگی میں ہمیشہ ایک دکھ' ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہے گا آج میں تمہارے لئے وہی کانٹا لے کر آیا ہوں' ریشم جو تم نے میرے دل میں چبھویا تھا۔ ریشم چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر اپنی جگہ پر سمٹتے ہوئے بولی:

"خبردار میرے قریب آنے کی کوشش مت کرنا' ورنہ...... ورنہ!"

"ہاں ورنہ..... کیا کر لو گی تم میرا؟"

"ورنہ میں جان دے دوں گی۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم کہو گی کہ "ورنہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گی' تمہیں جیل بھجوا دوں گی۔" غور نہیں کر رہیں ریشم وقت کتنا تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن برا وقت انسان خود اپنے آپ پر لاتا ہے وہ کہیں اور سے نہیں آتا وہ انسان کی اپنی کوششوں' اپنی حرکتوں سے آتا ہے۔"

"لیکن میں نے ایسا کچھ تو تمہارے ساتھ نہیں کیا تھا؟"

جواب میں مجھے بڑی زور کی ہنسی آگئی میں نے کہا:

"جو عمل تم نے میرے ساتھ نہیں کیا تھا' وہ میں تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں۔"

"دیکھو انسان بنو' تم اتنے برے آدمی نہیں ہو' اب اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تمہارے ساتھ جو سلوک ہوا اس نے مجھے بہت زیادہ دکھی کر دیا اور بعد میں میں نہ جانے تمہارے بارے میں کیا کیا سوچتی رہی' میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کیا تو تم سمجھو گے کہ میں تمہاری خوش آمد کر رہی ہو' تمہیں باتوں میں الجھا کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"میرا خیال ہے نہ تمہیں ایسی بات سوچنے کی ضرورت ہے اور نہ مجھے اس کا موقع دینے کی۔ ہاں اگر تم اپنے ظلم کا کفارہ ادا کرنا چاہو تو آج اپنے وجود کی ہر داستان مجھے سنا دو آج اپنے آپ کو میرے اس قدر قریب کر دو ریشم کہ اس کے بعد نہ میرے دل میں تمہارے لئے غم و غصہ رہے اور نہ تم یہ سوچو کہ تم نے میرے ساتھ کوئی ظلم کیا ہے۔"

"دیکھو تمہیں خدا کا واسطہ' مجھے اس طرح داغدار نہ کرو۔"

"ارے تم تو اپنی ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دیتی تھیں' آج تمہیں کیا ہو گیا؟"

"دیکھو میری زندگی میں تم یہ سب کچھ نہیں کر سکتے میں تمہیں بھی مار دوں گی اور خود بھی مر جاؤں گی۔"

"بہت زیادہ مداخلت کرو گی تم؟"

"آخری حد تک۔"

"تو ٹھیک ہے اس کا بھی حل سوچنا پڑے گا۔"

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔

"کون ہے؟" میں نے کہا اور اچانک ہی ایک لڑکی اندر آکر قالین پر گر پڑی وہ جس حالت میں تھی اسے دیکھ کر میری آنکھیں تک بند ہو گئیں تھیں' اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی اس کے پیچھے جو شخص اندر داخل ہوا وہ گنگولی تھا اور گنگولی کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ہنٹر دبا ہوا تھا۔ میں اور ریشم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھنے لگے' روشنی اچھی خاصی تیز تھی اور اس تیز روشنی میں ہم نے لڑکی کی پشت اور بدن کے دوسرے حصوں پر

گہری سرخ لکیریں دیکھی' ان لکیروں سے خون رس رہا تھا' اس کی بدن کی کھال جگہ جگہ سے ادھیڑی ہوئی تھی۔ گنگولی نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑے اور پھر اس کا چہرہ ہمارے سامنے کر دیا۔ ریشم کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ لڑکی کا چہرہ ایک سمت سے بری طرح جلا ہوا تھا۔ گنگولی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ابھی اس نے کہا تھا کہ یہ زندگی دے دی گی مگر تمہاری خواہش کی تکمیل نہیں کرے گی۔ یہی کہا تھا نہ اس نے؟" گنگولی بولا۔

میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی۔

گنگولی نے کہا:

"او عزت دار لڑکی' اسے دیکھ یہ بھی کبھی تیری طرح عزت دار لڑکی تھی۔ لیکن اب ٹھیک ہو گئی ہے' بس ہنٹروں سے اس کی کھال ادھیڑنی پڑی اور تھوڑا سا تیزاب اس کے چہرے پر لگایا گیا ہے۔ اصل میں ہم لوگ اپنے کلائنٹ (Client) کے لئے ہر طرح کی آسانی فراہم کرتے ہیں اگر کوئی ایسی لڑکی آ جائے جو زیادہ ہی اپنے آپ کو ستی ساوتری کہے تو پھر اس کے لئے ہمارے پاس بہت سے نسخے ہیں۔ تم ایسا کرو ایک پانچ منٹ کے لئے باہر چلے جاؤ' یا ٹھہرو میں اس لڑکی کو چھوڑ کر آتا ہوں اس کے بعد اس سے نمٹ لیتے ہیں۔ ہم اپنے گاہکوں کو خوش کر کے بھیجتے ہیں' یہ لڑکی اگر شرافت سے نہ مانی تو انہیں لڑکیوں میں شامل کر دی جائے گی' بعد میں ہم ان لڑکیوں کو فقیروں کے ہاتھوں میں بیچ دیتے ہیں اس سے پہلے ہم انجکشن لگا کر ان کا دماغ خراب کر دیتے ہیں اور پھر یہ کبھی کسی سے نہیں کہتیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ آئی سمجھ؟"

ریشم کی آنکھوں سے خوف کے آثار جھلکنے لگے تھے۔ گنگولی لڑکی کو لے کر باہر نکل گیا تو ریشم نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی:

"کیا واقعی تم میرے ساتھ یہی سلوک کرو گے؟"

"کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟ نہیں کرنا چاہیے مجھے یہ سلوک؟"

"تم تو اچھے انسان تھے؟"

"ارے کیا کہہ رہی ہو تم۔"

"ہاں تم اچھے انسان تھے۔ تم اتنے برے کیسے ہو گئے؟"

"انسان تھا؟"

"ہاں۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"اور تم نے مجھے جیل بھجوا دیا' ظاہر ہے ایک اچھا انسان جب جیل سے باہر نکلتا ہے تو اچھا انسان نہیں رہتا' اس کے اندر لاتعداد برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی بدولت وہ ایک برا انسان بن جاتا ہے۔ ریشم اگر میں اچھا انسان تھا تو پرانی بات ہے' اب میں برا انسان بن چکا ہوں۔"

"معافی کی کوئی گنجائش ہے میرے لئے؟" ریشم ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی اور میں اسے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا: "کیا خیال ہے تمہارا گنجائش ہونی چاہیے؟"

"نہیں۔" اس نے گردن ہلائی۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹی اور پھر مسہری پر گر پڑی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں اسے دیکھنے لگا' میں نے اس کی سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک کا جائزہ لیا اور اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی۔ پھر مجھے فیض اللہ صاحب کا چہرہ یاد آ گیا' نہ جانے میرے ذہن کے کون سے دریچے سے اس چہرے نے ایک لمحے کے لئے اندر جھانکا تھا اور دوسرے لمحے گم ہو گیا تھا۔ نجمہ یاد آئی' صوفیا یاد آئی اور پھر عظمیٰ' میری خالہ جان جو نہ جانے کہاں چلے گئے تھے؟ میں لرز کر رہ گیا۔ ریشم فیض اللہ صاحب کو چچا کہتی تھی اور فیض اللہ صاحب نے مجھے اس کے بارے میں تھوڑی سی باتیں بھی بتائیں تھیں اور یہ بھی کہا تھا کہ بہر طور وہ احمد صاحب کی بیٹی ہے اور اچانک ہی میرے ذہن میں عجیب سے خیالات آنے لگے' ریشم بدستور آنکھیں بند کیے ہوئے پڑی تھی' جیسے اس نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا ہو لیکن میں اس کی بند آنکھوں کی کوروں سے آنسو لڑھکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ آنسو بستر میں جذب ہو رہے تھے نہ جانے کیوں دل میں کچھ عجیب سے دکھ کا احساس ہوا میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور اس کے بعد ریشم سے کہا:

"اٹھو۔" اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں' سہمی ہوئی آنکھوں میں خوف کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا:

"مجھے بتاؤ تمہیں یہاں تک کیسے لایا گیا؟" وہ چونک کر میری طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی:

"کیا تم نہیں جانتے؟"

"ہاں ریشم میں نہیں جانتا تمہیں یہاں تک کیسے لایا گیا؟"

"کیوں مذاق کر رہے ہو مجھ سے۔ کیوں ایسے کھیل رہے ہو؟"

"بتانا پسند کرو گی یا نہیں۔"

"وہ میں...... بس میں سو رہی تھی' یہاں میری آنکھ کھلی ہے۔ مجھے نہیں معلوم میرے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں کچھ نہیں جانتی...... کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو ریشم کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟"

"ہاں۔" اس نے سسکی سی بھر کر کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ فیض اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا؟"

"ہاں۔"

"مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا ان کے ساتھ' کیا سلوک کیا تھا تم لوگوں نے ان کے ساتھ؟"

"تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' اس کے بعد چچا جان نے فوری طور پر ہماری نوکری چھوڑ دی۔ ابو اس وقت موجود نہیں تھے۔ ہم چچا فیض اللہ کو نہیں روک سکے اور جب ہم ابو کے آنے کے بعد ان کے گھر پہنچے تو فیض اللہ چچا کا انتقال ہو چکا تھا۔ پڑوسیوں سے معلوم ہوا کہ انتقال کے فوراً بعد ان کے بیوی اور بچے گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس سے زیادہ مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"جانتی ہو ایسا کیوں ہوا تھا؟"

"ہاں میری وجہ سے۔"

"اس کے بعد میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے' کیا میں اس میں حق بجانب نہیں ہوں؟"

"ہاں۔"

"پھر بھی تم مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہی ہو' بولو ریشم! کیا اس کے بعد رحم کی گنجائش رہ جاتی ہے؟"

"نہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"تو پھر لباس اتار دو۔" میں نے غرائی ہوئی آواز سے کہا۔

اور اس نے آنکھیں بند کر کے گریبان پر ہاتھ رکھ دیئے...... میرا پورا وجود لرز کر رہ گیا تھا'

میں آگے بڑھا اور میں نے اس کی کلائیاں پکڑ لیں۔

"بس میرا انتقام پورا ہو گیا ریشم' میں نے کوئی بدلہ نہیں لیا تم سے' نہ میں تم سے بدلہ لینا چاہتا ہوں' اس لئے...... صرف اس لئے کہ فیض اللہ صاحب نے اتنے پیار سے تمہارے بارے میں مجھ سے کہا تھا کہ ذرا تند مزاج ہو...... تم سے فاصلہ رکھوں اور...... یہ کہ دل کی بری نہیں ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھ سے تمہاری سفارش کر رہے ہیں۔ آؤ ریشم...... آؤ' آ جاؤ میرے ساتھ' میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں۔" اس سے پہلے کہ میں بہک کر کوئی غلط حرکت کر بیٹھوں۔ میں نے کہا اور ریشم بلک بلک کر رو دی۔ اس نے کوئی لفظ نہیں کہا تھا لیکن اس کا ہر آنسو اس کی شرمندگی کی داستان سنا رہا تھا۔ میں اسے لئے ہوئے باہر نکلا تو وہاں کوئی نہ تھا' سب کچھ خالی پڑا تھا' دروازہ پر پہنچا' میرا خیال تھا کہ گنگولی مجھے راستے پر ملے گا' مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرے گا لیکن گنگولی یہاں موجود ہی نہیں تھا' یہاں وہ لڑکی بھی نہیں تھی جسے گنگولی نے مجھے دکھایا تھا۔ ہم گھر کے دروازے سے باہر نکل آئے اور نہ جانے کتنی رات تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے۔ تب مجھے وہ گھر یاد آیا جس میں ریشم رہتی تھی۔ گھر سے کافی فاصلے پر میں رک گیا۔ اب مجھے اس شہر کے بارے میں بھی اندازہ ہو گیا تھا اور مجھے علم ہو گیا تھا کہ ہم کہاں ہیں۔ ایک عجیب سی کیفیت دل و دماغ پر طاری تھی۔ میں نے ریشم سے کہا: "جاؤ ریشم......"

"تم بھی آؤ۔"

اس نے مجھ سے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

ریشم کی گردن جھک گئی تھی' "کیا میں اتنی ہی ذلیل ہوں...... اتنی ہی بری ہوں میں؟"

"جاؤ مجھ سے اپنے بارے میں نہ پوچھو؟"

"تم...... پلیز تم آؤ نا میرے ساتھ۔"

"جاؤ ریشم...... جاؤ...... چلی جاؤ جلدی...... ریشم جلدی چلی جاؤ...... نیت کو بدلتے اور برائی کو ذہن پر حاوی ہوتے دیر نہیں لگتی۔ یہ ایک لمحہ جو نہ جانے کہاں سے میرے اندر داخل ہو گیا ہے' کہیں گزر نہ جائے۔"

وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی دروازے کی جانب چل پڑی۔

واقعی ایک عجیب سا احساس میرے دل میں تھا' میں نے سوچا تھا کہ کہیں پھر سے میرے

دل میں انتقام کی کوئی لہر نہ جاگ اٹھے۔ ریشم کا چلے جانا ہی زیادہ بہتر ہے۔ میں آگے بڑھتا رہا یہ جو کچھ ہوا تھا بہت عجیب تھا' بہت ہی عجیب تھا۔

بڑی پریشانی سے میں ان ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کافی دیر تک میں چلتا رہا اور پھر چلتے چلتے اچانک میں نے نہ جانے کس کام سے جیب میں ہاتھ ڈالا' میرا ہاتھ کاغذ کے کسی پیک کئے ہوئے ٹکڑے سے ٹکرایا تھا' بے خیالی کے انداز میں میں نے اس ٹکڑے کو باہر نکال لیا' سامنے ہی بجلی کا ایک پول نظر آ رہا تھا اس پر بلب روشن تھا میں بلب کے نیچے کھڑے ہو کر کاغذ پر لکھے ہوئے پرزے کی تحریر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا:

"مبارک ہو بدی کی قربتیں تمہارا مسلسل تعاقب کر رہی ہیں' لیکن تم نے ایک معرکہ سر کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ایک چھوٹی سی نیکی کر کے تمہارے وجود کی غلاظتوں میں کوئی کمی ہو گئی ہے' جس ماحول سے گزر چکے ہو اس میں ابھی تم یوں سمجھ لو کہ سمندر کی ایک چھینٹ تمہارے وجود پر پڑی ہے' پورے سمندر سے پانی کی ایک ننھی سی بوند تمہارے دل پر پڑی ہے' یہ بوند بے شک تمہارے دل پر منجمد رہے گی لیکن اسے حرف آخر نہ سمجھ لینا۔ تم درمیان میں ہو' جو کچھ کھو چکے ہو وہ پانے کی کوشش کرو' کیا سمجھے؟ میں بڑی عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا اور پھر بہت دیر تک میں اس بارے میں سوچتا رہا' یکایک مجھے خیال آیا کہ رات کے اس پہر میں کھمبے کے نیچے کھڑے ہوئے سوچ رہا ہوں' اگر پولیس نے مجھے دیکھ لیا تو پکڑ کر لے جائے گی اور کیونکہ سزا یافتہ ہوں' اس لئے میرے بارے میں پولیس کو یہ یقین کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی کہ میں کوئی غلط انسان ہوں۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہوٹل کی جانب چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد میں ہوٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 15

ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ افضال اپنے بستر پر موجود تھا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خاموشی سے اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا' جو واقعات میرے ساتھ گزرے تھے وہ بڑے عجیب و غریب تھے۔ افضال تو پر سکون تھا لیکن اس نے مجھے کس چکر میں پھنسا دیا تھا اور میں نہ جانے کیوں اس چکر میں پھنس گیا تھا۔ افضال گہری نیند سو رہا تھا چنانچہ میں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود بھی اپنے بستر پر لیٹ گیا لیکن دوسری صبح افضال نے مجھے جگایا تھا کہنے لگا:

"یار دس بج گئے ہیں' تم اٹھو گے یا نہیں۔" میں نے آنکھیں کھول کر افضال کو دیکھا۔ اسے گھورتا رہا۔ میری آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ افضال نے کہا:

"خیریت تو ہے' رات کو کتنی دیر تک جاگتے رہے تھے؟"

"تم نے مجھے کس جنجال میں پھنسا دیا تھا افضال۔"

"میں نے؟"

"تو اور کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"افضال! تم نے جو کچھ کیا تھا میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔"

"کیا باتیں کر رہے ہو یار میری سمجھ میں تو تمہاری کوئی بات نہیں آ رہی۔"

"افضال بننے کی کوشش مت کرو..... سنو میں ہر طرح کا کام کر سکتا ہوں۔ کسی سے انتقام لینے کے لئے میں کسی کو ہلاک کر سکتا ہوں لیکن..... لیکن کسی لڑکی کی عزت لوٹنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"ذرا یہ جوتا اٹھاؤ۔" افضال نے مسہری کے پاس پڑے ہوئے جوتے کی طرف اشارہ کیا اور میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا:

"کیوں؟"

"یار اسے اٹھا کر میرے سر پر مار دو' کم از کم دماغ متحرک ہو جائے گا' مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میری کھوپڑی میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہو۔"

"بعض اوقات تمہارا انداق میرے لئے بڑا سنگین ہوتا ہے۔"

"کیوں؟"

"بس......" تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ میں افضال کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا اور افضال مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے کہا: "اب منہ کھولو گے کہ نہیں۔"

"افضال گنگولی نے ریشم کو میرے پاس پہنچا دیا تھا۔"

"اور تم نے اس کا غرارہ بنا کر پہن لیا ہو گا۔" افضال تمسخر اڑانے کے انداز میں بولا:

"کس کا؟"

"ریشم کی بات کر رہے ہو نا؟......اسی کا۔"

"تم بہت فضول انسان ہو' کوئی بات سنجیدگی سے نہیں سنتے۔"

"میں نے کہا ہے نا جوتے لگا دو میرے سر پر' کم از کم کچھ تو سمجھ آ جائے گا نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانکے چلے جا رہے ہو۔"

"افضال پہلے یہ بتاؤ تم جس کیفیت میں واپس آئے تھے وہ کیسے ہو گئی؟ کہیں سے کوئی رقم لگ گئی تمہارے ہاتھ؟ لباس وغیرہ بھی تبدیل کر لیا تھا تم نے۔"

"پیارے بھائی ایک بات کہوں تم سے' اب اس ہوٹل سے جوتے مار کر نکالے جائیں گے' کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے جیب میں..... کچھ بھی نہیں کر سکا میں...... تمہیں معلوم ہے کل میری مصروفیات کیا رہیں۔"

"کیا رہیں؟"

"بس یار جھک مارتا رہا۔"

"اور مجھے بھی جھک مارنے کے لئے بھیج دیا۔"

"کل جب تمہارے پاس سے نکلا تو اس وقت سے اب تمہارے ساتھ ملاقات ہو رہی ہے اور تم نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانکے جا رہے ہو۔"

"کیا.....؟" میں حیرت سے چل پڑا۔

"ہاں.....اور تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"افضال....." میری آواز میں حیرت کے ساتھ خوف بھی شامل تھا۔

"ہاں بولو.....بولو....."

"افضال! تم..... تم مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے؟"

"جسے اللہ نے بنایا ہو' میں اسے کیا بناؤں گا۔"

"تم میرے پاس نہیں آئے تھے؟"

میں تو تمہارے پاس بہت عرصہ پہلے آ گیا تھا۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھے تم۔"

"آگے بولو..... آگے بولو..... مجھے مزا آ رہا ہے' میں واقعی اپنے آپ کو ایک شاندار سوٹ میں ملبوس محسوس کر رہا ہوں۔" افضال نے کہا۔

"تو وہ تم..... تم نہیں تھے؟"

"میں نے کہا نا' جو دل چاہے کہتے رہو اچھا لگ رہا ہے۔"

پھر مجھے کیا ہوا تھا' میں ایک دم خاموش ہو گیا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

دفعتاً مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں وہ پرچہ نکالنا چاہتا تھا' جس پر میرے لئے تحریر تھی لیکن اب پرچے کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ افضال مجھے بغور دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا:

"افضال صورت حال اب میرے لئے ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔"

"مثلاً؟"

"افضال چلو نکلو یہاں سے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ نکلو یہاں سے' کہیں کسی اور بڑی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

بہرحال نہ جانے کیا کیا جتن کر کے میں افضال کو اس ہوٹل سے نکال لایا۔ بہت اچھا دوست بہت اچھا ساتھی تھا' اس کے علاوہ اب اس دنیا میں میرا تھا ہی کون؟ ماضی میں جو بچھڑ گئے تھے' ان کے بارے میں پتا نہیں چل سکتا تھا' بقول شخصے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا ان تمام ہنگامہ خیزیوں سے۔ نکلا تھا اپنے باپ کی تلاش میں اور پڑ گیا نہ جانے کس جنجال میں..... یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے اس جنجال سے نکلنا آسان نہ ہو گا۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس شہر کو ہی چھوڑ دیا جائے۔ افضال اب مجھ سے بہت مانوس ہو گیا تھا اس کا کہنا تھا کہ اب وہ میرا سایہ ہے' جہاں میں جاؤں گا وہ بھی جائے گا' میرے بغیر اب اس کا جینا محال ہے' بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انتہائی مخلص دوست تھا۔

افضال نے کہا:

"جو کچھ پاس پلے تھا وہ تو ہوٹل کے اخراجات کی نظر ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ کوئی کام دکھاؤں لیکن کوئی بات نہیں بن سکی..... اچھا دوست اب یہ بتاؤ کرنا کیا ہے؟"

"مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ آخر زندگی کیسے گزرے گی ہماری؟ میں تو صرف ایک ہی کام جانتا ہوں۔"

"کیا؟"

"چوری..... ڈاکہ زنی..... نقب زنی؟"

"وہ میں تمہیں کرنے نہیں دوں گا۔"

"کیوں؟"

"پھر سے جیل جانا چاہتے ہو کیا؟"

افضال کسی سوچ میں ڈوب گیا' پھر بولا:

"جیل کی زندگی میں روٹی بے شک مل جاتی ہے مگر وہ بھی مار کھانے کے بعد جب کہ دنیا میں آزاد رہنا زیادہ اچھا لگتا ہے' حالانکہ ہمارے لئے یہ دنیا بھی ایک جیل ہی ہے لیکن پھر بھی انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے' مگر یار یہاں دو روٹی حاصل کرنے کے لئے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا کیا جائے؟"

"چلو کچھ کریں گے..... اللہ مالک ہے۔"

اس کے بعد ہم دونوں ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ٹرین آئی تو اس میں داخل ہو کر اپنے لئے سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ ٹکٹ نام کی کوئی چیز ہمارے پاس نہیں تھی اور فنکاری یہ تھی کہ ٹکٹ چیکر سے بچا جائے اور طویل راستے تک ہم یہ فنکاری دکھاتے رہے۔ یہاں تک کہ کافی سفر طے ہو گیا ایک رات گزر چکی تھی اور دن کے کئی گھنٹے۔ ہم نے سوچا کہ اب کچھ کرنا چاہیے۔ دن کا سفر تو خیر مشکل نہیں ثابت ہوا تھا' رات کو بھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی لیکن جب صبح ہوئی تو دو آفتوں نے گھیر لیا۔ پہلی چیز تو یہ کہ بھوک کے مارے آنتیں کڑکڑ کر رہی تھیں' دوسری یہ کہ اب دن کی روشنی میں ٹکٹ چیکر کا مسئلہ زیادہ سنگین ہو جائے گا۔ رات کو تو ہم اسے نچاتے رہے تھے اور بعد میں الگ الگ سو گئے تھے لیکن دن کی روشنی میں چھپنا مشکل نہیں ہو گا۔ طے یہ کیا کہ جو پہلا اسٹیشن آئے گا' اس پر اتر جائیں گے۔ ٹرین شاید ایک یا دو منٹ کے لئے اسٹیشن پر رکی تھی۔ ہم دونوں اتر گئے' ترکیب پہلے ہی سوچ لی تھی' ہم اسٹیشن کا نام دیکھے بغیر اتر گئے تھے۔ کافی فاصلے پر پانی کا نلکا لگا ہوا تھا' ہم دونوں وہاں پہنچ کر منہ ہاتھ دھونے لگے۔ ہمیں انتظار تھا کہ گاڑی آگے بڑھ جائے۔ اسٹیشن پر چند افراد موجود تھے' کچھ مسافر نیچے اترے۔

جیسے ہی گاڑی آگے بڑھی ہم اچانک ہی ایک دوسرے میں الجھ کر گر پڑے اور اس کے بعد چیخنے لگے:

"روکنا..... روکنا بھائی..... ارے ٹرین روکو..... باپ رے باپ مارے گئے..... ہمارا تو سامان ٹرین میں رہ گیا..... ہم لٹ گئے..... اب ہم کیا کریں؟"

ساری اداکاری افضال کر رہا تھا' میں بھی اس کے ساتھ شامل تھا لیکن ذرا مختلف انداز میں۔ منصوبہ کامیاب رہا' ایک ریلوے چیکر ہمارے پاس آ گیا اور ہمیں غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

"کیا ہوا؟"

"بھائی پیاسے تھے رات بھر کے' پانی پینے کے لئے نیچے اترے کہ ریل چل پڑی' تمہیں خدا کا واسطہ اسے کسی طرح رکوا دو' ہمارا تو بہت سامان ہے اس میں۔"

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"ہاں..... ہم دونوں کی بیویاں ہیں۔"

"جا کہاں رہے تھے؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ اس ٹرین کا آخری اسٹیشن وہی تھا۔"

"کیا وہیں کے رہنے والے ہو تم؟"

"ہاں۔"

"تو پریشانی کی بات کی ہے؟"

"ارے بھئی سامان بھی ہے اور بیویاں بھی۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' بیویاں تمہارا سامان لے کر گھر چلی جائیں گی۔ کیا انہیں گھر کا پتا نہیں معلوم؟"

"کیوں نہیں اصل میں ہم دونوں بھائی ہیں اور ہماری بیویاں دونوں بہنیں ہیں۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا تمہاری شادی کو؟"

"یار کتنا عرصہ ہو گیا' ذرا حساب لگا کر بتاؤ؟" افضال نے مجھ سے کہا:

"چار سال دو مہینے دس دن۔" میں نے جواب دیا۔

ریلوے افسر ہنس پڑا اور بولا:

"ایک ایک دن یاد رکھا ہے تم نے تو۔"

"شادی شدہ ہو تم؟" افضال نے ریلوے افسر سے پوچھا:

"خدا کا شکر ہے چھ بچوں کا باپ ہوں۔"

"اس کے بعد بھی کہہ رہے ہو کہ دن یاد رکھے ہیں ہم نے۔ ارے بھائی انسان اس بیوقوفی میں پڑنے کے بعد تو ایک ایک دن گنتا ہے۔"

"اب کیا کرو گے؟"

"یہ تو آپ ہی مشورہ دیں گے۔" افسر صاحب۔

"ٹکٹ ہیں تمہارے پاس؟"

"وہ بھی بیویوں کے پاس تھے۔"

"تم ایسا کرو میرے آفس میں آ کر اپنی تفصیلات لکھوا دو مگر یہاں سے تمہیں ٹکٹ تو خریدنا پڑے گا۔"

"ہاں..... دوسری ٹرین ہمیں کب مل سکے گی؟"

"کم از کم چار یا چھ گھنٹے بعد۔"

"مارے گئے' افسر صاحب خدا آپ کا بھلا کرے' ہمیں کوئی ایسی جگہ بتا دیجئے جہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر ہم انتظار کر لیں۔"

"ٹھیک ہے' آیئے میں آپ لوگوں کو ویٹنگ روم میں بٹھا دیتا ہوں۔ آپ لوگ ٹکٹ بنوا لیجئے اپنا۔"

ریلوے افسر ہمیں ریلوے اسٹیشن سے باہر نکال لایا' بس اتنا ہی کام تھا' وہ ہمیں ویٹنگ روم میں بٹھا کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا اور اس کے بعد ہم نے اپنی ڈیوٹی شروع کر دی یعنی جوتے ہاتھوں میں لے کر وہاں سے دوڑ لگا دی اور اتنی دور تک دوڑتے چلے گئے کہ کم از کم ریلوے اسٹیشن کی عمارت نظر نہ آسکے اس کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ آبادی اچھی خاصی معلوم ہوتی تھی لیکن بستی زیادہ جدید نہیں تھی' کوئی چھوٹا سا شہر ہی تھا جہاں یہ صورت حال پیش آئی تھی خوف یہ تھا کہ کہیں ریلوے اسٹیشن کے ملازمین ہمیں تلاش کرنے نہ نکل پڑیں۔ اس لئے آبادی میں رکنے کے بجائے ہم نے ایک ایسی سمت کا رخ کیا جو بلندی سے ہمیں نظر آ رہی تھی۔ ڈھلوان پھیلے ہوئے تھے' ان ڈھلوانوں پر کھیت تھے اور پھر پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک پگڈنڈی نہ جانے کہاں سے کہاں تک چلی جاتی تھی' بس ہم اس پگڈنڈی پر چل پڑے اور پھر تقریباً دو یا تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا۔ لوگ اس پگڈنڈی پر آ جا رہے تھے لیکن کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی تھی۔

آخر کار ہم ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پہاڑیوں کے ایک عظیم الشان سلسلہ میں سبز رنگ کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ بہت سی چٹانوں کے درمیان پتھروں کو چن کر ایک خانقاہ بنائی گئی تھی۔ افضال نے کہا:

"وہ دیکھو وہ کیا ہے؟"

"کسی بزرگ کا مزار معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا ہمیں اس مزار میں پناہ نہیں ملے گی؟"

"دیکھتے ہیں۔ لیکن سامنے کی سمت سے نہ چلو اِدھر کافی لوگ ہیں اور ہم اس بستی میں اجنبی ہیں' اصل میں ایسی چھوٹی بستیوں کے لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے بھی ہیں۔ ایسا کرو کہ ہم اس پہاڑی کے پیچھے سے اوپر چلتے ہیں۔ جس طرح لوگ یہاں آ جا رہے ہیں اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اچھے خاصے لوگوں کی آمد و رفت ہے۔"

"ویسے ایک بات کہوں؟"

"کیا؟" افضال نے پوچھا۔

"ہماری تقدیر میں یہ مزارات ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔"

"اس وقت اس چکر میں مت پڑو...... گوشہ عافیت کی تلاش ہے تو یہاں سے بہتر جگہ ہمیں اور کہیں نہیں ملے گی۔"

ہم پچھلے حصے سے اوپر چڑھنے لگے یہ چڑھائی بے شک مشکل تھی لیکن بہرحال ہم اوپر پہنچ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس مزار کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس وقت یہاں کوئی موجود نہ ہو۔ ماحول سنسان نظر آ رہا تھا۔ ہم اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے، پچھلے حصے میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء نظر آئیں، یہ پھلوں کی شکل میں تھیں اور اس طرح رکھی ہوئی تھیں جیسے ناقابل استعمال سمجھ کر رکھ دی گئی ہوں لیکن ہمارے لئے اس وقت اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے اور سچی بات یہ کہ خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ پانی کا ایک بڑا سا مٹکا بھی رکھا ہوا تھا، پھر ہم نے پانی پیا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ بڑی اچھی جگہ تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی نہ جانے کب آنکھ لگ گئی اور جاگے تو شام ہو چکی تھی۔ افضال نے مجھے اٹھایا تھا۔

"اٹھ جا بھائی، اب اتنی مرمت ہو گی کہ ہوش و حواس درست ہو جائیں گے۔"

"وہ کیوں بھلا......؟"

"تھوڑی دیر کے بعد یہاں زائرین آئیں گے، ہمیں دیکھیں گے۔"

"تو ہم شکل سے لچے لفنگے لگتے ہیں جو ہماری شامت آ جائے گی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ہم نے دو افراد کو اِدھر آتے ہوئے دیکھا، ان میں ایک چالیس پچاس سال کی عمر کا آدمی تھا جبکہ دوسرے کی عمر کوئی سترہ اٹھارہ سال تھی۔ وہ دونوں سامنے کی سمت سے آ رہے تھے۔ ہم چھپ گئے اور دیکھنے لگے کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ سترہ اٹھارہ سال کا جو لڑکا تھا وہ تو اندر داخل ہو کر نہ جانے کہاں غائب ہو گیا اور وہ شخص جو عمر رسیدہ تھا اور شکل و صورت سے لڑکے کا باپ معلوم ہوتا تھا اپنا حلیہ بدل کر وہیں بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ میں بڑے بڑے دانوں کی ایک تسبیح پکڑ لی تھی۔ میں نے حیرت سے افضال کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: "کوئی

بزرگ معلوم ہوتا ہے، یہاں عبادت کرنے آتا ہو گا۔"

"شاید......" میں نے اندر جھانک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر افضال نے جھانک کر اندر دیکھا اور چونک کر بولا:

"سن میری جان ذرا میری بات سن۔"

میں نے افضال کے اس طرح مخاطب کرنے پر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"شاید وہ لڑکا غائب ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"اندر نہیں ہے۔"

"کسی اور طرف سے نکل گیا ہو گا۔"

"یار کمال کرتے ہو، اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہے، وہاں سے وہ باہر نہیں آیا...... اور اندر سے وہ غائب ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"بات کچھ گڑبڑ لگتی ہے اور پھر واقع عجیب و غریب تماشا دیکھنے میں آیا، جوں جوں شام گزرتی جا رہی تھی، پگڈنڈی سے گزر کر لوگ آ رہے تھے، ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء کپڑے لتے وغیرہ تھے اور عمر رسیدہ آدمی تسبیح ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا ہمارے کان اندر کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے جبکہ ہم اندر کا منظر بخوبی دیکھ رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے عمر رسیدہ شخص کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا:

"بابا صاحب! بیٹا انیس دن سے بیمار ہے۔ آپ بتائیں کیا کروں دوا دارو کر کے ہار گیا ہوں، طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی اس کے لئے کچھ کیجئے سرکار۔" جواب میں عمر رسیدہ شخص نے ایک مٹھی مٹی بھری اور اس سے بولا:

"لے کپڑے میں باندھ لے، ایک ایک چٹکی اس کی زبان پر رکھ دینا۔"

"حضور یہ نذرانہ......" اس شخص نے کچھ سکے نکال کر بابا صاحب کے قدموں پر ڈال دیئے اور باہر چلا گیا۔ دوسرا شخص کپڑے کا ایک سوٹ اور کھانے پینے کی کچھ اشیاء لے کر اندر آیا تھا، آنے والے نے قدموں کو چھوا اور کہا بابا صاحب آپ کی دوا سے کام بن گیا، ذرا پوچھ

کرتا ہے کہ میری بیٹی کب سسرال چلی جائے گی؟"

"اس کی بیٹی کب سسرال چلی جائے گی؟"

"تین مہینے بعد۔" ایک آواز ابھری اور ہم دونوں حیرت سے اچھل پڑے۔ عقیدت مند کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ سلام کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ لوگ آ رہے تھے' نذرانے چڑھا رہے تھے' اپنے سوالات کرتے تھے اور قبر سے انہیں جواب ملتا تھا۔ بات چند ہی لمحوں میں سامنے آ گئی' یقینی طور پر یہ جعلی قبر تھی' اس میں داخل ہونے کا کوئی راستہ بنا لیا گیا تھا اور وہ لڑکا جو اس معمر شخص کے ساتھ آیا تھا اس قبر میں موجود تھا اور سوال کرنے والوں کے سوالات کے جوابات دے رہا تھا۔ افضال نے میری طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں بولا:

"یار اس سے شاندار دھندا اور تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا؟"

"کمال ہے اس کا دم نہیں گھٹ رہا ہو گا اندر؟"

"خدا جانے.....؟"

"پھر اب کیا کرو گے؟"

""کمال کرتے ہو یار یہ دونوں اگر باپ بیٹے ہیں تو سمجھ لو کہ نہ جانے کس کس کو بیوقوف بنا چکے ہیں اور بنا رہے ہیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"یہ کمائی دیکھ رہے ہو یار اتنی کمائی تو کسی اور کام میں ہو ہی نہیں سکتی۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا....." میں بولا۔

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"کسی چکر میں نہ پھنس جانا۔"

"چکر کے بغیر تو کوئی چکر نہیں چلتا' چکر چلانا پڑے گا' چکر نہیں چلائیں گے تو ہم چکر میں آ جائیں گے۔" افضال نے کہا۔

بہر حال تیز چالاک آدمی تھا میں نے سوچا کہ اب جو کچھ بھی یہ کرتا ہے اسے کرنے دیا جائے' دیکھیں تو سہی اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ پھر رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بج گئے اور آخری آدمی جو آیا اسے دیکھ کر بابا صاحب نے کہا: "باہر کے سب لوگوں کو منع کر دینا' وقت ختم ہو چکا ہے۔ نیک روحیں رات کو آرام کرتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے بابا صاحب... اور میرا مسئلہ؟"

"ہاں تم جلدی سے اپنا مسئلہ بتا دو تاکہ تمہاری درخواست پیش کر دی جائے۔"

"بابا صاحب میں کاروبار میں بڑا نقصان اٹھا رہا ہوں' میرے لئے دعا کروا دیجئے یہ بتا دیجئے کہ یہ کاروبار ٹھیک رہے گا یا نہیں؟"

"ہمت سے کام لو' کاروبار میں فائدہ ہونا شروع ہو جائے گا۔" یہ آواز سن کر وہ شخص خوشی سے پھولا نہ سمایا اور عمر رسیدہ شخص کے ٹانگوں میں جھک کر بولا: "خدا آپ کو خوش رکھے یہ میری طرف سے نذرانہ۔"

اس شخص نے غالباً واپس جا کر بابا صاحب کا پیغام دے دیا تھا چنانچہ ایک ایک کر کے لوگ وہاں سے رخصت ہونے لگے اور وہاں سناٹا طاری ہو گیا۔ جب تمام لوگ چلے گئے تو ہم نے ایک سوراخ سے اس لڑکے کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا جو اس عمر رسیدہ شخص کے ساتھ یہاں تک آیا تھا اور اس طرح کم از کم افضال کے بیان کی تصدیق ہو گئی' یعنی یہ کہ اعلیٰ پیمانے پر انسانی جذبات کا یہ کھیل ہو رہا تھا اور یہ کھلاڑی ہاتھوں سے سونا بٹور رہے تھے۔ اس وقت اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو کوئی ڈھائی تین سو روپے کی نقد رقم ان لوگوں کے پاس آ گئی تھی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء' چھ جوڑے کپڑے اور یہ چیزیں ان لوگوں کے پاس موجود تھیں۔

میں نے افضال کی شکل دیکھی تو وہ بولا:

"سمیٹ لینے دو ذرا..... سمیٹ لینے دو ساری چیزیں..... اس کے بعد ہم ان سے ملاقات کریں گے۔"

ایک لمحے کے لئے میں ذرا سی پریشانی کا شکار ہو گیا تھا لیکن صورت حال میری سمجھ میں بھی آ گئی تھی۔ یقینی طور پر یہ دونوں باپ بیٹا فراڈ تھے۔ بیٹا قبر میں داخل ہو جاتا تھا' باپ مجاور بن کر بیٹھ جاتا تھا اور اس کے بعد حاجت مندوں کو قبر سے آواز آئے اور جواب ملے تو بھلا اس کی عقیدت انتہا کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ لوگوں کی اس کیفیت سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔

ہم نے سامنے کا ہی رخ اختیار کیا۔ باپ بیٹے سارا سامان سمیٹ چکے تھے۔ ہم دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تو عمر رسیدہ آدمی نے غصیلی نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور بولا:

"تمہیں معلوم ہے کہ وقت ختم ہو چکا ہے' میں نے باہر کہلوا دیا تھا کہ اب کسی کی گنجائش

نہیں ہے۔"

"ہماری ہے بابا صاحب۔" افضال نے کہا۔

"میں نے کہا نا کسی کی گنجائش نہیں ہے۔"

"اور میں نے کہا ہماری ہے۔" افضال نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تو عمر رسیدہ آدمی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر افضال نے کہا:

"ذرا یہ تو بتاؤ بڑے صاحب یہ لڑکا اس وقت کہاں غائب تھا جب آپ کے پاس آپ کے مرید اور عقیدت مند آ رہے تھے؟"

"تمہیں ان تمام باتوں سے کیا مطلب..... کون ہو تم؟ ہم نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے...... کون ہو...... کہاں سے آئے ہو؟"

ہم نے بھی تمہیں پہلی بار ہی دیکھا ہے..... لیکن بہت اچھی طرح دیکھا ہے بابا صاحب۔ یہ جو تم لوگوں سے رقمیں سمیٹ رہے ہو' اکیلے ہضم نہیں کر سکو گے' کیا سمجھے..... بولو کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"ارے تمہارا دماغ خراب ہے تمہیں معلوم ہے کس سے بات کر رہے ہو تم؟"

"اب یہ آپ ہی بتا دیجئے' نام وغیرہ پتا چلنا چاہیے آپ کا.....باقی ہم اپنا تعارف آپ سے بعد میں کرا دیں گے۔"

"دیکھو تم ہمارے جلال کو آواز دے رہے ہو۔"

"جلال بھائی کو تکلیف نہ دیں انہیں آرام سے بٹھا دیں اور اس سامان میں سے ہمارا حصہ نکال لیں۔ ہم نے جلال بھائی کو اس قبر میں بھی دیکھا اور آپ کی ساری حرکتوں کو بھی دیکھا ہے۔ بتائیں اب آپ کی بستی میں جا کر ان حرکتوں کی تفصیل لوگوں کو بتائیں یا آپ کا دماغ خود ہی کسی طرح ٹھکانے آ جائے گا۔" بابا صاحب حواس باختہ ہو گئے' جلدی سے بولے:

"پاگل ہو تم لوگ' فضول باتیں کر رہے ہو...... تم ہو کون یہاں پر کہاں سے آ مرے؟"

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ جو آپ ہیں وہ ہم ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟"

"مطلب صرف یہ کہ جس طرح آپ لوگوں کو بیوقوف بنا کر اس لڑکے کے ذریعے یہ سب کچھ کماتے ہیں' اب اس میں' ہمیں اپنا حصہ چاہیے ہو گا اور آپ صرف اتنا ہمیں بتا دیجئے کہ

یہ حصہ شرافت سے ہمیں مل جائے گا یا اس کے لئے ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں گی۔"

"مگر یہ بتاؤ تم آئے کہاں سے ہو؟"

"سمجھ لیجئے کہ ابھی ابھی آسمان سے اترے ہیں اور کھجور میں اٹکنے کی بجائے آپ کے پاس آ گئے ہیں۔"

"چاہتے کیا ہو؟"

"بتایا تو ہے آپ کے پاس جو کچھ آتا ہے اس میں سے اپنا حصہ اور قیام کے لئے جگہ' اسی پر ہم اپنی زبان بند رکھیں گے' ورنہ پوری بستی کو حقیقت حال بتا دی جائے گی اور اس کے بعد بستی والے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں یہ آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے...... کہیں سے آئے ہوئے مسافر معلوم ہوتے ہو؟"

"اب تو آپ ہی کے شہر کے باشندے ہیں۔ بھلا ایسی شاندار جگہ چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔" افضال نے شرارت سے کہا اور دونوں باپ بیٹا پریشانی سے دیکھنے لگے۔ اس کے بعد کھانے پینے کی کچھ اشیاء اور تھوڑی سی رقم ہمیں بھی مل گئی' میں نے بڑے میاں سے ان کا نام پوچھا تو وہ بولے:

"نام وام میں کچھ نہیں رکھا' بس تم لوگ یہاں پڑے رہا کرو' بس..... کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے خیال رکھنا؟"

"ہمارا یہاں کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے بابا صاحب' آپ آرام سے اپنا کاروبار جاری رکھیں۔ جب تک کھانے پینے کی اشیاء اور رقم میں سے ہمیں اپنا حصہ ملتا رہے گا دنیا والوں کو کچھ پتہ نہیں چلے گا' لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو....."

"لعنت ہے تم پر' پتا نہیں کہاں سے آ مرے ہو' کون ہو۔"

بابا صاحب سامان سمیٹ کر اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑے تھے اور ہم دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔

"یار یہ لوگ کس طرح دوسرے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں' یہ تو بہت بری بات ہے۔"

"او بھائی..... بڑی مشکل سے پیٹ بھرنے کا سہارا ملا ہے' اس میں گڑبڑ مت کر۔"

"لیکن یہ گناہ ہے۔"

"ارے مولوی صاحب! اس وقت پیٹ بھرنا سب سے بڑا سوال ہے باقی باتوں کو جانے

دیجئے‘ سب کچھ بعد میں دیکھیں گئے‘ بعد میں سوچیں گے۔"

میں ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ افضال ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ ویرانے میں جعلی قبر کے کنارے لیٹنے کے بعد افضال تو گہری نیند سو گیا لیکن میرا ماضی میری نگاہوں میں گردش کرنے لگا۔ میں نے دل میں سوچا کہ مرے ہوئے کو دنیا مارتی ہے۔ میں نے خود تو جان بوجھ کر سب کچھ نہیں کیا تھا ایک چھوٹی سی بات پر اس قدر تجسس ہو گیا تھا اور اتنا نقصان پہنچا مجھے‘ میرا کیا قصور تھا‘ آخر میں نے کیا کیا تھا؟ دل پر ایک بے چینی سے طاری ہونے لگی‘ یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ افضال یہاں سے آسانی سے نہیں جائے گا بلکہ یہ سمجھا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس سے بہتر جگہ اس کے اور میرے لئے کوئی نہیں ہو سکتی تھی لیکن افضال کا دنیا سے کوئی جھگڑا نہیں ہے‘ وہ تو بس زندگی گزارنا چاہتا ہے اور گزار رہا ہے۔ نہ کوئی آفت‘ نہ کوئی پریشانی لیکن میرا دل لاکھوں غموں کا شکار تھا۔ میں تو یہ سب کچھ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا‘ نہ جانے کیوں طبیعت اندر سے اس قدر گھبرائی کہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تاحد نظر تاریک رات پھیلی ہوئی تھی‘ میرے بھیانک مستقبل کی طرح اس رات میں کوئی دلکشی نہیں تھی‘ بس یوں لگتا تھا جیسے چاروں طرف کالا سمندر لہریں لے رہا ہو‘ ایک عجیب سی وحشت ایک عجیب سی بے کلی دل پر سوار ہو گئی تھی۔

* * *

باب نمبر 16

میں خلاء میں نگاہیں جمائے بیٹھا رہا اور دور دور تک دیکھتا رہا دفعتاً کافی فاصلے پر مجھے ایک روشنی سی نظر آئی ایسی حسین‘ ایسی پرکشش روشنی کہ دیکھ کر دل کو پرکھ کا احساس ہو۔ روشنی کے اس سحر نے جیسے مجھے اپنے جال میں جکڑ لیا‘ میں اسے دیکھتا رہا اور مجھے یوں لگا جیسے وہ پرکشش روشنی مجھے اپنی جانب کھینچ رہی ہو اور اس کے بعد مجھ پر ایک بے خودی سی طاری ہو گئی تھی۔ میں ٹیلے سے اترا اور اس روشنی کی جانب چل پڑا یقیناً وہ میرے لئے نامعلوم تھی لیکن اس کا سحر مجھے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت میں ساری دنیا سے بے خبر ہو گیا تھا تو غلط نہ ہو گا۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ روشنی مجھے اپنی جانب آواز دے رہی تھی اور میں اس کی طرف چل رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جوں جوں میں آگے بڑھ رہا ہوں‘ روشنی آگے اور آگے ہی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور پھر یہ سفر.... یہ بے خودی کا سفر صبح کی روشنی کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ سورج کا اجالا جھانکنے لگا تھا اور میں نہ جانے اس جگہ سے کتنی دور نکل آیا تھا‘ جہاں سے میں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ جیسے ہی سورج کی کرنوں نے اندھیرے کی چادر کو چیر کر صورت دکھائی‘ روشنی ایک دم اس طرح ختم ہو گئی جیسے کوئی جلتا ہوا بلب بجھ جائے۔

میں نے اپنے آپ کو جس جگہ پایا وہ ایک عجیب و غریب جگہ تھی۔ سرسبز و شاداب میدان‘ دور دور تک گھاس بکھری ہوئی‘ بڑی بڑی چٹانیں اور ان کے عقب میں پتھروں سے چنی ہوئی ایک مکان نما جگہ۔ میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ مجھے اچانک ہی یہ احساس ہوا کہ رات بھر کے اس طویل سفر نے میرے پورے بدن کو چور چور کر دیا ہے۔ میں نے نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ مجھے افضال کا خیال آیا‘ افضال مجھ سے کتنا دور ہو گیا ہے.....

کہاں چلا آیا میں.....؟ ساری رات گزر گئی۔

گزرے ہوئے واقعات مکمل طور پر یاد آ گئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ روشنی کے سحر میں گرفتار ہو کر میں نے افضال کو کھو دیا ہے۔ اس ویران علاقے میں تو سمتوں تک کا کوئی اندازہ نہیں ہو پائے گا۔ بڑی عجیب کیفیت ہو گئی تھی میری۔ ایک عجیب سی بے چینی کا شکار ہو گیا تھا۔ اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ واپس جانے کے بارے میں سوچ سکوں۔ آہ..... رات بھر کا سفر اور پھر سمت نامعلوم..... یہ جگہ کہیں خطرناک نہ ہو اچانک ہی پتھروں سے چنی ہوئی اس عمارت کا خیال آیا' جسے ابھی کچھ دیر قبل دیکھا تھا۔ یہ عمارت کیسی ہے.....؟ اس کے بارے میں بھی تو کچھ معلوم کیا جائے۔ تجسّس چونکہ انسانی فطرت کا حصہ ہوتا ہے اور یہ تجسّس بالآخر مجھے اس عمارت تک لے گیا۔ میں نے عمارت کے دروازے سے داخل ہو کر اندر کا منظر دیکھا باہر سے محسوس ہوتا تھا جیسے پتھروں سے چنی ہوئی یہ جگہ بہت چھوٹی سی ہو۔ لیکن اندر داخل ہونے کے بعد اس کی وسعتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان وسعتوں میں ایک طرف کچھ سامان کے ڈھیر تھے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بزرگ قسم کی شخصیت جائے نماز بچھائے اس پر سجدہ ریز تھی۔ دل پر ایک عجیب سی ہیبت طاری ہو گئی اور میں بھی تھکے تھکے انداز میں وہیں بیٹھ گیا۔ وجود کی اس تھکن کو میں آرام کر کے رفع کر سکتا تھا لیکن مجھے احساس ہوا کہ اس بزرگ سے مجھے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بزرگ اپنی جگہ سے اٹھے اور مجھے دیکھنے لگے' پھر آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئے۔

"ہونہہ تو آ گئے تم....." میں نے نگاہیں اٹھا کر ان بزرگ کو دیکھا اور کہا:

"آپ بتا سکتے ہیں یہ کون سی جگہ ہے؟"

"بس ایک فقیر کی جھونپڑی ہے...... دنیا سے کنارہ کشی کر کے یہاں زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔"

"کیا دنیا سے اس آسانی سے کنارہ کشی کی جا سکتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں' لیکن جب تجربات انسان کو مایوس کر دیتے ہیں تو دنیا اچھی نہیں لگتی۔"

"میں نہ تو کوئی عالم ہوں اور نہ ہی تعلیم یافتہ...... ایک جاہل سا آدمی ہوں اور اس جاہل کے ذہن میں ایک بات آتی ہے محترم بزرگ۔"

"کیا؟" انہوں نے سوال کیا۔

"اگر انسان کو گوشہ نشینی کی ہی زندگی اختیار کرنا ہوتی تو پھر اس کائنات میں سارے ہنگامے کیوں؟ اگر انسان کی فطرت میں ایسی ہی علیحدگی لکھی ہوئی تھی تو کوئی کسی سے محبت کیوں کرتا۔ ماں اور اولاد کے رشتے کیوں ہوتے' بہن اور بھائی کے رشتے کیوں ہوتے' بتایئے...... مجھے بتایئے محترم بزرگ آپ نے دنیا مجھ سے کہیں زیادہ دیکھی ہے..... کیا دنیا اتنی آسانی سے چھوڑی جا سکتی ہے؟" بزرگ نے عجیب سے انداز سے مجھے دیکھا۔ پھر بولے:

"تم ٹھیک کہتے ہو...... بالکل ٹھیک کہتے ہو' لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ جب رشتے ختم ہو جاتے ہیں تو انسان سوچتا ہے کہ اب وہ کیا کرے؟ اس کے بعد اللہ سے لو لگا کر جو سکون ملتا ہے وہ کسی اور شے سے نہیں ملتا۔"

"دیکھئے مجھے آپ سے اختلاف ہے۔" میں نے کہا۔ نہ جانے میرے اندر کون بول رہا تھا اس وقت۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وحشت زدہ سا ہو گیا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے میں اپنے آپ میں نہیں ہوں' ایک نئی شخصیت میرے اندر بسیرا کر بیٹھی تھی۔ میں نے کہا۔

"آپ کہتے ہیں کہ جب دنیا کے رشتے ختم ہو جائیں تو اللہ سے لو لگانا بہتر ہوتا ہے۔ مجھے جواب دیجئے' جس نے آپ کو تخلیق کیا' جس نے آپ کو جسمانی قوت بخشی' جس نے آپ کو اس دنیا کو سمجھایا آپ اس سے اس وقت لو لگاتے ہیں جب دنیا سے آپ کے رشتے ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔ گویا آپ کے خیال میں وہ سب سے آخر کی چیز ہے۔ وہ جو آپ کا تخلیق کنندہ ہے' جس نے آپ کو دنیا دی ہے وہ اتنا پیچھے چلا جاتا ہے۔" بزرگ حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے...... دیر تک وہ مجھے دیکھتے رہے پھر بولے:

"آگے کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب بھی شعور آپ کے ذہن تک پہنچے' جب بھی آپ پہلی بار سوچیں تو آپ کو صرف ایک بات سوچنی چاہیے وہ یہ کہ سب سے زیادہ حق آپ پر اس کا ہے جس نے آپ کو تخلیق کر کے اس کائنات میں بھیجا۔ آپ اس سے لو لگائیں اور اس کے بعد دوسرے رشتوں سے اس کے احکامات کے مطابق محبت کیجئے۔" بزرگ کی آنکھوں میں شعلے سے چمکنے لگے اور بولے:

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو' کیا تم نے وہیں سے اپنا آغاز کیا ہے؟"

"اب آپ ان سوالات پر اتر آئے' کیونکہ آپ کے پاس میرے سوالات کا جواب نہیں ہے۔" میرے بارے میں سننا چاہتے ہیں تو سنئے ماں کی خدمت کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ ماں کے حکم پر تعلیم حاصل کی۔ ماں محنت کرتی تھی اس کی آرزو تھی کہ وہ مجھے مکمل تعلیم دلوائے۔ میں نے بارہا چاہا کہ ماں کو محنت سے روک دوں اور خود اس کی کفالت کروں۔ مجھے قسم دی تھی میری ماں نے اور کہا تھا کہ میں تعلیم حاصل کر کے ایک بڑا آدمی بنوں۔ سمجھ رہے ہیں آپ......؟ اس کے بعد ماں اس دنیا میں نہ رہی۔ میں نے دوسرے رشتے ٹٹولے۔ میرا قریبی عزیز کوئی نہیں تھا۔ محلے پڑوس کے لوگ تھے۔ انہوں نے مجھ سے میرا گھر بھی چھین لیا' مجھے بتایا کہ میری ماں مقروض تھی اور ۱۶اس قرض کے حوالے سے یہ گھر ان کی ملکیت بنتا ہے۔ میں نے کسی سے کوئی جھگڑا نہیں کیا اور خاموشی سے اپنا گھر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں اس دنیا سے بے تعلق ہو گیا۔ پھر آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ماں کی ہدایات کے مطابق میں چل پڑا' ایک ایسے شخص کی تلاش میں جو بقول میری ماں کے میرا باپ تھا لیکن اس نے مجھے اپنی اولاد تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تو دنیا میرے لئے مشکل ترین ہو گئی اور میں اس دنیا میں اپنی جگہ تلاش نہیں کر سکا۔ آپ مجھ سے ہی سوال کر رہے ہیں۔" بزرگ کے چہرے پر نرمی پھیلتی گئی' پھر وہ بولے:

"تمہیں کیا معلوم کہ میری کہانی کیا ہے...... ہو سکتا ہے میری کہانی بھی تم جیسی ہی ہو۔"
میں نے غور سے بزرگ کو دیکھتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا:

"اگر ایسی بات ہے تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں لیکن آپ نے جو کہا تھا' میں نے اس کا جواب آپ کو دیا ہے۔ آپ کو پتا نہیں میں کیسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ میں ایک بے گناہ شخص ہوں اور میری بے گناہی میرا گناہ بن گئی ہے۔"

"ہرگز نہیں یہ تو انسان کی اپنی سوچ ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو بے گناہ قرار دینے میں بڑی آسانی محسوس کرتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو گناہ گار سمجھ لے تو بہت سے جھگڑے طے ہو جائیں۔"

"نہیں' میں بے گناہ ہوں' میں اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔ آپ اگر مجھ سے یہ بات کہتے ہیں تو مجھ سے گفتگو کیجئے۔"

"اچھا تو بتاؤ جہاں تمہیں جانے سے روکا گیا تھا تم وہاں کیوں گئے؟ تمہیں علم ہے ایک غلطی کی تھی اس نے جو فرشتوں کو تعلیم دیتا تھا۔ ایک بات نہیں مانی تھی اس نے اپنے معبود کی اور اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار پایا۔ بات صرف بات ماننے یا نہ ماننے کی نہیں ہے بلکہ حقیقتوں سے روگردانی کی ہے۔ تم جانتے تھے کہ تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے...... وقت کا تعین تھا...... ضد کیوں کی...... بولو...... جواب دو۔" ایک لمحے کے لئے میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے' بزرگ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ بہت عجیب تھا۔ درحقیقت میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا اور اب مجھے اپنے جسم میں سناٹے سے محسوس ہو رہے تھے۔ بزرگ نے کہا:

"خیر انسان ہو...... وہاں بات فرشتوں کی تھی۔ انسان گناہ کا پتلا ہے۔ اس جہنمی کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن بیٹے جب پاؤں کسی شکنجے میں پھنستا ہے تو اسے نکالنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے...... بہت محنت کرنا پڑتی ہے اسے نکالنے کے لئے' کیا سمجھے؟" میری تو زبان ہی بند ہو گئی تھی۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اب میرے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ پہلے تو میں ان بزرگ سے بڑی تیزی طراری سے گفتگو کر رہا تھا لیکن اب جب انہوں نے میرے ماضی کا ایک واقعہ مجھے بتا دیا تھا تو میں ششدر رہ گیا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بزرگ پھر بولے:

"اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری داستان بے حد الجھی ہوئی ہے' زندگی کی ان مصیبتوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے نہیں خریدا ہے بلکہ وہ خود تم تک پہنچی ہیں۔ اچھا اب یوں کرو یہاں آرام سے سو جاؤ ٹھہرو میں تمہیں کھانے پینے کی کچھ اشیاء دیتا ہوں پہلے اپنا شکم بھر لو۔"

انہوں نے مجھے اس سامان میں سے جو وہاں موجود تھا کچھ چیزیں نکال کر دیں اور باہر چلے گئے۔ میں نے ایک لمحے کے لئے ان چیزوں کو دیکھا' بدن یہی کہہ رہا تھا فوراً ہی شروع ہو جاؤں اور کوئی تکلف نہ کروں چنانچہ میں نے انہیں کھانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد بزرگ واپس آئے اور مٹی کے ایک بڑے پیالے میں پانی رکھ کر چلے گئے۔ خانقاہ یا اس گھر کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے پلٹ کر کہا کھانے کے بعد سو جانا پھر ملاقات ہو گی۔ میں نے ان کی ہدایات پر عمل کیا۔ میں کیا سوتا' رات بھر کا جاگا ہوا اور دوڑتا ہوا بدن تھک کر سو گیا تھا اور اس کے بعد رات ہی کو جاگا تھا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا اور میں پسینے میں شرابور اس جگہ پڑا ہوا

تھا میں اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ دروازے کے باہر وہ بزرگ مجھے ملے اور بولے:

"کہو نیند پوری ہو گئی؟"

"جی۔"

"آؤ پھر..... میرے ساتھ آؤ۔" انہوں نے کہا اور میں ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ خانقاہ کے پچھلے حصے میں میں نے ایک چھوٹی سی جھیل دیکھی۔ جھیل کیا بس ایک ایسی جگہ تھی جہاں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے لیکن یہ پانی اس قدر شفاف تھا کہ زمین کی تہہ نظر آ رہی تھی۔ پتا نہیں اس جھیل کو کیسے وجود ملا تھا۔ دیر تک ہم لوگ اس جھیل کے کنارے کھڑے رہے۔ بزرگ نے کہا:

"کیا نام ہے تمہارا......؟"

"احتشام' ماں پیار سے شامی کہتی تھی۔"

"ٹھیک ہے میں بھی تمہیں شامی ہی کہوں گا..... کوئی اعتراض تو نہیں ہے تمہیں..... یہ تو نہیں سوچو گے کہ میں نے تمہاری ماں کا حق تم سے لے لیا ہے۔"

"نہیں محترم بزرگ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"دیکھو شامی شیطان اپنا وار کر جاتا ہے اور انسان ترستا ہی رہتا ہے' بعض اوقات تو زندگی کھو جاتی ہے اور ایک گناہگار' گناہگار زندگی لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن جسے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا موقع مل جائے میں سمجھتا ہوں وہ بے حد خوش نصیب ہوتا ہے۔ تمہیں اس کا موقع ملا ہے' اس کا آغاز کر دو تمہارے وجود سے گناہ نکل جائے غلاظت نکل جائے' تو یوں سمجھو کہ بڑا اچھا ہو گا۔"

"اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"اس کی ایک ابتدا ہو گی اور ایک انتہا۔ ابتدا سے انتہا تک کا سفر انتہا مشکل اور دشوار گزار ہے کہ تم شاید ابھی اس کا تصور بھی نہ کر سکو۔ بولو یہ دشوار گزار سفر کرو گے؟"

"کیوں نہیں کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"بہت وقت ہے' ابھی چاند نکلنے میں پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ اپنے آپ کو اس مشکل سفر طے کے کرنے کے قابل پاتے ہو یا نہیں؟"

"محترم دیکھئے' میں زیادہ کچھ نہیں جانتا' میرے باپ کا نام اختیار احمد ہے' میں چاہتا تھا کہ

ایک بار اسے تلاش کروں اور اس سے پوچھوں کہ بول تو نے میری ماں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ بس یہ آرزو ہے میرے دل میں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ باقی میں نہیں جانتا کہ اس دنیا میں میری کیا ضرورت ہے' میرا کیا مقام ہے؟"

"یہ کوئی بھی نہیں جانتا..... ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے بہت اچھی باتیں کیں تھیں..... ان باتوں نے تمہارے لئے میرے دل میں مقام پیدا کیا' ورنہ کیا تم اس بات پر یقین کرو گے کہ شیطان نے جو غلاظتیں تم پر مسلط کر دی ہیں اس کی وجہ سے تم کسی پاک جگہ نہیں جا سکتے۔ میں نے اپنی یہ چھوٹی سی عبادت گاہ تمہارے لئے کشادہ کر دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی گفتگو سے مجھے قائل کر دیا ہے کہ بعض معاملات میں قصور تمہارا نہیں تھا۔ لیکن بیٹے اصل میں بات یہی ہوتی ہے کہ انسان کو سوچنا پڑتا ہے' غور کرنا پڑتا ہے' سیاہ و سفید' گناہ و ثواب' نیکی و بدی میں بہتری کی تلاش ہی انسانیت کا مقصد ہے اور انسانیت اسی بہتری کے مضبوط سہاروں سے زندہ رہتی ہے ورنہ جو کچھ تمہیں مل چکا ہے تمہیں خود بھی اندازہ ہے وہ کیا ہے۔" آپ جانتے ہیں آپ کو علم ہے کہ وہ نادانستگی میں ہوا تھا اگر میں دانستہ ایسا کرتا تو......"

"ہاں میں نے کہا نا یہی تمہاری وکالت ہے اور یہی الفاظ تمہارے وکیل ہیں۔ ابھی یہاں بیٹھ جاؤ' کچھ کھاؤ پیو' میں لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں اس وقت کوئی حاجت نہیں ہے۔"

"پورا دن گزر چکا ہے کچھ کھا لو..... میری خواہش ہے۔"

"جیسا آپ کا حکم۔" میں نے کہا اور میں اس جھیل کے کنارے بیٹھ گیا۔ جھیل کی شفاف تہہ میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آ رہی تھیں۔ بڑا خوبصورت منظر تھا۔ گو اندھیرے بھی تیزی سے پھیلتے چلے جا رہے تھے لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا جیسے جھیل کی تہہ میں ایک سفید سی روشنی پھیلی ہوئی ہو۔ مجھے وہ پراسرار روشنی یاد آ گئی جس کے سہارے چلتا ہوا میں یہاں تک آیا تھا اور پراسرار روشنی کے ساتھ افضال بھی یاد آ گیا..... آہ بے چارہ افضال..... نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔ بہرحال کوئی زندگی بھر کے لئے کسی کا ساتھی نہیں ہوتا...... افضال بہت اچھا انسان تھا' اس نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا تھا لیکن افسوس میری زندگی کے راستے ہی مختلف تھے۔ میں ان راستوں سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ اپنے ہاتھوں میں کھانے پینے کی اشیاء اٹھائے ہوئے میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے وہ چیزیں میرے سامنے رکھیں اور بولے:

"کھاؤ......" وہ خود مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا:

"آپ میرے میزبان ہیں اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ بھی اس میں سے کچھ لیجئے......"

"کھاؤ... میں شکم سیر ہوں...... میری فکر نہ کرو۔"

پھر جب میں کھانے سے فراغت حاصل کر چکا تو بزرگ مجھ سے کچھ فاصلے پر آ بیٹھے اور بولے:

"اصل میں تمہارا مؤقف بہت مضبوط ہے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس سے تمہارے بارے میں مشورہ کروں۔ میں نے کوشش کی ہے' دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ البتہ تمہیں ایک کام کرنا ہے...... پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ برائی کے اس دور سے نکل کر...... وہ کچھ جو تم پر مسلط ہو چکا ہے' اس سے چھٹکارا پانے کے لئے تم کچھ جدوجہد کرنے پر آمادہ ہو۔ انسان سے اپنی زندگی میں کوئی گناہ ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی وہ ساری عمر اس گناہ کے کفارے میں گزار دیتا ہے۔ بولو بیٹے...... جواب دو...... کیا تم اس کے لئے آمادہ ہو؟"

"ہاں...... میں آپ سے انتہائی معذرت کے ساتھ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں' اگر میں دنیا کے خلاف اپنے عمل کا آغاز کر دوں تو آپ یقین کیجئے کہ جن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو اپنی محبتوں سے محروم کیا اور ہمیں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا' میں انہیں ان کے پورے خاندان سمیت فنا کر سکتا ہوں۔ میں اپنے لئے ایک ایسا مقام حاصل کر سکتا ہوں جو دنیا کی نگاہ میں بہت بڑا ہو۔ یہ میں نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی یہ مجھے پسند ہے۔ ایسا میں کسی قیمت پر نہیں کروں گا۔ خدا کے لئے مجھے ان راستوں پر جانے پر مجبور نہ کیا جائے' میں نیکی کی راہ پر آنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو سب سے پہلے دل سے یہ خیال نکال دو کہ تم ان لوگوں کو فنا کر سکتے ہو جنہوں نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کیا ہے۔ یہ جملے ادا کرنے سے پہلے تم کیوں یہ بات بھول گئے کہ اگر تمہاری اس انتقامی کارروائی میں اللہ کی مرضی شامل نہ ہو تو تم یہ سب کیسے کر سکتے ہو......؟ کیا اللہ کی مرضی کے بغیر......؟ کیا تم اپنے آپ میں اس قدر قوت پاتے ہو......؟ مجھے صرف اس بات کا جواب دے دو۔" میں گردن خم کر کے سوچتا رہا اور پھر بولا:

"نہیں......"

"تو کبھی کوئی ایسی بات اپنی زبان سے ادا نہ کرو' جس میں تمہاری اپنی ذات جھلکتی ہو۔ ہمیشہ اس سب سے بڑی قوت کو یاد رکھو جو فیصلے کرتی ہے اور اسی کے فیصلے اول اور آخر ہوتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر اگر کوئی بات کی تو مشرک اور بے دین کہلاؤ گے...... میں تم سے یہ بات کہہ چکا ہوں بلکہ سوال کر رہا ہوں اور آخری بار کر رہا ہوں کیا تم اپنے بدن پر لپٹی ہوئی غلاظتوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو؟ جواب صرف ہاں یا نہیں میں دو۔"

"ہاں...... ہاں میں ایسا کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو اس کے لئے تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں اتنی طویل جدوجہد کرنا پڑے گی کہ شاید تم تھک جاؤ...... بولو کیا یہ جدوجہد کرو گے؟"

"ہاں...... میں کروں گا۔"

"اچھا میں اب چلا جاؤں گا اور تمہیں یہ کرنا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر بعد افق کی ان پہاڑیوں سے' جو اس وقت تمہیں ایک مدھم دھوئیں کی دیوار کی مانند نظر آ رہی ہیں' چاند سر ابھارے گا اور تمہیں یہ بات بڑی دلچسپ معلوم ہو گی کہ چاندنی کی پہلی کرن چاند کے کنارے سے جب نمودار ہو گی تو اس کا مرکز یہ جھیل ہو گی' جیسے ہی چاند کی پہلی کرن جھیل کی سطح کو چھوئے تمہیں اس جھیل میں چھلانگ لگا دینی ہے اور اس کے بعد پانی میں تمہیں غسل کرنا ہے' یہ بہت ضروری ہے۔ دیکھو دیر نہ ہو جائے' اپنے آپ کو مکمل طور پر تیار رکھنا' میں اس وقت تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا' جو کچھ کرو گے' جس طرح سے بھی ہو تمہیں خود ہی کرنا ہے۔"

"کیا......؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا اور بزرگ مسکرا دیئے۔

"افسوس میں اس کا جواب تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گا۔"

"میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔" بزرگ نے کہا اور کھانے کے برتن اٹھا کر چلے گئے۔ میں اپنے آپ کو ایک طلسمی دنیا میں محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا میں۔ لیکن بہرحال یہ سب کچھ میرے لئے بہت ضروری تھا' چنانچہ میں تیار ہو گیا۔ جھیل

کے بالکل کنارے ایک ایسے شخص کی مانند جو ہزار میٹر کی ریس میں حصہ لینے والا ہو اور پستول سے فائر ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ میں جھیل کے کنارے تیار بیٹھا ہوا تھا..... ایک ایک لمحہ گزر رہا تھا...... یہ پراسرار عمل' پراسرار فضا' پراسرار ماحول مجھے نہ جانے کیسی، کیسی، کیفیتوں کا احساس دلا رہا تھا میری نگاہیں افق کے اس دھوئیں پر جمی ہوئی تھیں اور پھر پہلی بار میں نے چاند نکلنے کا اتنا حسین منظر دیکھا۔ پہاڑیوں کا ایک کنارہ آہستہ آہستہ سونے کا ہوتا جا رہا تھا اور پھر سونے کے اس کنارے سے ایک سنہری کرن پھوٹی اور اس نے جھیل کی جانب رخ کیا۔ میں تیار ہو گیا اور جیسے ہی کرن نے جھیل کے پانی کو چھوا' میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور جھیل میں کود گیا...... کیا نفیس پانی تھا...... ایک ایسی خوشگوار ٹھنڈک جس کا آپ لوگ تصور بھی نہ کر پائیں...... نہانے کا لطف آ رہا تھا' میں جھیل میں نہانے لگا اور چاند آہستہ آہستہ بلند ہو گیا۔ میں نے جھیل میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھا۔ جیسے ہی میری نگاہ ان مچھلیوں پر پڑی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ مچھلیوں کا قد بڑھتا جا رہا تھا وہ لمبی ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر مجھے ان کے پھن نظر آنے لگے۔ یہ مچھلیاں نہیں سانپ تھے۔ کالے' پیلے' سرخ' سفید بے شمار رنگوں کے سانپ جو مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ ان سانپوں سے دہشت زدہ ہو کر میں چیختے ہوئے جھیل کے کنارے کی جانب لپکا لیکن اچانک ہی یہ سب مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے میرے ہاتھوں کو جکڑ لیا اور پھر میرے دونوں پاؤں اس طرح بندھ گئے جیسے مضبوط رسی سے باندھ دیا گیا ہو میرے حلق سے بے تحاشا چیخیں نکل رہی تھیں' میری پھٹی پھٹی آنکھیں ان سانپوں کا جائزہ لے رہی تھیں جو اب پوری جھیل میں کلبلاتے پھر رہے تھے۔ جھیل کے پانی کی کیفیت خوشگوار نہیں رہ گئی تھی بلکہ آہستہ آہستہ اس میں گرمی پیدا ہوتی جا رہی تھی اور سانپوں کے علاوہ بڑے بڑے بچھو اور نہ جانے کیسے کیسے خوفناک کیڑے...... یہ سب میری جانب لپک رہے تھے۔ سانپوں کی زبانیں لہرا رہی تھیں اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب چند لمحوں میں میرا خاتمہ ہونے والا ہے۔ میرا پورا وجود ان سانپوں کی گرفت میں تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر کے بعد میرے بدن کی ہڈیاں ان کی گرفت میں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ کھلی آنکھوں سے ہوش و حواس کے عالم میں' میں ان حشرات الارض کو اپنے پورے وجود سے لپٹے ہوئے محسوس کر رہا تھا اور میرے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ ابھی چند لمحوں کے بعد

وہ بزرگ اپنے جھونپڑی نما کمرے سے نمودار ہوں گے اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ سانپ اور بچھو میرے بدن سے لپٹے رہے۔ ان میں سے کسی نے مجھے کاٹا نہیں تھا وہ بس اپنی زبانیں لہرا کر مجھے خوفزدہ کر رہے تھے..... میں چیخ رہا تھا۔ یہاں تک کہ چیختے چیختے میری آواز بھی بند ہو گئی۔ میں وحشت سے نڈھال ہونے لگا...... خاصی دیر گزر گئی میری جسمانی قوتیں اب جواب دیتی جا رہی تھیں۔ میں اپنی مرضی سے اپنے بدن کو جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ میرے حواس کھو گئے اور میں بے ہوش ہو گیا۔ نہ جانے کتنا وقت اس بے ہوشی کے عالم میں گزرا تھا۔ جب ہوش آیا تو اسی پتھر کی جھونپڑی میں پڑا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے میں مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے اور میرے حلق سے دہشت بھری چیخ نکل گئی..... میں اٹھ کر بیٹھ گیا..... میں نے اپنے بدن کو دیکھا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرے بدن پر سرخ سرخ لکیریں بنی ہوئی ہیں۔ ایسی لکیریں جیسے کسی کو رسی سے کس کر باندھتے وقت بن جاتی ہیں۔ سانپوں کی گرفت نے مجھے نڈھال کر دیا تھا لیکن اب بہرحال میری حالت بہتر تھی جو کچھ میں نے دیکھا وہ خواب نہیں تھا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا وہی جھونپڑی تھی' وہی ماحول تھا لیکن بزرگ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ رفتہ رفتہ بزرگ کی باتیں مجھے یاد آنے لگیں اور میرے دل میں ایک عزم سا پیدا ہونے لگا:

"ٹھیک ہے جب میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا ہوں تو پھر میں ان گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا۔" میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بزرگ اندر داخل ہوئے ان کی نگاہوں میں آسودگی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ انہوں نے اندر داخل ہو کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا:

"شامی تم پہلے مرحلے میں کامیاب ہو گئے ہو اور تم نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کر دیا ہے کہ تم کفارے کی جانب قدم بڑھا سکو۔ بات وہی ہے۔"

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

سمجھ رہے ہو نا بیٹے..... اس وقت تم نے مجھے نہ تو برا بھلا کہا اور نہ ہی مدد کے لئے پکارا

حالانکہ کے تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو یقینی طور پر مجھے گالیاں دیتا۔ اصل میں چاند کی پہلی کرن یا چاند کی روشنی ایک پروجیکٹر تھی اس پروجیکٹر سے تمہیں ان غلاظتوں کو دکھایا گیا جو تمہارے وجود سے چمٹ گئی ہیں۔ اس چھوٹی سی غلطی نے تمہیں داغ دار کر دیا ہے۔ اب تمہیں اپنے بدن سے لپٹے ہوئے ان سانپ بچھوؤں کو الگ کر کے پھینکنا ہے۔ دیکھو ایک بار میں پھر تم سے کہہ دوں کہ امتحان کڑا ہوگا اور جب امتحان میں تمہیں ناکامی ہوئی تو یہ سمجھ لینا کہ پھر دنیا کی کوئی قوت تمہیں سنبھال نہیں سکے گی۔"

"ایک شرط ہے۔" میں نے کہا اور بزرگ ہنسنے لگے' پھر بولے۔

"خیر تم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ برے نہیں۔ یہ ایک بچے کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں..... مجھے تمہاری شرط منظور ہے..... بولو کیا؟"

"آپ میری مدد کریں گے..... میری رہنمائی کریں گے..... آپ مجھے سہارا دیں گے۔ جہاں میں بھٹکنے لگوں وہاں مجھے آپ اشارہ دیں گے کہ میں بھٹک رہا ہوں۔ ورنہ میں تنہا کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔" بزرگ چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے:

"ٹھیک ہے..... لیکن صرف اس وقت جب تم اپنی جدوجہد میں ناکام ہو جاؤ اور جب شیطان اپنی شیطانیت کی انتہا کر دے۔ بار بار مجھے نہ پکارنا کیونکہ میں خود حقیر سی شے ہوں۔"

"کیا وہ جھیل.....؟"

"نہیں وہ اتنی ہی شفاف ہے' اتنی ہی پاک ہے' جتنی تم نے پہلے دیکھی تھی۔ اس جھیل میں تم نے جو کچھ دیکھا سمجھو وہ ان ناپاک روحوں کا عکس تھا' جو تمہارے جسم سے لپٹ گئی ہیں۔"

"اور یہ میرے بدن کے نشانات..... اور وہ تکلیف جو مجھے ہوئی ہے؟"

"نہ تو یہ نشان تمہارے بدن پر ہیں اور نہ ہی تمہیں کوئی تکلیف ہوئی ہے۔ اصل میں جس تکلیف کا تم احساس کر رہے ہو وہ تمہاری روح کی تکلیف ہے۔ ہاں وہ روح تمہارے وجود میں تڑپ رہی ہے۔ اتنی ہی تکلیف کا شکار ہے وہ۔" بزرگ نے کہا اور میرے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پھر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے کہا:

"آپ جانتے ہیں وہ ایک غلطی تھی چھوٹی سی غلطی ایک بھٹکے ہوئے انسان کے ذہن کی غلطی..... میں..... میں جان بوجھ کر....."

"میں جانتا ہوں' میں جانتا ہوں اگر نہ جانتا ہوتا تو اتنے خلوص سے تمہاری مدد نہ کرتا۔"

"تو اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"کچھ نہیں ابھی یہاں آرام سے رہو' ابھی تو بہت وقت گزارنا ہے تمہیں' اس کے بعد دیکھیں گے کیا صورت حال ہوتی ہے..... کیا فیصلے ہوتے ہیں تمہارے لئے۔ بس ذرا احتیاط رکھنا..... سمجھ رہے ہو نا احتیاط رکھنا۔"

اور اس کے بعد میں نے سوال کیا:

"بس وقت گزاروں؟"

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بستی ہے اس بستی سے کبھی کبھی یہاں کچھ لوگ آجایا کرتے ہیں' ملتے جلتے رہتے ہیں۔ ان کے ملنے پر حیرت کا اظہار نہ کرنا اور میرا خیال ہے وہ بھی تمہیں یہاں دیکھ کر حیران نہیں ہوں گے۔"

"مگر ان میں سے کوئی مجھے نہیں جانتا۔"

"جانتے ہیں..... اور اگر نہیں جانتے تو جان جائیں گے۔ تم احتشام یا شامی ہو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جیسے کوئی شناسا قریب آتا ہے اور تم سے باتیں کرتا ہے' اپنے بارے میں کہتا ہے اور دیکھو کسی بات پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا۔ ہاں اگر وہ تم سے میرے بارے میں کچھ کہیں تو تم کو اختیار حاصل ہے کہ جو کچھ تم چاہو کہو وہ سب تمہارے ذہن میں ہوگا جو کچھ تمہیں کہنا ہے۔" میں حیرانی سے بزرگ کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے تعجب تھا آخر وہ کونسی بستی ہوگی' جس کے لوگ مجھ سے شناسا ہوں گے میں تو دور دور تک نہ تو کسی بستی کا وجود پا رہا ہوں اور نہ ہی یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرا کوئی شناسا مجھے یہاں مل سکتا ہے۔ میں پورے سکون سے یہ لمحات گزارنا چاہتا تھا یہ سوچے بغیر کہ کیا ہو رہا ہے یا کیا ہوگا۔ جب انسان اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کر لیتا ہے اور اپنی قوت مدافعت سے کام لے کر ان تمام حقیقتوں کو قبول کر لیتا ہے تو واقعی اس کی جسمانی اور ذہنی قوتیں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

وہ پہلی شام جو میں نے باقاعدہ اس پہاڑی پر گزاری میری زندگی کی ناقابل فراموش شام تھی۔ میں ان بزرگ کے احکامات کی پابندی کر رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ شام کے چار بجے کے بعد یہاں لوگ آنا شروع ہو گئے اور بزرگ ایک جگہ بیٹھ گئے تھے۔ ان بزرگ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ اس لئے میں انہیں بزرگ کہہ کر ہی مخاطب کروں گا۔ بہرحال میں

نے دیکھا کہ آنے والے ان کے عقیدت مند تھے اور وہ ان بزرگ سے اپنی اپنی تمناؤں کا اظہار کر رہے تھے۔ مغرب کا وقت ہوا تو بزرگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور ان کے عقیدت مند ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ روشنیاں سورج کے ساتھ گم ہو گئیں تو میں نے دیکھا کہ سیاہی اور خاموشی کی پراسرار چادر چاروں طرف پھیل گئی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں میں ایک پراسرار زندگی گزار رہا ہوں۔ مجھے بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زمانے بھر کی مشکلات نے یہاں میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ یہ دنیا ایک الگ ہی دنیا ہے اور میں یہاں ایک پرسکون انسان کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر انسان کے دل کو سکون کے لمحات میسر ہو جائیں تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے اندر روشنی اب بڑھتی جا رہی ہے۔ بہرحال وقت گزرنے لگا۔ بزرگ کے حکم پر میں نے اپنے لئے وہ پھل اٹھا لئے تھے۔ یہاں صرف پھل ہی کھائے جاتے تھے۔ بزرگ نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہ پھل یہاں پہنچتے رہیں گے۔ جانوروں یا پرندوں کے گوشت کے لئے بزرگ نے منع کرتے ہوئے کہا تھا:

”ہرچند کہ یہ سب کچھ حلال ہے اور ہمارے لئے حکم ہے کہ ان سے استفادہ کریں لیکن اس کے باوجود میں تم سے یہ کہوں گا کہ جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں۔ گوشت کھانے کی کوشش نہ کرنا اور ہاں کھانے پینے کے بعد یہاں خوب چہل قدمی کیا کرو۔ دور دور تک نکل جایا کرو تم پر بہت سی حقیقتیں روشن ہوں گی اور بہتر ہو گا کہ ہر لمحے مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔“ میں اب بزرگ کی ہر بات ماننے پر آمادہ ہو گیا تھا اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا کہ ان کی باتوں پر سوچے بغیر عمل کروں گا۔ بہرحال اب یہ سب کچھ مجھے کرنا تھا چنانچہ جب اندھیرا پھیل گیا تو میں وہاں سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا گھاس کے میدان اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے انسانی ہاتھوں نے اس کی تزئین کی ہو۔ جنگل، درخت سب کچھ یہاں موجود تھا۔ میں درختوں کی سمت اختیار کر کے چلنے لگا اور کافی دور تک نکلتا چلا گیا۔ کافی فاصلہ طے کر چکا تھا کہ اچانک ہی مجھے اپنے قریب قدموں کی کچھ آوازیں سنائی دیں اور میں نے چونک کر پلٹ کر دیکھا، سفید لباس میں ملبوس کچھ انوکھی سی شخصیتوں کے مالک تھے۔ تعداد چار تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا:

”کیا خیال ہے جنگل کے درختوں کے درمیان ہی زندگی گزارو گے یا کچھ اور بھی دیکھنا

چاہتے ہو۔“ میں نے کہا:

”میں نے اجازت نہیں لی ہے۔“

”ان کی طرف سے تمہیں اجازت ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”تو ٹھیک ہے اگر اجازت ہے تو میں چلتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ان لوگوں کے ساتھ چل رہا تھا۔ راستے کون سے تھے، یہ میں نہیں جانتا، فاصلہ کتنا طے کیا یہ بھی میں نہیں جانتا، لیکن جس جگہ میں جا کر رکا وہاں ایک خانقاہ بنی ہوئی تھی اور نہ جانے کیوں میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ جیسے یہ خانقاہ میری دیکھی ہوئی ہے پھر میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میں ششدر رہ گیا یہ تو وہی جگہ تھی آہ وہی پہاڑیاں تھیں، جہاں میں اجازت کے بغیر گیا تھا اور وہاں سے گر پڑا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ مجھے پیش آیا تھا اس کا ایک ایک لمحہ مجھے یاد تھا..... آہ ایک بار پھر..... ایک بار پھر مجھے غلط سمت میں لے جایا جا رہا ہے۔ میں نہیں جاؤں گا..... نہیں جاؤں گا میں..... وہ کروں گا میں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ میں نے مضبوطی سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور ایک دم سے اپنا رخ تبدیل کر دیا اچانک ہی مجھے محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ ایک تصور تھا..... ایک خواب تھا۔ حالانکہ میں نے ان چاروں کے ساتھ اچھا خاصا فاصلہ طے کیا تھا لیکن اب جو آنکھیں کھول کر دیکھا تو اپنے آپ کو ان درختوں کے درمیان پایا جہاں سے میں نے اس سفر کا آغاز کیا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک عجیب سی ہل چل تھی۔ بس میں اپنی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا کبھی تو دل چاہتا کہ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی اچھا مقام پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ جس طرح لوگ اپنی زندگی پرسکون انداز میں گزارتے ہیں اسی طرح میں بھی دنیا سے لطف اٹھاؤں لیکن پھر ماضی یاد آ جاتا اور میرے دل و دماغ میں جوار بھاٹا پیدا ہونے لگتا۔ دل چاہتا کہ ایک تیز دھار آلہ لے کر انسانوں کے ہجوم میں گھس پڑوں اور قتل عام شروع کر دوں۔ جتنے لوگوں کو مار سکتا ہوں ماروں اور اس کے بعد لوگ مجھے مار ڈالیں۔ یہ ایک اذیت پسندانہ تصور تھا جو اکثر دل و دماغ میں اٹھتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی پرسکون بھی ہو جاتا تھا۔ اب تک نہ جانے کیسی، آنکھ مچولی میری ساتھ کھیلی جاتی رہی تھی لیکن اب میں چاہتا تھا کہ کوئی ٹھوس قدم اٹھاؤں۔ اچانک میرے ذہن میں ایک تصور جاگا اور میں اس تصور کے ہاتھوں مغلوب ہو گیا۔

ایک ایسی جگہ مجھے نظر آئی جہاں میں آرام کی نیند سو سکتا تھا میں وہاں زمین پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں اس وقت جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی وہ میرے لئے ناقابل فہم تھی میں یہ

بات بالکل نہیں کہہ سکتا کہ میں سو رہا تھا' میری آنکھیں بے شک بند تھیں اور لیکن مکمل طور پر جاگ رہے تھے اور میں سوچ سکتا تھا..... غور کر سکتا تھا..... محسوس کر سکتا تھا..... جب مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی تو انسانی فطرت کے عین مطابق میں نے آنکھیں کھول کر آنے والے کو دیکھنا چاہا' لیکن یہ کیا..... کھولنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پلکیں آپس میں چپک گئی ہوں کوشش کے باوجود میں آنکھیں نہیں کھول سکا۔ میں گھبرا کر اٹھ گیا' تب بھی مجھے ایک آواز سنائی دی:

"کچھ نہیں ہوا..... نہیں تمہاری آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں لیکن اس وقت تمہارا آنکھیں کھولنا مناسب نہیں ہے۔ ہم دنیا سے پردہ کر چکے ہیں۔ تمہارے مجبور کرنے پر ہم تمہارے پاس کچھ گفتگو کرنے آئے ہیں۔ اپنے دماغ کو پرسکون رکھو' آنکھیں کھولنے کی کوشش ترک کر دو اور ہمیں اپنی مشکل کے بارے میں بتاؤ۔"

"آپ کون ہیں میں نے سوال کیا؟"

"بس اللہ کا ایک گناہ گار بندہ۔"

"میں آپ کی آواز نہیں پہچان رہا۔"

"پہچان بھی نہیں سکتے..... برا مت مانتا اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ ہم اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں بلکہ اس وقت یہی مناسب یہی' ضروری ہے اگر تمہیں ہمارے اس عمل سے ذہنی تکلیف ہو رہی ہے تو ہم تم سے معافی چاہتے ہیں۔ ہمیں معاف کر دینا۔" میں حیرت میں گم رہ گیا تھا لیکن پھر میں نے اپنی وحشتوں کو سنبھالا اور کہا:

"ٹھیک ہے' میں تو زندگی بھر ہی ایسے حالات کا شکار رہا ہوں۔ تقدیر مجھ سے کھیلتی رہی ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں ٹھیک ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ مجھے جانتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"میرے ماضی کے بارے میں جانتے ہیں؟"

"تم سے سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کیا فائدہ ہو گا؟"

"فائدہ نقصان چھوڑو۔"

میں نے کہا: "کیوں چھوڑوں فائدہ نقصان۔ اس دنیا میں رہنے والا ایک انسان ہوں۔ دنیا مجھ سے لڑ رہی ہے تو آپ کا کیا خیال ہے میں فرشتہ بن جاؤں..... میں نہ لڑوں اس دنیا سے؟"

جواب میں کچھ وقت کے لئے خاموشی طاری رہی پھر ان بزرگ نے کہا:

"مگر دنیا تم سے اگر لڑ رہی ہے تو اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی۔"

"آپ یہ وجہ نہیں جانتے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کیا تم میرے سامنے اپنے آپ کو دہرانا پسند کرو گے۔"

"سنیں ایک شریف انسان کی مانند زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ ماں کے احکامات کی پابندی کر کے زندگی کا ایک دور بڑی شرافت اور بڑی خوشی کے ساتھ گزارا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ماں کس طرح اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے زندگی کھو دی اور میں اس دنیا میں تنہا رہ گیا۔ پھر ماں کی ڈائری سے مجھے اپنی حقیقت معلوم ہوئی۔ آپ بتائیں یہ سب کیا تھا' کیا میں نے یہ آرزو کی تھی کہ میں اس دنیا میں پیدا ہو جاؤں......؟ کیا میں نے یہ چاہا تھا کہ میری نمود ہو...... اگر میں نے یہ نہیں چاہا تھا اور اس دنیا میں آ گیا تھا تو کیا یہ ضروری تھا کہ میرے ساتھ یہی سب کچھ ہو۔ مجھے کیوں بتایا گیا کہ میں ایک ایسے باپ کی اولاد ہوں جس نے میری ماں کو چھوڑ دیا۔ مجھے کیوں پتا چلا کہ میں طوائف کا بیٹا ہوں...... ماں کی ڈائری میں لکھا تھا کہ میرے باپ نے میری ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس کے بعد مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ آپ مجھے بتائیے میرا کیا قصور تھا اس میں..... میں اس باپ سے انتقام لینا چاہتا تھا..... یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ جب اس نے میری ماں سے نکاح کر لیا تھا تو پھر مجھے دنیا میں تن تنہا کیوں چھوڑ دیا گیا۔ محترم بزرگ ایک ایسے انسان نے میرے دماغ میں جلتی ہوئی آگ کو بجھایا جو بہت نیک نفس اور شریف انسان تھا۔ اس نیک آدمی نے نوکری دلائی مجھے..... میں نے عزت کے ساتھ نوکری کی..... لیکن وہاں بھی میرے ساتھ ظلم ہوا اور مجھے جیل بھجوا دیا گیا..... مجھے بتائیے آپ میری آنکھیں تو بند کر سکتے ہیں' دنیا کی آنکھیں کیوں نہیں کھولتے۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں بے گناہ انسان ہوں اور اس کے بعد..... جو کچھ میرے ساتھ ہوا اگر آپ نہیں جانتے تو میں بھی دہرانا نہیں چاہتا..... ارے سب ہی میرے دشمن ہو گئے ہیں۔ سنیں ایک بات بتاؤں آپ کو..... اب میں برائی کے راستے پر قدم رکھنے جا رہا ہوں...... کیونکہ نیکی کی راہ پر چلنا اپنی قسمت میں ہے ہی نہیں..... اور ویسے بھی جب اس دنیا سے چلے ہی جانا ہے تو کیوں نہ کچھ دن اپنی خوشی سے گزاروں..... مجھے بتائیے میں کیوں نہ ایسا کروں؟"

"اس لئے کہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی کے لئے دنیا میں اپنے آپ کو بہتر ثابت کرنا ہوتا ہے۔"

"کیا اس کمزور مخلوق کو یہ قوت حاصل ہے...... کیا ساری مخلوق اس طرح کے امتحانات سے گزرتی ہے؟"

"جسے کسی امتحان سے گزرنا پڑے تو سمجھ لو کہ اس پر خالق کائنات کی نظر عنایت ہے۔"

"تو پھر مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

"دنیا دیکھو...... دنیا میں جاؤ...... جتنے غلط لوگ ملیں' انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو بالکل بھول جاؤ۔ انتظار کرو اس بات کا کہ تمہاری رہنمائی ہو۔ مقابلہ کرو ان سے جو انسانوں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس طرح اپنی قوت کو آزماؤ لیکن وحشت کے عالم میں نہیں بلکہ ہوش و حواس سے کام لے کر۔"

سنو یہاں سے اٹھو گے تو سیدھے چلے جانا پیدل تمہیں تقریباً دس سے پندرہ میل تک کا فاصلہ طے کرنا پڑے گا اس کے بعد تمہیں جس طرح کے حالات پیش آئیں خود فیصلہ کرنا کہ کیا کرنا چاہیے' ایک بات اور...... اگر برائی کے خلاف کبھی سخت قدم اٹھانا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا' پھر میں نے گردن اٹھا کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں ناکام نہیں رہا۔ میری آنکھیں ایک دم کھل گئی تھیں۔ حیرت کا ایک لمحہ مجھ پر طاری ہوا اور اس کے بعد ختم ہو گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ مجھے ہدایات دینے والے بزرگ اب جا چکے ہیں۔ میں اب ان ہدایات پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا...... دل نے کہا کہ ٹھیک ہے کوشش کرو' جو کہا گیا ہے وہ بھی کر کے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے منزل کے کچھ نشان نظر آ جائیں۔ چنانچہ کچھ دیر بعد میں آگے بڑھ گیا۔

جس طرح سے بزرگ نے کہا تھا میں نے اس پر عمل کیا اور چلتا چلا گیا۔ بارہ میل کا فاصلہ طے کر لیا لیکن کوئی منزل نظر نہ آئی۔ وہاں ایک کچی پگڈنڈی ایک جانب جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ شاید میں سمتوں کا صحیح تعین نہیں کر سکا ہوں اور میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔ میں نے پگڈنڈی پر دیکھا تو مجھے اس پر گاڑی کے ٹائروں کے نشانات نظر آئے اور میں انہیں نشانات کے سہارے چل پڑا یہ نشانات کہیں نہ کہیں تو جاتے ہوں گے۔

* * *

باب نمبر 17

تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ عقب سے کسی گاڑی کے انجن کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی..... میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا..... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون ہو سکتا ہے' پیچھے پگڈنڈی پر ایک جیپ چلی آ رہی تھی۔ میں رک گیا اور جیپ کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جیپ میرے قریب آ کر رک گئی۔ جیپ میں ایک عمر رسیدہ مگر پر وقار شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک حسین اور نوجوان لڑکی' ایک عمر رسیدہ خاتون اور دو نو عمر لڑکے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکوں کی عمریں گیارہ اور پندرہ سال کے قریب ہوں گی۔ جیپ میرے قریب آ کر رک گئی اور عمر رسیدہ شخص نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ارے ڈاکٹر صاحب' آپ اتنی دور کیسے نکل آئے۔ کیا صرف چہل قدمی کرتے ہوئے؟" میں نے اجنبی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور تعجب سے کہا:

"محترم آپ کون ہیں..... میں ڈاکٹر نہیں..... آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔" جواب میں جیپ میں جتنے افراد بیٹھے ہوئے تھے ہنس پڑے۔

"آپ بھلا مذاق کہاں چھوڑنے والے ہیں..... آیئے تشریف رکھیے..... سارا حلیہ بھی بدل کر رہ گیا ہے' ذرا اپنا لباس دیکھیے۔"

"جناب آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔" میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"چلئے آپ ڈاکٹر نہیں ہیں تو وزیر اعظم ہوں گے لیکن اب جیپ میں آ جایئے شرافت کے ساتھ۔"

میں نے کہا: "دیکھیے میں بیٹھ جاؤں گا آپ کی گاڑی میں لیکن منزل پر پہنچ کر آپ کو اگر یہ

احساس ہو کہ آپ نے غلطی کی ہے تو اس کا ذمہ دار مجھے قرار نہ دیجئے گا میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔"

"بہتر ہے آپ کا کوئی قصور نہیں ہو گا۔ ہم مان لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کے بعد میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا جب کہ باقی افراد پیچھے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جیپ آگے بڑھ گئی تو ان صاحب نے کہا:

"اب یہ بتائیے کہ مذاق جاری رہے گا کہ آپ سنجیدہ بھی ہوں گے۔"

"جیسا آپ کا حکم ہو...... ویسے مذاق کم از کم بستی تک جاری رہے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ اس کے بعد جب آپ کو حقیقت کا علم ہو تو آپ اپنے آپ پر خود ہنسیں۔"

"ڈاکٹر شامی آپ کا مذاق تو پوری بستی میں مشہور ہے۔"

یہ کیا بات ہوئی۔ ڈاکٹر شامی کب سے ہو گیا میں...... شامی تو میں تھا۔

میں نے کہا: "اچھا یہ بتائیے میرا نام کیا ہے؟"

"احتشام احمد عرف شامی۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں' ایک لمحے کے لئے نہ جانے ذہن میں کیسے کیسے احساسات آئے لیکن بات ایسی تھی کہ مجھے سچ بولنا ہی تھا۔ میں نے کہا:

"اور آپ کا نام کیا ہے۔"

"خادم کو حامد حسین کہتے ہیں اور ہم آپ کے زیر علاج ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے حامد صاحب آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میں ڈاکٹر شامی نہیں ہوں اور آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"یار خدا کی قسم ایک بات دل سے مانتا ہوں کہ مذاق اس سنجیدگی سے کرتے ہو کہ دنیا کے بڑے سے بڑے ذہین آدمی کو شکست دے سکتے ہو۔ چلو بستی تک تو چلو اس کے بعد ڈسپنسری والے خود بتا دیں گے کہ تم ڈاکٹر ہو کہ نہیں۔"

"جوتے تو نہیں پڑوائیں گے آپ میرے سر پر؟"

"مجال ہے کسی کی جو میرے دوست کو انگلی بھی لگائے۔" میں خاموش ہو گیا۔ باقی افراد ابھی تک خاموش تھے لیکن ایک بچے نے کہا:

"ڈاکٹر انکل وہ آپ اپنی چڑیا کو جو تربیت دے رہے تھے اس کا کیا ہوا؟" میں نے چونک کر

اس بچے کو دیکھا' پھر ہنس کر بولا:

"بیٹے چڑیا تو ابھی چوہے دان سے باہر نکلے گی۔ بس پھر یہ نہ کہنا کہ ڈاکٹر انکل آپ نے ہم سے بھی جھوٹ بولا۔" جواب میں سب ہنس پڑے تھے میں نے سوچا کہ ان بے چاروں کو کوئی بڑی ہی غلط فہمی ہوئی ہے لیکن بہرحال اب میرا قصور نہیں رہا تھا۔ اپنی غلط فہمی سے وہ خود ہی نبٹیں گے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے ایک آبادی کے آثار نظر آئے اور تھوڑی دیر کے بعد جیپ اس آبادی میں داخل ہو گئی۔ خوبصورت علاقہ تھا معلوم نہیں کیا نام تھا اس علاقے کا اگر حامد حسین صاحب سے پوچھنے کی کوشش کرتا تو بات پھر مذاق کی شکل اختیار کر جاتی چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی حامد حسین صاحب بولے:

"کیا خیال ہے آپ کو ڈسپنسری پر اتار دوں یا کچھ چائے وغیرہ ہو جائے ہمارے ساتھ؟"

"آپ ایسا کیجئے پہلے مجھے ڈسپنسری پر اتار دیجئے اور جب ڈسپنسری سے باہر نکال دیا جاؤں تو پھر اپنے گھر لے جایئے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد ایک سرکاری ڈسپنسری پر پہنچ کر حامد حسین صاحب بولے:

"جی تو پھر آپ ایسا کیجئے کہ ہمیں اپنے ساتھ چائے پلا دیجئے' کیا خیال ہے ممکن ہے؟"

"تشریف لایئے' تشریف لایئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے لئے سب کچھ اجنبی تھا مگر حامد حسین صاحب اس اجنبیت کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ البتہ اس وقت مجھے حیرت ہوئی جب ڈاکٹر کے لباس میں ملبوس ایک نوجوان آدمی مجھے دیکھ کر میرے قریب آ گیا اور احترام سے سلام کرتے ہوئے بولا:

"سر آپ جلدی واپس آ گئے۔"

میں نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا اور کہا:

"تم بھی کھسک لئے بھائی۔"

"جی سر......؟" اس نے حیرت سے مجھے اور پھر حامد حسین کو دیکھا تو حامد حسین نے کہا:

"چلو انور ڈاکٹر صاحب اس وقت شدید موڈ میں ہیں۔" وہ نوجوان جو اپنے حلیے سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا اور اب جس کا نام مجھے انور معلوم ہوا تھا مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ڈسپنسری میں ہی غالباً ڈاکٹر شامی کی رہائش گاہ تھی۔ بڑا خوبصورت مکان تھا۔ مجھے اس بات پر اطمینان حاصل

ہوا کہ اس رہائش گاہ میں دو ملازموں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں اندر داخل ہوا اور انور سے کہا:

"ڈاکٹر انور بے چارے حامد حسین صاحب شدید غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں‘ تم ہی انہیں سمجھادو۔"

"سر آپ حکم دیجئے کیا سمجھاؤں میں انہیں؟"

"میرا خیال ہے تم خود بھی کسی مشکل میں مبتلا ہو گئے ہو..... اچھا چائے وغیرہ کا کچھ بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"جی سر میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں۔" حامد حسین اور ان کی فیملی نے ہمارے ساتھ چائے پی پھر بولے:

"اچھا ڈاکٹر صاحب چائے کا بہت بہت شکریہ اور اپنی اس اداکاری پر مبارک باد بھی قبول کیجئے؟"

حامد حسین صاحب چلے گئے میں نے گھر کے دونوں ملازموں کو بلا کر پوچھا:

"تمہارے نام کیا ہیں؟"

"جی....." دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ایک عمر رسیدہ ملازمہ تھی جبکہ ایک لڑکا ملازم تھا‘ اس کی عمر کوئی بیس بائیس برس رہی ہوگی۔ عورت نے کہا:

"بیٹا ہمارے نام نہیں معلوم تمہیں؟"

"بتانا پسند کریں گی آپ؟"

"میرا نام رحیمہ ہے اور یہ نواز ہے۔"

"میں ڈاکٹر شاہی ہوں نا؟"

"تو اور کون ہو بیٹا۔"

"کب گیا تھا یہاں سے میں؟"

"تھوڑی دیر پہلے ہی تو نکلے تھے۔"

"جی اچھا آپ لوگ آرام کریں‘ پتا ہے کیا ہوا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں کیا ہو گیا؟" رحیمہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"میری یادداشت کھو گئی ہے۔"

"کیا.....؟"

"میری یادداشت کھو گئی ہے۔"

"بیٹا کہاں کھو گئی‘ تم نے تلاش نہیں کی۔" رحیمہ معصومیت سے بولی۔ لڑکا بھی پریشان نظر آ رہا تھا‘ پھر وہ بولا:

"بہت قیمتی تو نہیں تھی صاحب؟" مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا:

"نہیں معمولی سی چیز تھی‘ تم جاؤ آرام کرو۔" اس کے بعد ڈاکٹر انور کو طلب کر لیا۔

"ہاں ڈاکٹر کیا صورت حال ہے؟"

"سر کوئی نہیں ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ریاض پور میں آج کل کوئی وبا نہیں پھیلی ہوئی ہے ہاں بس وہ بیماریاں اپنی جگہ ہیں جو یہاں کے ہندوؤں کو لاحق ہیں۔"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس صاحب وہ ریاض پور کا نام رام نگر رکھنے پر تلے ہوئے ہیں اور ساری حرکتیں اسی کمینے پجاری کی ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں تعصب پھیلا رہا ہے۔" انور نے جواب دیا۔

میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا تھا کہ اس گڑبڑ کا کوئی خاص ہی مقصد ہے جو معلومات میرے علم میں آئی ہیں وہ بے مقصد نہیں ہیں‘ کوئی گہرائی ہے ان میں۔ ذرا ان گہرائیوں کو دیکھنا ہو گا۔ میں ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا میں نے انور سے کہا:

"ڈاکٹر انور میری طبیعت کچھ خراب ہے..... دوا تو میں لے لوں گا..... مگر آپ ذرا محتاط رہیں۔"

"جی سر آپ اطمینان رکھئے۔"

ڈاکٹر انور میرا اسسٹنٹ تھا۔ مجھے ڈسپنسری کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ اس جگہ کا نام ریاض پور تھا اور یہ سرکاری ڈسپنسری تھی جس کا بڑا ڈاکٹر میں تھا یعنی ڈاکٹر احتشام عرف شاہی۔ ڈاکٹر انور میرا اسسٹنٹ تھا۔ دو نرسیں تھیں‘ ہم یہیں رہتے تھے۔ میرے ساتھ میرے دو ملازموں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر احتشام کہاں چلا گیا؟ مطلب یہ کہ ساری صورت حال بڑی سنسنی خیز تھی۔ ویسے اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس طرح ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر شاہی واپس آ جائے۔ حامد حسین صاحب بھی گواہی دیں گے کہ میں نے کسی کو فریب دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک مشکل تھی میرے لئے وہ یہ کہ

واقعی اگر کوئی مریض آگیا تو اس کا میں کیا کروں گا۔ دوسری بات جو مجھے یہاں بتائی گئی تھی اس سے مجھے احساس ہوتا تھا کہ مجھے جو ہدایات کی گئی تھیں ہو سکتا ہے یہ تمام مراحل انہیں ہدایات کا نتیجہ ہوں۔ ایک ہندو پجاری کی بات میرے کانوں تک پہنچی تھی' میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ہندو پجاری کیا چیز ہے لیکن اب ذرا سا انتظار کر لینا مناسب تھا اور اس انتظار کے لئے میں نے باقی تمام معاملات ترک کر دیئے تھے۔ یہاں مجھے تین دن گزر گئے' ان تین دنوں میں رحیمہ اور نواز سے میں نے بے شمار معلومات حاصل کر لیں۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے بڑی دلچسپی کا احساس ہوا تھا۔ میرے علم میں جو بات آئی تھی وہ یہ تھی کہ ریاض پور ایک قدیم آبادی تھی اور کسی زمانے میں اسے ایک نواب ریاض امیر خاں نے آباد کیا تھا۔ انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں انہیں یہ زمین حاصل ہوئی تھی۔ نواب صاحب ذرا مختلف قسم کے انسان تھے' انہوں نے فائدہ یہ اٹھایا کہ یہاں اپنے نام سے ایک چھوٹی سی بستی آباد کر ڈالی اور لوگوں کو بلامعاوضہ یہاں زمینیں عطا کیں۔ ہندو اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں رکھی گئی تھی۔ چنانچہ یہاں ہندو بھی آباد ہوئے اور مسلمان بھی۔ ہندوؤں نے مندر بنائے اور مسلمانوں نے مسجدیں اور دونوں مذاہب کے لوگ اپنی زندگی گزارنے لگے۔ نواب ریاض کا انتقال ہو گیا۔ ان کی نسلیں مختلف کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ ریاض پور کی آبادی پھیلتی چلی گئی۔ زمینیں نواب صاحب ہی کی تھیں انہوں نے سب کو اختیار دے دیا تھا کہ جتنی زمین ان کے اپنے حصے میں ہے اسے جس طرح چاہے استعمال کریں۔ تھوڑے فاصلے پر جمنا گزرتی تھی چنانچہ ہندوؤں نے اپنے عقیدے کے مطابق مندر جمنا کے کنارے ہی بنائے تھے جبکہ مسلمانوں نے اپنی آبادیاں الگ تھلگ ہی رکھی تھیں۔ اس چھوٹی سی بستی کے لئے ایک سرکاری ڈسپنسری تھی' اس ڈسپنسری کے ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر شامی تھا۔

یہ کہانی میرے علم میں آئی تھی لیکن چونکہ مجھے ذرا سی الگ حیثیت دے دی گئی تھی' اس لئے مزید معلومات حاصل ہونا ضروری تھا۔ مجھے ایک مندر کے پجاری جگ ناتھ عرف ناتھن کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بڑی خوفناک چیز ہے' اس کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ ایک خاص مندر تھا جو ناتھن مندر کہلاتا تھا اور ناتھن مندر کا پجاری جگ ناتھ ناتھن تھا۔ اس کے بارے میں بڑی عجیب و غریب داستانیں مشہور تھیں۔ عام ہندو بھی اس مندر میں پوجا پاٹ کرنے نہیں جاتے تھے کیونکہ وہ بھی جگ ناتھ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جگ ناتھ

اصل پجاری نہیں بلکہ کالا جادوگر ہے جو پجاری بن کے بیٹھا ہوا ہے وہ اپنے کاموں میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا اور اگر کوئی اس کے کاموں میں مداخلت کرنے کی کوشش کرے تو کچھ ہی دنوں کے بعد اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے جگ ناتھن کے اشارے پر کچھ کرنے سے انکار کر دیا تو وہ پاگل ہو گئے۔ بہرحال میں یہ ساری باتیں سنتا رہا اور ان تمام باتوں میں ایک بات جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ بڑی انوکھی بات تھی۔ ہمارے ہاں ڈسپنسری میں ایک ہندو بوڑھا اکثر آتا رہتا تھا۔ میری خوش قسمتی یہ تھی کہ ڈاکٹر انور یہاں کے معاملات سنبھالتا رہتا تھا' کبھی کسی اہم مسئلے پر اس نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے اسے یہی جواب دیا کہ وہ خود ہی دیکھ لے۔ بہرحال سرکاری ڈسپنسریوں میں جو ہوتا ہے وہ سب ہی کو معلوم ہے چنانچہ کوئی پریشانی نہیں ہوئی' سوائے اس کے کہ میں ڈاکٹر شامی کے بارے میں اکثر سوچتا رہتا تھا کہ اگر وہ غائب ہوا ہے تو کہاں غائب ہو گیا۔ میں اس ہندو کا تذکرہ کر رہا تھا جو اکثر ڈسپنسری آتا رہتا تھا۔ اس کا نام ہری رام تھا۔ ہری رام اس شام بھی آیا تھا۔ اس نے آ کر کہا:

"ڈاکٹر صاحب میری طبیعت تو اب بالکل ٹھیک ہو گئی ہے' دوا لوں یا نہ لوں۔" ڈاکٹر انور اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ ایک نرس فوزیہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھی۔ "جب تمہیں کوئی بیماری نہیں ہے تو دوا کھانے کا شوق کیوں رکھتے ہو۔"

"بیماری تھی' میں ٹھیک ہو گیا۔ ویسے ڈاکٹر صاحب آپ نے مجھ سے اس دن پوچھا تھا کہ جگ ناتھن کیا چیز ہے؟ میں نے کہا تھا کہ طبیعت ٹھیک ہو گئی تو بتاؤں گا۔"

"ہاں ہاں..... فوزیہ تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے۔" میں نے نرس سے پوچھا۔

"نہیں سر حکم دیجئے۔"

"آرام کرو' میں ذرا اس سے بات کر لوں۔"

ہری ناتھ کہنے لگا:

"ڈاکٹر صاحب کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"جگ ناتھن کے بارے میں تم کچھ بتا رہے تھے۔"

"صاحب جی آپ کو پتا ہے کہ وہ کئی بار مر چکا ہے اور اب اس نے ایک آتما کا روپ دھار لیا ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں۔"

"اصل میں تو آپ مسلمان ہیں نا..... معلومات ہی نہیں رکھتے اور ہم لوگوں کو ساری معلومات ہیں۔"

"بھائی مجھے بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"جگ ناتھ کے بارے میں یہ تو مشہور ہے ہی کہ وہ کالا جادوگر ہے مگر یہ بات بہت سے لوگوں نے کہی ہے کہ جب ایک بار وہ مر گیا تھا تو مرنے سے پہلے اس نے اپنے چیلوں سے کہا تھا کہ اس کی ارتھی جلائی نہ جائے بلکہ مندر کے ایک خاص حصے میں محفوظ کر دی جائے اور مہاراج ایسا ہی کیا گیا تھا لیکن پھر آس پاس والوں نے اسے مندر کے پاس دیکھا۔ ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اسے بہت قریب سے دیکھا اور بعد میں اس کا دماغی توازن ہی خراب ہو گیا۔"

"ہونہہ تو اب کیا بات ہے؟"

"وہ مہاراج اصل میں اب اس نے نئی بات کی ہے۔ اس سے پریشانی پیدا ہو رہی ہے اور سب سوچ رہے ہیں کیا ہو گا۔"

"نئی بات کیا ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ ریاض پور کا نام بدل کر رام نگر رکھا جائے اور مسلمانوں کو اس علاقے سے نکال دیا جائے۔"

"اور مسلمان کیا کہتے ہیں۔"

"لو جی اپنا گھر کون چھوڑنا پسند کرے گا مگر جو بات بڑی خرابی کی ہو رہی ہے..... اصل میں آپ کو کھیا جی سے ملاؤں گا وہ ساری بات بتائیں گے۔"

"تم مجھے بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"ڈاکٹر صاحب اب اس کمینے جگ ناتھ نے..... ہرے رام' ہرے رام۔" اچانک ہی ہری داس اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "ہم نے اسے کمینہ کہہ دیا ہے۔ آ گئی ہماری تو شامت۔"

"تم بات بتا رہے تھے' پتا نہیں بیچ میں کیا کیا بکنے لگ جاتے ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ جی بات اصل میں یہ ہے کہ نہ جانے اس نے کیا چکر چلایا ہے کہ اب لوگ اس کے عقیدت مند ہوتے جا رہے ہیں اور عجیب عجیب باتیں کرنے لگے ہیں۔"

"مثلاً..... کیا؟"

"یہ کہ ریاض پور کا نام سچ مچ رام نگر ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں ہندو اور مسلمانوں میں بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے جا رہے ہیں۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ اس مندر کے آس پاس کوئی نہیں بھٹکتا' عجیب و غریب باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ یہاں تم کہہ رہے ہو جگ ناتھ زندہ بھی ہے مر بھی چکا ہے۔"

"مہاراج وہ تو کئی بار مر چکا ہے مگر اس کی ارتھی جلائی نہیں جاتی بلکہ مندر میں جو اس کے چیلے چاٹے رہتے ہیں وہ اس کو مندر میں ہی کہیں چھپا دیتے ہیں ممکن ہے وہ مرتا ہی نہ ہو۔"

"اب ہم کیا جانیں۔"

ہری ناتھ کے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ ڈاکٹر انور سے اس بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ بے چارہ معمولی سی سمجھ بوجھ کا آدمی ہری ناتھ اس سلسلے میں کیا بتا سکے گا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 18

زندگی کی ڈور جب الجھتی ہے تو اس طرح الجھتی ہے کہ اسے سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بارہا میں نے خود اپنے آپ سے اپنے بارے میں سوالات کئے اور یہ جاننا چاہا کہ انسان تو بہرحال کسی نہ کسی طرح زندگی گزار لیتے ہیں' میری زندگی میں یہ انوکھی کیفیتیں کیوں ہیں۔ لیکن سچ بات ہے کہ اپنے سوال کا کوئی جواب خود کبھی مجھے نہ مل سکا۔ بہت کچھ سوچا اپنے بارے میں لیکن سمجھنے میں ناکام رہا۔ اصل میں اب بھی میرے ساتھ ایسا ہی ایک حادثہ کہہ لیجئے یا واقعہ پیش آیا تھا اسے واقعہ کہنا مناسب نہیں ہو گا بلکہ یہ ایک حادثہ ہی تھا۔ ڈسپنسری میں حامد صاحب کے ساتھ جن حالات میں پہنچا تھا۔ آپ کو اس کا اندازہ ہے لیکن اس رات کے بعد جب میں نے ہری ناتھ سے یہ بات چیت کی تھی صبح ہوئی تو میں نے ماحول ہی بدلا ہوا دیکھا۔ بالکل انوکھا ماحول تھا' بدن کے نیچے شاندار بستر قرب و جوار میں شاندار سجاوٹ کے ساتھ موجود کمرہ۔ بڑی حیرت ہوئی تھی مجھے اس جگہ کو دیکھ کر۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں میں سویا تھا اور پھر ایک عجیب سی شکل و صورت کا مسخرہ سا آدمی مجھے ملا اور میرے سامنے پہنچ کر دانت نکالتا ہوا بولا:

"سرکار اٹھیں گے بھی کہ نہیں' بہت دیر ہو گئی ہے آج۔" پھر اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا:

"کیا رات کو زیادہ پی لی تھی۔" کچھ ایسا مکروہ انداز تھا اس کا کہ مجھے اس سے بے انتہا نفرت کا احساس ہوا۔ میں بگڑنے ہی والا تھا کہ مجھے اس ماحول کا خیال آیا۔ کوئی بدلی ہوئی جگہ ہے مگر کیسے؟ ڈاکٹر انور کی ڈسپنسری کہاں گئی..... ڈاکٹر انور کہاں گیا..... میں یہاں کیسے آ گیا..... یہ کیا طلسم ہے؟ یہ تمام باتیں جاننے کے لئے اس وقت یہی شخص میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے سوال کیا اور وہ عجیب سے لہجے میں سر پیٹتا ہوا بولا:

"کباڑا ہو گیا..... سرکار اپنے بہادر کو نہیں پہچان پا رہے۔ آپ کا غلام۔" میں اپنی ذہنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا' میں نے کہا:

"بہادر کبھی کبھی میرا دماغ اسی طرح الٹ جاتا ہے۔ مجھے تو اپنا نام بھی یاد نہیں رہا' میں کون ہوں؟"

"لو ایک بار پھر ہو گیا کباڑا..... سرکار آپ ایسا کریں پہلے نہا دھو لیں' اس کے بعد ناشتا کر لیں' آپ کو سب کچھ یاد آ جائے گا۔" میں نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی کا شاور کھولا اور اس کے نیچے بیٹھ گیا۔ کیا شاندار جگہ تھی۔ آخر یہ سب کچھ ہوا کیا اور کیسے ہو گیا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا..... بڑی مشکل کا شکار ہو گیا تھا..... پھر میں نے تھکے تھکے انداز میں سوچا خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتا ہوں ورنہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گا۔ جو ہو رہا ہے ہوتا رہے' اللہ مالک ہے۔ میں نے اپنے بارے میں اس کے بعد جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ڈٹ کر ناشتا کیا۔ بہادر نے کہا:

"سرکار اب کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی میرا دماغ ٹھیک نہیں ہوا ہے بہادر' تم ہی بتاؤ یہ شہر کون سا ہے؟"

"ریاض پور ہے سرکار۔"

"اچھا اچھا جسے رام نگر بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"جی سرکار..... بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔"

"مگر ایسا ہو گا نہیں' مسلمان بھی تیار ہیں۔"

"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے..... معلوم ہے۔ اچھا یہ بتاؤ یہاں ایک ڈسپنسری ہے؟"

"سرکاری ڈسپنسری؟"

"ہاں۔"

"ذرا مجھے وہاں لے چلو۔"

"چلئے سرکار۔" اور پھر بہادر مجھے ایک شاندار جیپ میں ڈسپنسری لے گیا تھا۔ ڈاکٹر انور کو میں نے ایک لمحے کے اندر اندر پہچان لیا۔ فوزیہ' ریحانہ بھی وہاں موجود تھیں۔ میں ڈاکٹر انور کے سامنے پہنچ گیا اس نے کہا:

"جی فرمایئے۔"

"ڈاکٹر انور..... آپ بھی....."

"میں سمجھا نہیں جناب۔"

"وہ میرا مطلب ہے آپ مجھے نہیں جانتے؟"

"میں....."

"میں شامی ہوں شامی۔"

"معافی چاہتا ہوں' کچھ غلط فہمی ہو گئی یا تو آپ کو یا مجھے اور پھر یہ کہ میری یادداشت میرا ساتھ نہیں دے رہی۔"

"میرے خدا!..... ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے....."

"سنیں تو سہی۔"

میں واپس ہوا تو ڈاکٹر انور نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

"بے کار ہے ڈاکٹر انور..... سب کچھ بے کار ہے۔" اس کے بعد میں باہر نکل آیا۔ بہادر بڑی بکواس کرتا تھا' اس کی اس بکواس سے مجھے بہت سے حالات معلوم ہوئے جو میرے لئے ناقابل یقین تھے۔ میں ذہنی طور پر اس قدر تھکا ہوا تھا کہ میں نے بہادر سے کہا:

"بہادر مجھے کسی ایسی جگہ لے چلو' جہاں میری یہ ذہنی حالت درست ہو۔"

"سرکار جمنا بائی کے کوٹھے کے سوا آپ کو سکون کہاں ملتا ہے۔"

"وہیں لے چلو مجھے۔" میں نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور پھر خود ہی کہہ کے پھنس گیا۔ جمنا بائی اور کوٹھا یہ دو نام ہی ایسے تھے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔ بہادر میرے ساتھ ہی اوپر پہنچا تھا اور موٹی نائیکہ نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔

* * *

باب نمبر 19

"ارے آپ سرکار کتنے دن ہو گئے' آپ کو آئے ہوئے۔ آپ یہاں نہیں آئے تو آپ کی روپا تو بس یہ سمجھ لیجئے جان ہی دیئے دے رہی ہے۔ آیئے میرے ساتھ آیئے۔" اس نے کہا اور مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئی۔ "آپ دیکھ رہے ہیں' باہر سب رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور یہ یہاں سوگ میں بیٹھی ہے۔ اب کیا کریں آپ بتائیں..... کیسے سمجھائیں اسے۔" میں نے اس روپا کو دیکھا اچھی خاصی صورت کی لڑکی تھی۔ سانولا سلونا رنگ' نقوش انتہائی جاذب نگاہ' چہرے پر واقعی غم کے آثار تھے۔ شکایتی انداز میں مجھے دیکھا۔ میں ایک گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا وہ دیر تک مجھے دیکھتی رہی پھر بولی:

"کچھ بولو گے کہ نہیں؟"

"کیا بولوں۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"طوائف کے کوٹھے پر ہوں نا اور تم تماش بین ہو' سنو میں کوئی غلط نہیں کہہ رہی..... میں سدا کی پیاسی ہوں..... ہر شخص کو آس بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوں..... کوئی میرے من کی پیاس بجھا دے۔" اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔ اس کے بارے میں میری زبان سے کچھ نہ نکلا اور میں اسے دیکھتا رہا۔ تب اس نے درد بھری آواز میں کہا:

"کوئی ایسی بات ہو گئی جیون میں..... ضرور کوئی ایسا کام ہو گیا ہے مجھ سے جس کی معافی ابھی تک بھگوان کے گھر سے نہیں ہو سکی..... لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن بھگوان میری بات ضرور سنے گا۔ میں اپنے من کو کھولنا چاہتی ہوں۔ آہ اور کچھ نہ کرو' مجھ سے میرے من کی بات ہی پوچھ لو۔" میں بدستور اسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اب میں اس بیوقوف

کو کیا بتا تا کہ خود میرا وجود میرے لئے کیا ہے۔

"ایک بات کہوں تم سے؟"

"ایک کیا، جتنی باتیں دل چاہے کہو، لیکن سچ ہونی چاہیں۔"

"ہاں وہ سسکی سے لے کر بولی، پھر کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:

"من چاہے تو یقین کر لو کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے سمجھا ہے۔ میرے پتا لکھ رام جی بہت رئیس آدمی تھے، اتنے بڑے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بہت بڑی زمینداری تھی ہماری اور میں ان کی اکلوتی بیٹی تھی، حالانکہ میرے پتا کا رنگ بالکل صاف ستھرا اور ماتا جی بہت خوبصورت تھی لیکن میں سانولی تھی۔ بچپن تو خیر جیسے گزرتا ہے، ویسے گزرا مگر جوانی آئی تو مجھے احساس ہوا کہ میرا رنگ میلا ہے اور میں اپنی دوسری سکھیوں سے ذرا نیچی شکل کی ہوں۔ اس چیز نے میرے من میں ایک جلن سی پیدا کر دی اور میں دل ہی دل میں اپنی سکھیوں سے جلنے لگی۔ نہ جانے کیا کیا جتن کیے میں نے مگر بھلا اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں جیتی رہی اور اپنے دل ہی دل میں یہ سوچتی رہی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ بڑی عجیب سی بات تھی، پھر مجھے ایک سادھو مہاراج ملے، اس وقت میں اپنے پتا جی کے ایک محل میں برسات کے موسم کے مزے لے رہی تھی۔ یہ سادھو جی مہاراج نہ جانے کون تھے، میں نہیں جانتی انہوں نے مجھے مخاطب کر کے کہا:

"انجنا، ادھر آ۔" اس سمے میری سکھیاں میرے ساتھ نہیں تھے۔ پہلی بات تو مجھے یہی حیرانی کی لگی کہ سادھو جی میرا نام کیسے جانتے ہیں لیکن بہرحال وہ لمبے اونچے اور بڑی اچھی شخصیت کے مالک لگے تھے مجھے۔ میں نے سوچا کہ دیکھو تو سہی سادھو جی مہاراج کیا چاہتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چل پڑی، وہ مجھے محل کے پچھلے حصے میں لے گئے اور میں نے محسوس کیا کہ یہ جگہ ایسی ہے کہ میں خود اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میرا اپنا ہی محل تھا اور میں کافی مرتبہ اس محل میں آ چکی تھی، پر جس حصے میں سادھو مہاراج مجھے لے کر آئے تھے، یہ محسوس ہوتا تھا جیسے میں نے اسے پہلی بار ہی دیکھا ہو۔ یہاں سیڑھیوں سے اتر کر وہ ایک بڑے سے ہال میں پہنچ گئے۔ میں حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سادھو مہاراج نے کہا:

"انجنا سندر بننا چاہتی ہے؟"

"ہاں مہاراج۔"

"تو پھر تجھے دان دینا ہوگا۔"

"کیسا دان مہاراج؟"

"شریر دان۔"

"کیا بکتے ہو..... اتنی لمبی داڑھی، سادھوؤں کا بھیس بنائے ہوئے ہو اور ایسی گندی باتیں کرتے ہو..... میں تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گی کہ یاد رکھو گے۔" جواب میں سادھو مہاراج ہنسنے لگے تھے اور بولے:

"مگر ایک بات سن لے انجنا کہ تو جو کچھ ہے وہ نہیں رہے گی۔ اتنی سندر بن جائے گی تو کہ دیکھنے والا دل پکڑ کر رہ جائے گا۔"

"مجھے ایسی سندرتا سے کوئی پریم نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا:

"آ، میں تمہیں دکھاؤں۔" انہوں نے کہا پھر دونوں ہاتھ میرے چہرے پر پھیر دیئے۔ میں آگے بڑھی اور انہیں زور سے دھکا دیا لیکن لمبے چوڑے جسم کو میں ایک انچ بھی نہ ہلا سکی۔ میں آگے بڑھی تو میرے سامنے ایک شیشہ آ گیا میں نے شیشے میں اپنی صورت دیکھی تو دنگ رہ گئی۔ اتنی سندر ہو گئی تھی میں کہ دیکھنے والے بھی ششدر رہ جائیں۔ تم یقین کرو میں خود اپنے آپ کو دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی۔ پھر میں نے پیچھے سے مہاراج کو دیکھا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے پیچھے سے پکڑنے والے ہیں تو میں پلٹی سادھو مہاراج ہنس رہے تھے انہوں نے کہا:

"دیکھا تو نے، ہم نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا۔"

"ایک بات کہوں سادھو مہاراج، تم نے مجھے جو کچھ بنا دیا ہے، اسے دیکھ کر میں واقعی حیران ہوں لیکن ایک بات تم بھی اچھی طرح سمجھ لینا کہ میں ایک شریف لڑکی ہوں، میں کسی بھی طرح اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتی۔"

"تو پھر تمہیں سندر بنانے کا فائدہ؟"

"مجھے ویسا ہی بنا دو، جیسی میں تھی۔ تم بہت بڑے سادھو ہو، پر میں وہ نہیں کر سکتی جو تم کہہ رہے ہو۔"

"بنا دیں گے، بنا دیں گے، پہلے اپنے من کی پیاس تو بجھالیں۔" سادھو مہاراج نے کہا اور

میری جانب بڑھے۔ میں اور تو کچھ نہ کر سکی‘ میں نے ان کے منہ پر تھوک دیا اور یہ بات
کے من کو بری لگ گئی‘ وہ دو قدم پیچھے ہٹے‘ خونی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے‘ پھر بولے:

”تم نے جو کچھ کیا ہے‘ اب اس کا بھگتان بھگتنا ہو گا تمہیں۔“

”کیا کر لو گے..... زیادہ سے زیادہ..... مجھے چھو کر دکھاؤ‘ بھگوان کی سوگند تمہارا خون کر دو
گی یا خود مر جاؤں گی۔“

”تو مرے گی اور ایسے مرے گی کہ دیکھنے والے تمہیں دیکھیں گے۔“ اور اس کے ب
جیسے چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا۔ میں اس اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگی‘ کچھ نظ
نہیں آ رہا تھا مجھے۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جدھر دیکھ رہی تھی اِدھر اندھیرا ہی اندھیرا تھ
تم یقین نہیں کر سکتے مجھے یوں لگا‘ جیسے میں اندھی ہو گئی ہوں۔ ہاں دنیا اندھی نہیں ہوئی تھ
بس میں ہی اندھی ہو گئی تھی۔ پھر کسی نے مجھے آواز دی:

”روپا..... روپا..... اری او روپا..... کب تک سوتی رہے گی۔ اُٹھ ہزاروں کام بکھرے پڑ
ہیں‘ ابھی سے مہارانی جی اتنا سوتی ہیں..... ہونہہ صورت نہ شکل..... باہر نکل..... ارے اُٹھ
ہے یا دوں ایک لات۔“ آواز تو میں سن رہی تھی‘ اور یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ میر
بدن کے نیچے ایک بستر ہے مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ جاگنے کے لئے مجھ سے ہی کہا جا رہا ہے۔
تو کسی روپا کو آواز دی جا رہی تھی۔ میں حیرت سے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی۔ جگہ ہی بدل
گئی تھی۔ ماحول اور موسم ہی بدل گیا تھا۔ ہاں جب میرے لات پڑی تو چونک کر اٹھ بیٹھی۔
ایک موٹی سی بھارے بدن کی عورت میرے سامنے کھڑی تھی۔

”کام دھندا کیا تیرے ماتا پتا کریں گے آ کر‘ نہ جانے کہاں سے آ مری ہے کالی کلوٹی۔“ میر
شدت حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور..... اِدھر اُدھر دیکھا۔ ماحول میری سمجھ میں آیا تو میر
سر میں چکر سا آ گیا۔ اب اتنی ناواقف نہیں تھی۔ اس دنیا سے..... ماحول کو بھی سمجھتی تھی
میں کسی ایسی جگہ تھی جہاں ناچنے والیاں رہتی ہیں۔ میں ناچنے والیوں سے ناواقف نہیں
تھی۔ جب پتی جی کوئی جشن مناتے تھے..... ہولی دیوالی ہوتی تھی تو ہمارے گھر میں ناچنے والی آ
کرتی تھی اور ناچ گانے ہوا کرتے تھے۔ میں نے ایک بار اپنی سہیلیوں سے اس کے بار
میں پوچھا تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ انجانا یہ ناچنے والیاں عورت کے نام پر دھبہ ہوتی ہیں
اچھے گھروں میں انہیں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یہ بے سوائیں کہلاتی ہیں بہر حال

بہت سی باتیں معلوم تھیں مجھے ان کے بارے میں‘ لیکن میں آج یہاں موجود ہوں۔ گزرے
ہوئے واقعات مجھے یاد آ رہے تھے..... کہاں میرا گھر..... میری حسین زندگی اور کہاں یہ جگہ میں
بڑی حیران ہوئی تھی بہت دیر تک مجھے کچھ یاد نہیں آ سکا تھا کہ ہوا کیا تھا اور پھر مجھے سب کچھ
یاد آ گیا۔ میں نے سادھو کے چہرے پر تھوک دیا تھا اور یہ تو اچھا ہی کیا تھا میں نے‘ ورنہ کیا فرق
رہ جاتا مجھ میں اور بے سواؤں میں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس دن سے میں مصیبت کا شکار ہو
گئی۔ سادھو بھلا مجھے کہاں چھوڑنے والا تھا۔ اس نے مجھے بیسوا بنا دیا تھا اور اب نہ جانے کیا
ہو گا۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ سادھو نے مجھے انجنا سے روپا بنا دیا ہے اگر میں ان
لوگوں سے انکار کروں گی تو نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک ہو‘ رات ہوئی تو میں نے یہاں
تماش بینوں کو آتے ہوئے دیکھا‘ میرا اپنا بھی ان کے درمیان ایک مقام تھا‘ بہر حال اب جو ہونا
تھا وہ ہو ہی گیا تھا۔ تھوڑے ہی دن پہلے کی بات تو تھی کہ لوگ میرے راستے میں آنکھیں
بچھاتے تھے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آنکھ اٹھا کر میرا چہرہ دیکھ لے لیکن اب مجھے
بھی ناچنا پڑے گا۔ میں ناچوں گی تو چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہیں میرے بدن کے
ایک ایک زاویے کو دیکھیں گی۔ ہائے رام مر نہ جاؤں گی میں۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا
جو ہونا تھا ہو گیا‘ میں نے سوچا عقل سے کام لوں یہاں پر اجنبیت کا اظہار نہ کروں اور خاموشی
سے یہ دیکھوں کہ یہاں سے نکلا کیسے جا سکتا ہے۔ یہاں تمام لوگ موجود تھے‘ میں ان لوگوں
سے یہ معلوم کرنے لگی کہ میرا یہاں کیا عمل دخل ہے‘ مجھے آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم ہو
گیا یہاں کئی اور لڑکیاں تھیں..... سب کی سب بے باک..... بے شرم قسم کی‘ ان کا کام ہی یہ
تھا‘ مجھے ان سے پتا چلا کہ یہاں کی مالک جو ہے وہ کامنی بائی ہے اور کامنی بائی کہنے کو تو کامنی
ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ من کی بہت بری ہے۔ بہت سخت رویہ ہوتا ہے اس کا لڑکیوں کے
ساتھ۔ یہ تمام لڑکیاں اس کی اپنی نہیں تھیں لیکن وہ اپنی بیٹی ہی کہا کرتی تھی۔ بہت سے کھیل
ہوا کرتے تھے اور ان کھیلوں میں میرا بھی اپنا دخل تھا۔ لڑکیاں مجھے سمجھاتی رہیں۔ انہوں نے
کہا کہ یہاں جو آنے والے مرد ہوتے ہیں‘ بس انہیں بیوقوف بنانا ہی ہمارا فن ہے۔ یہاں نہ
کوئی باپ ہوتا ہے‘ نہ بھائی‘ نہ بیٹا لیکن میں اس ماحول کو انسانی ماحول تسلیم کرنے کے لئے تیار
نہیں تھی۔ بہر حال کوٹھے آباد ہوتے تھے‘ پھولوں کی خوشبوئیں مہکتی تھیں‘ گلابوں کے ڈھیر
لگ جاتے تھے‘ شرابوں کی بوتلیں کھل جاتی تھیں اور سازندوں کے منہ۔ سازندے ہونٹوں

میں پان دبائے اپنے اپنے ساز سنبھال لیا کرتے تھے اور پھر گھنگھروؤں کی جھنکار گونجنے لگتی تھی۔ کاروبار ہوتا تھا' شام ڈھلتی تھی اور شریف زادے دروازے بجاتے تھے۔ بھلا سورج ڈھلے ایسے وقت جب لوگ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ سکتے ہوں' کون شریف زادہ ان سیڑھیوں پر چڑھنا پسند کرتا ہوگا۔ ویسے کامنی بائی کے کوٹھے کا ایک خاص مقام تھا اور وہاں گندے لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی' جو لوگ آتے تھے وہ صاحب حیثیت اور خاندان والے ہوا کرتے تھے۔ کامنی بائی نے اس سلسلے میں اپنا ایک معیار بنا رکھا تھا اور ایسے لوگوں کو آنے جانے دیا کرتی تھی' جن کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ نئے آنے والوں سے معذرت کرلی جاتی تھی۔ ہاں اگر کوئی اس قابل ہوا جسے مہمانوں میں جگہ دی جائے تو بات دوسری ہوتی اور کامنی بائی کی نگاہیں اتنی تیز تھیں کہ ایسے لوگوں کا وہ باآسانی اندازہ کرلیا کرتی تھی دوسری لڑکیاں مجھے یہاں کے ماحول کے بارے میں تفصیلات بتایا کرتی تھیں اور میں دل ہی دل میں دہشت زدہ رہتی تھی کہ دیکھو میری باری کب آتی ہے۔ میں سانولی سلونی تھی۔ کامنی بائی کتنی ہی بار یہ بات کہہ چکی تھی۔ "روپا تو تو بڑی ہی سندر ہے' اگر یہ گوری چمڑی والیاں یہ سوچتی ہیں کہ تو ان کے سامنے کچھ نہیں ہے تو بھگوان کی سوگند ایک دن میں انہیں دکھادوں گی اور بتادوں گی کہ تو کیا ہے؟"

مگر میں سوچتی تھی کہ بھگوان وہ دن وہ سے کبھی نہ لائے..... آہ میں تجھے کیا بتاؤں بس یہ سمجھ لے میرے دل میں ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا..... اور جب انسان کے من میں کوئی خوف ہوتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے..... اور یہ وجہ آخر کار سامنے آتی ہے۔ وہ دن کوئی نیا دن نہیں تھا..... جیسے سب دن ہوتے ہیں ایسا ہی وہ دن بھی تھا..... آج آنے والوں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا' جس کے لئے خاص طور پر تیاریاں کی جارہی ہوں۔ ایک ایک کر کے بس پندرہ بیس آدمی آکے بیٹھ گئے تھے۔ لڑکیاں تیار ہوگئی تھیں' لیکن آج کامنی بائی نے نہ جانے کیوں مجھ پر نگاہ کرم کی تھی۔ کہنے لگی:

"روپا آج میں تیرا روپ اس سنسار کو دکھاؤں گی۔" میرا دل دھک سے رہ گیا تھا' میں نے کہا:

"کیوں ماتاجی؟" تو کامنی بائی ہنس کر بولی:

"تجھے پتا ہے تیری عمر کیا ہے..... اب تک تو میں نے تجھے سیپ میں موتی کی طرح چھپا کر

رکھا ہے اور اب سنسار کے سامنے تیرا لانا ضروری ہے..... جب عمر زیادہ ڈھل جاتی ہے نہ تو بات خراب ہو جاتی ہے..... یہ کچی جوانی سنسار کے سامنے آجائے تو ہنگامہ کردے گی.... کامنی بائی تجربے کار عورت تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے مجھے بنایا سنوارا' میرا زخمی دل تڑپ تڑپ کر چیخ رہا تھا..... رو رہا تھا۔ میرے پتانے تو کبھی مجھے غیروں کی نگاہوں میں نہیں آنے دیا تھا' اگر کبھی کہیں جاتی تو پتاجی کے آدمی ساتھ ہوتے' کیا مجال کہ لوگوں کی نگاہیں میرے چہرے پر پڑ جائیں لیکن اب مجھے اس سنسار میں ان لوگوں کے سامنے جانا تھا' جن کی آنکھیں ہی اتنی خراب ہوتی ہیں کہ انسان کے دل میں درد ہونے لگے۔ پھر کامنی بائی مجھے بنا سنوار کر باہر لے گئی اور میں نے دیکھا کہ ہر نگاہ میں ایک شوق ہے' ہر نگاہ مجھے جھانک رہی ہے۔ مجھے یوں لگا' جیسے ان آنکھوں نے میرے بدن کا سارا لباس کھینچ لیا ہو۔ اور اب میرے شریر پر لباس نام کی کوئی شے نہ ہو۔ کامنی نے بہت سے نوٹ اٹھا کر مجھ پر سے وارے اور پھر انہیں ایک سازندے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"اسے غریبوں میں تقسیم کردیجئے گا۔"

"کامنی بائی یہ گوہر نایاب کہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا..... کہاں سے آگیا یہ؟" جن صاحب نے یہ الفاظ کہے تھے' میں نے انہیں غور سے دیکھا..... موٹے تازے بھدی سی شکل کے آدمی تھے..... اپنے آپ کو بڑا بانکا سجیلا بنا کر پیش کر رہے تھے۔ دوسری اور تیسری آواز بھی ابھری اور ہر شخص اپنی اپنی سنانے لگا۔ بہرحال میں ان کے درمیان بیٹھ گئی لیکن میری روح سسک رہی تھی..... میں ان پر ہوس نگاہوں کو محسوس کر رہی تھی..... لڑکیوں نے نغمہ چھیڑ دیا اور کامنی نے ان سے کہا:

"نہیں یہ نہ گاؤ' ایسا نغمہ سناؤ جو من کے اندر اتر جائے۔" نہ جانے کیوں کامنی نے یہ بات کہی تھی لیکن ابھی نغمہ جاری ہی تھا کہ ایک شخص اندر داخل ہوا' بہت خوبصورت لباس میں ملبوس تھا..... کوئی بڑی شخصیت معلوم ہوتی تھی..... گردن میں سونے کی زنجیریں پڑی ہوئیں تھی۔ ہاتھوں میں ہیروں کی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں' بدن پر جو لباس تھا وہ بھی بڑا قیمتی تھا۔ کامنی بائی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آنے والے سے بولی:

"ارے بلم رام جی مہاراج..... آیئے آیئے' آپ اگر محفل میں آجائیں تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ مگر آپ کا رنگ آج تک نہیں بدلا کامنی بائی..... بلم رام نے بیٹھتے ہوئے

کہا۔ کامنی بائی..... ہنستی ہوئی ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"کیوں بلم رام جی مہاراج۔"

"اس لیے کہ آپ ہمیں ہمیشہ بالم کی بجائے بلم کہتی ہیں۔ بلم تو نوکیلا ہوتا ہے..... سینوں سے پار ہو جانے والا...... ہم تو بڑے ہی نرم دل کے آدمی ہیں۔" سب لوگ ہنسنے لگے۔ بلم رام جی اچھے خاصے آدمی تھے۔ عمر چالیس سے کچھ اوپر ہی ہو گی لیکن چہرے پر ایک بھی جھری موجود نہیں تھی۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور جیسے دوسرے چونکے تھے' اسی طرح وہ بھی چونک پڑے۔

"یہ کون ہے کامنی بائی۔"

"روپا ہے اس کا نام۔"

"اس کا نام تو روپ کماری ہونا چاہیے' آپ نے صرف روپا کہہ کر اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔"

"بس آپ ہی لوگ اصل نام دیتے ہیں' ہم تو خام مال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں..... ناتراشیدہ ہیرے کو تراشنا تو آپ جیسے جوہریوں کا کام ہے۔ بہرحال آپ نے پسند کیا' ہمارا من شانت ہو گیا۔" پھر اس کے بعد مجھے ان نگاہوں کی برچھیوں پر ناچنا پڑا اور لوگ مجھ پر دولت نچھاور کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ میں اپنے آپ سے بے خبر ہوتی گئی۔ جب اس ماحول میں زندگی گزارنی ہے تو رونے پیٹنے سے کیا فائدہ۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا..... بھگوان جانے وہ کمینہ سادھو کون تھا..... آہ میں کیا بتاؤں تمہیں اس کے بارے میں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس نے میرا جیون ہی برباد کر دیا تھا۔ ماتا پتا کو یاد کرتی تو دل خون کے آنسو رونے لگتا۔ بلم رام جی نے اتنا کچھ دیا کامنی بائی جی کو کہ وہ بلم رام جی پر جان نچھاور کرنے لگی۔ بلم رام جی نے کہا:

"ایک بات یاد رکھیں کامنی بائی' ہم جس چیز کو پسند کر لیتے ہیں وہ پھر ہماری ملکیت ہوتی ہے اور آپ کے پاس ہماری امانت۔ دام بتا دیجئے' پہنچا دیئے جائیں گے لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ روپ کی اس دیوی کو کوئی اور چھونے نہ پائے۔"

"بلم رام جی آپ نے کچھ کہا اور کبھی ایسا ہوا کہ ہم نے آپ کا کہنا نہ مانا ہو۔"

"ہاں ایسا ہی ہے..... ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔۔" پھر ایک ایک کر کے تمام مہمان رخصت ہو گئے..... صرف بلم رام جی رہ گئے۔

"ہاں کیا کہتی ہے کامنی؟"

"بس بلم رام جی پہنچ رہی ہے...... آپ چنتا نہ کریں..... پھر مجھے واپس کمرے میں پہنچا دیا گیا اور میں ساری جان سے لرزنے لگی۔ اب کیا ہو گا میرا' اب کیا ہو گا اور اس کے بعد وہی ہوا جو ہوتا ہے۔

بلم رام جی اندر آ گئے اور میری طرف دیکھ کر بولے:

"ہاں بھئی روپ کی دیوی ہم نے سارا جیون اب تمہارے نام لکھ دیا' بولو کیا کریں تمہارے لئے؟"

"میں کیا کہوں۔" میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ارے ڈر رہی ہو ہم سے؟"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"مانگو ہم سے کیا مانگتی ہو۔"

"وہ بلم رام جی۔"

"بلم نہیں' بالم کہو بالم۔"

"بالم جی آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" جواب میں بالم کے ہونٹوں پر ہنسی پھیل گئی اور بولے:

"ہم جانتے ہیں' ہم اچھی طرح جانتے ہیں مگر تعجب کی بات ہے کامنی بائی جیسی تجربہ کار عورت نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی کہ ایک سندر روپ کماری سے اس کا داس کیا چاہ سکتا ہے۔"

"بلم رام جی بس آپ سے اور کچھ نہیں مانگوں گی..... بس یہ مانگتی ہوں میں کہ مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دیں۔"

"لو یہ کیا بات ہوئی..... ارے ہم کوئی جنگل کے جانور تو نہیں ہیں...... بیٹھو تھوڑی دیر ہمارے پاس..... باتیں کرو ہم سے...... اس کے بعد چلے جائیں گے۔" اور اس کے بعد واقعی بلم رام جی تھوڑی دیر باتیں کر کے چلے گئے وہ بڑے ہنستے مسکراتے ہوئے میرے ساتھ باہر نکلے تھے' باہر بڑے کمرے میں کامنی بائی سازندوں کے ساتھ بیٹھی گپیں لڑا رہی تھی' چونک کر اس نے ہم دونوں کو دیکھا اور پھر بلم رام جی سے بولی:

"ارے ارے بلم رام مہاراج' خیریت تو ہے' ارے کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں ہوا کامنی بائی..... ہم نے اپنے من کو شانت کر لیا...... تھوڑی دیر باتیں کیں اپنی روپ کماری سے اور اب جا رہے ہیں۔"

"کوئی بدتمیزی کر دی اس نے؟"

"کیسی' باتیں کرتی ہیں' اس کی باتوں کا برا ماننے والا جہنم میں جائے گا' جہنم میں۔"

"بھگوان کا شکر ہے' میں سمجھی کہ کوئی ایسی ویسی بات کر دی اس نے۔"

"نہیں پھر آئیں گئے۔"

"اب آپ نے جو کچھ کہا ہے' اس کا پالن کرنا تو ہمارا کام ہے' بلم رام جی۔"

"ارے چھوڑیئے کامنی جی' آپ اپنے کہے ہوئے کا پالن کہاں کرتی ہیں۔ بلم رام جی نے کہا اور کامنی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر بلم رام جی کی طرف دیکھا' پھر بولی:

"ہم تو پہلے ہی پوچھ رہے تھے ہوا کیا؟"

"ہوا یہ کہ آپ نے پھر ہمیں بلم کہا' بلم نہیں بالم کہئے۔" بالم رام جی نے کہا اور کامنی اس طرح کی اداکاری کرنے لگی' جیسے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا ہو۔ بلم رام جی ہنستے ہوئے چلے گئے۔ کامنی میرے پاس آ بیٹھی پھر بولی:

"کیا ہوا روپا' یہ بلم رام جی چلے کیوں گئے۔"

"مجھے کیا معلوم؟"

"کیا کہہ کے گئے تھے تجھ سے۔"

"کہتے تھے کچھ کام ہے۔"

"ہونہہ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہوئی؟"

"ایسی ویسی بات کیا ہو گی ماتا جی۔"

"بس میں ڈر رہی تھی۔"

"ماتا جی ایک بات بتایئے؟" میں نے کہا:

"ہاں پوچھ۔"

"اگر بلم رام جی ناراض ہو گئے تو کیا ہو گا؟"

"ارے کیا کہہ رہی ہے' موٹی آسامی اگر ناراض ہو جائے تو یہ سمجھ لو کہ برے دن آ جاتے ہیں' بہت ہی برے دن۔"

"ٹھیک ہے..... جیسا تمہارا حکم ہو ماتا جی..... میں بھلا کیا کر سکوں گی۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ لیکن کامنی بائی اس وقت میری بے بسی کی آواز کو نہیں سن سکی تھی۔ البتہ رات کی تاریکیوں میں' میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہو گا' اب کیا کرنا چاہیے؟ کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ کسی نہ کسی دن یہاں میرا شریر دان ہو جائے گا۔ ہاں میں کتے کی موت ماری جاؤں گی۔ مجھ سے میری نسوانیت چھن جائے گی۔ کیا اس کے بعد مجھے جینے کا حوصلہ ہو گا۔ دل میں بہت ساری باتیں آنے لگی تھیں مگر کیا کرتی بے بسی اور بے کسی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ رات کے نہ جانے کس پہر میں سو گئی تھی۔ دن خاموشی سے گزر گیا۔ یہاں دن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی زندگی راتوں کو جاگتی ہے' شام ڈھلے کوٹھے سجنے لگتے ہیں۔ میں اب ان کوٹھوں سے واقف ہوتی جا رہی تھی۔ میری ساتھی لڑکیاں مجھے بہت کچھ سمجھاتی تھیں اور ان کے دل کے کونے میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں ان کی پرانی ساتھی ہوں۔ آہ نہ جانے کیا ہو گیا تھا میرے ساتھ؟ شام ہو گئی سازندوں نے ساز بجائے اور میں نے لوگوں کے سامنے رقص کیا۔ بہرحال میں یہ دیکھتی تھی کہ کامنی بائی ہر ایک کے ساتھ اسی طرح پیش آتی تھی' وہ ایک چالاک عورت تھی جو جتنا دولت مند' کامنی بائی کا اس کے ساتھ رویہ اتنا ہی اچھا۔ بہت سے لوگوں کے ساتھ میری شناسائی ہوتی جا رہی تھی لیکن اس وقت کامنی بائی بالکل ہی بدل جاتی تھی' جب بلم رام جی آتے تھے اور ایک دن بلم رام جی آئے اور کامنی بائی ان پر نچھاور ہونے لگی۔ بلم رام جی نے آتے ہی مجھ پر نوٹوں کا ایک بنڈل نچھاور کیا اور کامنی بائی ہنسنے لگی:

"بلم رام جی آپ نے تو اس پر نوٹوں کی برسات شروع کر دی؟"

"کیا کریں کامنی بائی' آپ نے ایسا ہی ہیرا تلاش کر کے نکالا ہے کہ ہم تو رات کو سو بھی نہ سکیں۔"

"مگر آپ کا رویہ بڑا عجیب ہے بلم رام جی۔"

"کیوں؟"

"آپ چلے کیوں گئے تھے؟"

"ارے بس ان باتوں کو جانے دیجئے' آپ نے روپ کماری جی سے بھی پوچھا ہوگا۔"

"ہاں پوچھا تھا۔"

"تو اس نے نہیں بتایا۔"

"یہی تو ابھی کمزوری ہے اس کی۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ بیچاری کیا بتائے گی۔"

"کیوں؟"

"نئی ہے نا ابھی۔"

"کہیں اور سے آئی ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"مطلب صرف اتنا سا ہے کہ ابھی وہ سنسار کی باتیں کم ہی جانتی ہے۔"

"ہم اسے سمجھا دیں گے۔" بلم رام جی نے کہا۔ بہرحال یہ سلسلہ جاری رہا' میں بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ اس دن بھی بلم رام جی چلے گئے تھے تو کامنی بائی نے کہا۔

"روپا ایک بتاؤ؟"

"ہاں کہئے ماتا جی۔" میں نے کہا۔

"یہ بلم رام جی چلے کیوں جاتے ہیں' رکتے کیوں نہیں تمہارے پاس؟"

"میں کیا جانوں۔"

"ویسے ایک بات کہوں؟"

"جی ماتا جی۔"

"تم ہو بہت سمجھدار۔"

"شکریہ ماتا جی۔"

"دیکھو سارے تماش بین جو ہوتے ہیں نا روپا' یہ اس وقت تک کے ساتھی ہوتے ہیں جب تک کہ ان سے دوری رہے' جب تک تم انہیں اپنی اداؤں سے اپنے جال میں پھانسے رہو' جیسے ہی جال کمزور پڑا پھر یہ ہاتھ لگنے والے نہیں ہوں گے۔ تمہیں ہنسی آئے گی اس

بات پر کہ اس وقت تین بڑے بڑے آدمی تمہارے پرستار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بلم رام جی کے آگے وہ زبان نہیں کھول سکتے۔"

"کیوں؟"

"پہلی بات تو یہ کہ بلم رام جی بہت بڑے آدمی ہیں' دولت کی تو ان کے پاس انتہا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ بڑے بڑے پولیس آفیسران کے رشتے دار ہیں' لوگ ان سے جھگڑا کم ہی لیتے ہیں۔"

"ہونہہ۔"

"اب تم ایک کام کرو۔"

"ہاں کہیں ماتا جی۔"

"بلم رام جی سے اتنا کچھ مانگو کہ ہماری تمام آرزوئیں پوری ہو جائیں' اس کے بعد بھی اگر بلم رام جی ہمارے ساتھ رہتے ہیں تو رہیں' اگر نہیں رہتے تو بھاڑ میں جائیں۔" میں نے حیرت سے کامنی بائی کی صورت دیکھی' بے شک ابھی تک مجھے کوئی خاص تجربہ نہیں تھا' ان لوگوں کا۔ لیکن بہرحال تھوڑا تھوڑا اندازہ کرتی جا رہی تھی پھر کامنی بائی مجھے بہت دیر تک سمجھاتی رہی تھی۔ تیسرے دن بھی معمول کے مطابق بلم رام جی آئے تو میں نے کہا:

"کل آپ بڑی جلدی چلے گئے تھے۔"

"ارے تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہیں کچھ وقت دے دیں۔"

"آج ذرا رکیئے آپ سے باتیں کروں گی میں۔"

"ہاں کیوں نہیں' کیوں نہیں اور پھر جب تماش بین رخصت ہو گئے تو بلم رام جی میری رہائش گاہ پر آ گئے۔ میں نے آج خاصی محبت سے ان کا استقبال کیا تھا' وہ بولے:

"تعجب کی بات ہے روپ کماری' آج تو تمہارا انداز ہی بدلا ہوا ہے۔"

"بس عورت کے من میں آج تک کوئی اندر تک پہنچا ہے کبھی۔"

"آہ کاش ہم تمہارے من میں اندر تک پہنچ گئے ہوتے۔"

"بلم رام جی' آپ میرے من میں اندر تک آ گئے ہیں' تبھی تو میں آپ کو اپنے ساتھ اندر تک لے آئی ہوں۔"

"بہت اچھی بات کہی ہے تم نے' ہمیں بڑی خوشی ہوئی لیکن بلم رام جی ایک بات میں جاننا

چاہتی ہوں۔" میں نے کہا اور بلم رام جی چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"ہزار باتیں پوچھو ہم تمہاری ہر بات کا جواب دیں گے۔"

"بلم رام جی یہ من کیا چیز ہوتی ہے؟"

"من؟"

"دل..... دل۔"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے، جس کا ابھی تک سنسار میں رہنے والا کوئی بھی شخص اندازہ نہیں لگا سکا۔"

"آپ نے خود بھی اپنے من کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا۔"

"لگایا ہے۔"

"کیا.....؟"

"یہ کہ اس من میں اب تم ہی تم رہتی ہو۔"

"بلم رام جی انسان اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیز کو کسی اور کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔" میں نے سوال کیا اور بلم رام جی چونک پڑے:

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ دیکھتے ہیں، کتنوں کے سامنے ناچتی ہوں میں۔ آپ کو برا نہیں لگتا؟" بلم رام جی خاموشی سے میری صورت دیکھنے لگے اور پھر بولے:

"لگتا ہے..... بھگوان کی سوگند لگتا ہے۔"

"آپ کمزور آدمی تو نہیں ہیں بلم رام جی۔"

"میں کمزور آدمی نہیں ہوں۔"

"تو پھر کیا آپ اپنی من پسند لڑکی کو سنسار کے سامنے اس طرح ناچتے دیکھنا پسند کرتے ہیں؟"

"دیکھو ابھی میرا تم سے کوئی رشتہ تو نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامنی بائی میری بہت عزت کرتی ہے، مجھے بہت کچھ سمجھتی ہے مگر مجھے یہ حق تو نہیں پہنچتا کہ میں اس کی مرضی کے بغیر....."

"ایک پریم کرنے والے کو تو ہر طرح کے حق پہنچتے ہیں۔ بلم رام جی آپ چاہیں تو مجھے اس

نرگ سے نکال سکتے ہیں۔"

"ہیں" بلم رام جی چونک پڑے۔

"ہاں میں اسے نرگ ہی کہتی ہوں، کوئی من کو بھائے یا نہ بھائے اس کی طرف مسکرا کے دیکھنا پڑتا ہے۔ میرا من چاہتا ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں..... آپ کے ساتھ رہوں..... آپ ہی کو دیکھتی رہوں..... آپ جب بھی آئیں، آپ کے چرنوں کی دھول بن جاؤں۔" بلم رام جی تڑپ اٹھے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے:

"تو مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ہمیں اپنے ساتھ لے چلئے۔"

"کہاں.....؟"

"یہ سوال آپ مجھ سے کر رہے ہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ..... کہ سچ بتاؤ روپا..... سچ بتاؤ..... کیا تم ایسا چاہتی ہو؟"

"دل سے چاہتی ہو تو ٹھیک ہے، ہم کامنی بائی سے بات کر لیں گے، اسے تمہاری منہ مانگی دولت دیں گے اور تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"وعدہ کرتے ہیں؟"

"ہاں وعدہ کرتے ہیں۔" بلم رام جی نے کہا اور پھر اسی وقت وہاں سے اٹھ گئے۔ میں اپنے آپ کو ذرا سا پرسکون محسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ بلم رام جی کچھ کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ، میں چاہتی تھی کہ یہ بات جلدی سے ہو جائے۔ صبح ناشتے سے پہلے کامنی بائی میرے پاس آ بیٹھی تھیں انہوں نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"روپا۔"

"جی ماتا جی۔"

"ایک بات پوچھوں بیٹا؟"

"جی۔"

" بلم رام جی سے کوئی خاص بات ہوئی تھی۔"

"کب؟"

"کل۔"

"ہاں ہوئی تھی ماتا جی۔"

"کیا..... مجھے بتا؟"

"بس ماتا جی' مجھ سے پریم جھاڑ رہے تھے' کہنے لگے روپا! میرے من میں دکھ ہوتا ہے' جب میں یہ دیکھتا ہوں تم اتنے سارے لوگوں کے سامنے ناچتی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم صرف میرے سامنے رہو۔ روپا میں کامنی بائی کو منہ مانگی قیمت دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم ان سے بات کرو۔" میں نے کہا کہ میں بھلا ماتا جی سے کیسے بات کر سکتی ہوں تو وہ بولے:

"اگر تم کہو تو میں ماتا جی سے بات کر لوں۔" میں نے کہا: "کر لیں اگر ماتا جی نے اجازت دے دی تو آپ جو کہیں گے' میں کروں گی۔" کامنی بائی نے آگے بڑھ کر مجھے لپٹا لیا تھا۔ پھر انہوں نے کہا:

"بھگوان کی سوگند روپا میں نے تیرے بارے میں یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"ماتا جی مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی۔" غلطی کہتی ہے تو..... تو نے وہ کام کر دکھایا جو میرے پاس آنے والی تمام لڑکیوں میں سے کوئی بھی نہ کر سکی..... روپا تو نے مجھے مالا مال کر دیا ہے۔"

"شکر ہے ماتا جی آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوئیں۔"

"ارے ناراضگی کی بات کرتی ہے' میں تو کہتی ہوں کہ کتنا اچھے لگے گا' تو سوچ بھی نہیں سکتی کہ تجھے ایک محل نما مکان بنا کر دیں۔ اس مکان میں دنیا کی ہر چیز مہیا کر دیں اور وہ مکان کامنی بائی کے نام کر دیں تاکہ کامنی بائی تجھے ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دے۔"

"بول کرے گی ایسا؟"

"ماتا جی جیسا آپ کہیں گی ویسا کروں گی میں۔" اور پھر میں نے اس رات بلم رام جی سے یہی بات کہی تو وہ مسکرا کر بولے:

"وہ بات کہی ہے تم نے روپا' جو ہم نے سوچا تھا مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مکان کامنی بائی کے نام کیوں ہوں؟"

"آپ جانتے ہیں بلم رام جی۔"

"کیا مطلب؟"

"میری ماں طوائف ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے۔"

"اور ایک طوائف کی اصل مانگ کیا ہوتی ہے؟"

"دولت۔"

"ماں نے مجھ سے پوچھا تھا آپ نے ان سے بات کی تھی نا۔"

"ہاں۔"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ بلم رام جی کیا بات کر رہے تھے' میں نے اصل بات نہیں بتائی' البتہ میں نے یہ کہا کہ بلم رام جی کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے' پھر ماتا جی نے یہی کہا مجھ سے کہ میں بلم رام جی سے کہوں کہ وہ ایک مکان بنا کر دیں' میں اس میں رہوں گی۔ بلم رام جی اسے بنائیں گے لیکن وہ مکان کامنی بائی کی ملکیت ہو گا۔"

"ہاں میں سمجھتا ہوں۔"

"لیکن تم چنتا مت کرو' میں انہیں مکان بنا کے دے دوں گا۔ ہم دونوں اس میں رہیں گے۔ تم اپنی بات بیچ میں نہ لانا..... تمہارے لئے تو میں اس سنسار میں سو گھر بنا دوں گا' کیا سمجھی؟ سو گھر بنا دوں گا..... ایسے حسین..... جنت جیسے..... کوئی دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہ جائے۔"

میں خاموش ہو گئی پھر اس رات بلم رام جی نے کامنی بائی سے کہا:

"کامنی بائی ہم نے تمہاری مانگ سن لی ہے' ایک بات دماغ میں رکھنا کہ ہم جو کچھ چاہتے ہیں..... حاصل کر لیتے ہیں اور بے ایمان کو کبھی نہیں چھوڑتے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بلم رام جی؟"

"کچھ دن کے لئے جا رہے ہیں مگر ہماری روپ کماری کو ہمارے لئے ہی رکھنا..... اس دوران یہ کسی کے سامنے ناچے گی بھی نہیں..... کیا سمجھی..... بولو اس کی کیا قیمت لیتی ہو؟"

"جو آپ کا دل چاہے دے دیں..... مہاراج آپ کا حکم ہمارے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ کو آپ کی منہ مانگی رقم پہنچا دی جائے گی۔ آپ ہمیں بتا دیجئے لیکن ہم ایک بار پھر کہے دیتے ہیں کہ جتنے دن تک ہم نہ آئیں ہماری روپ کماری کو نچایا نہ جائے۔ یہ ہمارا حکم بھی ہے اور درخواست بھی۔ آپ سمجھ لیجئے ہمارا حکم ماننے والے کو آسانیاں حاصل

ہو جاتی ہیں اور ہماری درخواست نہ ماننے والے کو بڑی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔"

"آپ کامنی بائی سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں؟" کامنی بائی نے کہا۔

اس کے بعد بلم رام جی مجھے بڑی تسلیاں دے کر چلے گئے۔

روپا یا انجنا کے دل میں نہ جانے کیسے کیسے طوفان جاگ رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی مختصر داستان بھی کس قدر طویل ہو گئی ہے لیکن جو کچھ میں جاننا چاہتا تھا' اس کے لئے اس لڑکی کی کہانی سننا ہی تھی مجھے اور پھر حقیقت یہ تھی کہ اس کہانی میں ایک انوکھا درد بسا ہوا تھا۔ روپا کی کہانی بڑی دردناک تھی وہ خود جیسے بھی دل کا غبار نکالنے پر تل گئی تھی۔ میں اپنے آپ میں کھویا ہوا تھا لیکن روپا کی کہانی نے مجھے اپنے آپ میں سمو لیا تھا اور میں اس کہانی کو سننے کے لئے بے چین تھا۔ میں نے دیکھا کہ روپا کی آنکھوں میں آنسو ہیں' میرے دل میں جو آنسو تھے' میں انہیں ہی نہ خشک کر سکا تھا تو روپا کی آنکھوں کے آنسو کیسے پونچھتا۔ کامنی بائی نے کہا:

"اب بلم رام جی کچھ عرصے کے لئے باہر چلے گئے ہیں' میرا خیال ہے انہیں وہاں کئی دن لگ جائیں گے..... تم نے اپنا کام پورا کر دکھایا روپا..... لیکن میں تم سے ایک بات کہوں۔"

"جی ماتا جی.....؟"

"تمہیں اندازہ ہے کہ اس وقت تمہارے دیوانوں کی تعداد کتنی ہے..... ان میں بلم رام جی سے زیادہ دولت مند تو کوئی بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی ہم بہت کچھ کھو رہے ہیں۔ روپا..... میں چاہتی ہوں کہ تم بلم رام جی کی غیر موجودگی میں ان لوگوں سے بھی رابطے قائم کرو جو ہم سے ناراض ہو گئے ہیں اور یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔"

"مگر ماتا جی..... اگر بلم رام جی کو پتا چل گیا تو؟"

"کیسے پتا چلے گا.....؟ یہ تو تمہاری عقل مندی پر منحصر ہے۔"

"آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔" میں نے کہا اور جب تک بلم رام جی واپس نہیں آ جاتے اتنے دن تک کے لئے میں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا۔ میں پھر رقص کرنے لگی۔ محفل پھر سے سج گئی..... شکوہ شکایات ہوئیں..... فرمائشیں ہوئیں اور رقص جاری ہو گیا۔ طوائف کے کوٹھے کا دروازہ کبھی کسی کے لئے بند نہیں ہوتا اور اس کھلے دروازے سے جس کا دل چاہے اندر آ جاتا ہے۔ میں پیچھے سے کچھ بھی تھی لیکن اس وقت جو کچھ تھی' مجھے اس

کے بارے میں اچھی طرح اندازہ تھا۔ پھر ایک نئی شخصیت وہاں آئی۔ یہ ایک خوبصورت نوجوان تھا..... بالی سی عمر یا..... بھولا بھالا..... نگاہیں جھکائے اندر چلا آیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس سے پہلے کبھی کسی کوٹھے پر نہ آیا ہو۔ پرانے پاپیوں کے بارے میں تو لمحوں میں پتا چل جاتا ہے۔ میں نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور نہ جانے کیوں میرا من دھڑکنے لگا..... نہ جانے کیوں مجھے اس پر ترس سا آنے لگا۔ پتا نہیں دکھوں کا مارا یہاں کیوں آ مرا ہے۔ میں نے کئی بار اسے دیکھا اور اس کے بعد وقت ختم ہو گیا۔ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا۔ اس نے ایک بار بھی نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں۔ میری ایک ساتھی لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ماتا جی اس نصیب جلے کو کیا فالج ہو گیا ہے۔"

"پتا نہیں..... میں بات کرتی ہوں۔ کامنی بائی نے کہا اور اس کے پاس جا کر بولی:

"سنو..... کیا سو گئے ہو۔" اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے کامنی بائی کو دیکھا اور بولا نہیں جاگ رہا ہوں:

"تم نے دیکھا سب چلے گئے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور اب ناچ گانا بند ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔"

"دروازے بند ہو گئے تو کہاں جاؤ گے۔"

"پتا نہیں۔"

"گھر سے بھاگے ہوئے ہو؟"

"مم..... میں کیا کہوں۔"

"نہیں جو دل میں ہے کہو' یہاں دلوں کے راز راز رکھے جاتے ہیں۔"

"میں ان سے..... ان سے....."

"کس سے؟" کامنی بائی نے مجھے دیکھا۔

"وہ۔"

"نہیں غلط ہے..... غلط نظر ڈال لی۔"

”بس جو کچھ بھی ہوا ہے۔“

”کیا؟“

”روپا کو پہلے سے جانتے ہو۔“

”نہیں تو پھر پہلی بار دیکھا ہے انہیں۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

”وہ بس تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھنا چاہتا ہوں۔“

”کوٹھے پر پہلی بار آئے ہو۔“

”ہاں۔“

”تبھی تو...... دیکھو کوٹھے کے آداب ہوتے ہیں۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”جو کچھ کہہ رہے ہو اس کی قیمت پتا ہے؟“

”نہیں۔“

”تو پھر چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اور آئندہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا' یہاں جان بھی چلی جاتی ہے۔“

”آپ سمجھی نہیں۔“

”میں سمجھنا بھی نہیں چاہتی' اب یہ بتاؤ تمہاری جیب میں کیا ہے؟“

”وہ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں ایک غریب آدمی ہوں...... کچھ دے نہیں سکتا۔“

”پھر ایسا کرو کہ خاموشی سے باہر چلے جاؤ' وہ دیکھو جن کی مونچھیں بڑی بڑی ہیں نا وہ تمہیں اٹھائیں گے اور سیڑھیوں سے نہیں بلکہ کھڑکی کے راستے باہر پھینک دیں گے...... کیا سمجھے...... ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں گے اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ غریب آدمیوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہوتی' آئندہ کبھی خواب میں بھی ادھر مت آنا...... چلو۔“

”آپ میری بات تو سنیں' میں ان سے بس تھوڑی سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بولا تو کامنی بائی نے دو سازندوں کو اشارہ کیا۔ یہ ہٹے کٹے طاقتور آدمی تھے' اپنی جگہ سے اٹھے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے آگے بڑھے اور نوجوان کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔

”آپ میری بات تو سنیں۔“ وہ بولا لیکن وہ دونوں اسے دھکے دیتے ہوئے باہر نکل گئے

تھے۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ کیا کرتی اپنے بستر پر پہنچ کر میری آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔ ہائے پتا جی کس پریم سے پالا تھا تم نے مجھے اور آج دیکھو کتنی بے بس ہوں میں نہ جانے کتنی دیر آنسو میری آنکھوں سے بہتے رہے' نہ جانے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی ایک شور سا مچا...... میں سو گئی تھی یا سونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن شور سن کر جاگ گئی...... نہ جانے کیسا شور ہے...... پھر میں نے کچھ آوازیں سنیں' کامنی بائی کی آواز تھی:

”کون ہے یہ؟“

”کامنی بائی گھر کے پچھلے حصے کی کھڑکی سے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا' ہم نے دیکھ لیا اور پکڑ لیا۔“

”ارے بتی تو جلاؤ...... کامنی بائی کی آواز ابھری...... میں نہ جانے کیوں ایک دم سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ آوازیں بڑے کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہاں جہاں رقص ہوتا تھا' میں نے حیرت سے دیکھا اور اسی وقت کامنی بائی کے منہ سے نکلا:

”ارے یہ تو وہی ہے...... وہی پاگل...... کمینہ کہیں کا۔“ میں نے بھی اسے دیکھا' یہ وہی نوجوان تھا جو کامنی بائی سے کہہ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ دیر باتیں کرنا چاہتا ہے۔

”ہونہہ...... تو یہ کھڑکی چڑھ کر آ رہا تھا...... کیوں میں نے تجھ سے کہا تھا نہ کہ دوبارہ ادھر کا رخ مت کرنا۔“

”دیکھیں میں بس تھوڑی دیر ان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”کامنی بائی پولیس کے حوالے کر دیں اسے یا خود مار مار کر ہڈیاں توڑ دیں۔“

”چوری کا الزام لگاؤ اور بند کرا دو۔“ جن لوگوں نے اسے پکڑا ہوا تھا ان میں سے ایک نے کہا:

”میں چور نہیں ہوں...... کامنی بائی میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ نوجوان بولا۔

”اب تو تیرا منہ توڑنا ہی پڑے گا...... ابھی حساب کتاب کراتی ہوں تیرا۔“

”سنو...... میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“ اچانک ہی میں آگے بڑھی اور وہ سب مجھے دیکھنے لگے۔

”کیا بات ہے روپا؟“ کامنی بائی نے مجھ سے پوچھا۔

"ماتاجی اس کا کوئی دوش نہیں ہے' میں نے خود ہی اس سے کہا تھا کہ کھڑکی سے اوپر آکر مجھ سے بات کرے۔ آپ اسے چھوڑ دیجئے چلو تم لوگ جاؤ۔" میں نے کہا اور سازندے جنہوں نے اسے پکڑا تھا' حیران رہ گئے۔ خود کامنی بائی بھی حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی تھی۔ چند لمحے خاموش رہی اور پھر بولی:

"روپا کیا کہہ رہی ہے تو...... تو نے اس سے کہا تھا کہ یہ تم سے ملنے کے لئے آئے۔"

"نہیں ماتاجی۔" میں نے جواب دیا اور کامنی بائی ایک بار پھر چکرا کر رہ گئی۔

"نہیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ان لوگوں کے سامنے تم نے یہ بات کیوں کہی؟"

"کیا کرتی ماتاجی' آپ تو اس بے چارے کو مروا ہی دے رہی تھیں۔"

"اس نے کام ہی ایسا کیا تھا۔"

"کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا...... کتنے لوگ آتے ہیں میرے پاس مجھ سے باتیں کرنے کے لئے اگر دو منٹ کے لئے یہ بھی آجاتا تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑتا۔" میں نہ جانے کیوں اس نوجوان کے لئے بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ کامنی بائی نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ چالاک عورت تھی موقع کی نزاکت کو سمجھتی تھی اور اندازہ لگا سکتی تھی کہ یہ لہجہ کتنا سرکش ہے پھر بھی مدھم لہجے میں بولی:

"تو کیا تو اسے اپنے کمرے میں لے جائے گی۔"

"نہیں...... میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی...... اگر یہ صرف مجھ سے باتیں ہی کرنا چاہتا ہے تو باتیں یہاں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں۔"

"نہیں روپ جی میں آپ سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" نوجوان پاگل ہی معلوم ہوتا تھا۔ اتنے برے حالات کے باوجود وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا...... بہرحال جو کچھ بھی تھا میں اس کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی تھی' جو صورت حال تھی اسے سمجھنا میرے بس کی بات نہیں تھی لیکن اس کی بھولی بھالی شخصیت اس کا میرے لئے اس طرح جان پر کھیل جانا بڑی پریشانی کی بات تھی۔ بہت دیر تک کامنی بائی اس سلسلے میں ٹال مٹول کرتی رہی لیکن اس کے بعد اس نے نوجوان کو اجازت دے دی...... میں جو ضد کر رہی تھی...... البتہ مجھے یہ بات معلوم

تھی کہ کامنی بائی دروازے پر موجود ہے اور اپنی کمینگی کا ثبوت دے رہی ہے۔ میں نے نوجوان سے کہا: "سنو تم جو کوئی بھی ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن ایک بات میں جانتی ہوں اگر تم ایک غریب آدمی ہو تو آئندہ یہاں آنے کا خیال دل سے نکال دو اور اگر تم بہت دولت مند ہو تو میرے پاس آکر اپنی بربادی کا سامان نہ کرو...... شاید میں کسی دوسرے شخص کو کبھی ایسی بات نہ کہتی لیکن تم مجھے اچھے لگے ہو' میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی دکھ ہو' اس لئے میری بات مان لینا تمہارے فائدے میں ہے۔" نوجوان ایک ٹک مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا:

"میں یہ سمجھ رہا تھا' روپ کماری کہ شاید آپ مجھ سے مختلف انداز سے بات کریں گی لیکن آپ نے میرا دل توڑ دیا ہے...... جب انسان کسی اپنے کو ہی نہ پائے تو پھر کیا کرے...... ٹھیک ہے۔" اس نے ایک نگاہ مجھے دیکھا...... ان آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا...... اس کے بعد وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

کامنی بائی نے شاید راستہ چھوڑ دیا تھا جیسے ہی وہ نگاہ سے اوجھل ہوا' کامنی بائی میرے پاس آگئی۔

"روپا دیکھو ویسے تو جو کچھ بھی تم نے کیا ہے وہ اچھا ہی کیا ہے' اس جیسے لوگوں کو تو ہمارے پاس آنا ہی نہیں چاہیے' لیکن ایک بات کہوں ایسے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ یہ جملے تم کسی اور سے نہ کہنا' ابھی جوانی ہے سرکشی ہے' کہیں ایسا نہ ہو یہ سرکشی تمہیں لے ڈوبے۔ تمہیں سمجھانا میرا کام ہے اور سمجھنا تمہارا کام۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" میں نے مری مری سی آواز میں کہا۔

میرا دل چاہتا تھا کہ اس نوجوان سے میں اچھی طرح باتیں کروں۔ اس کی سنوں' اپنی کہوں لیکن مجھے معلوم تھا کہ کامنی بائی دروازے پر چھپی ہوئی اندر کی باتوں پر کان لگائے ہوئے کھڑی ہے' ایسی صورت میں کوئی بات راز میں تو رہ نہیں سکتی پھر کہنے سے کیا فائدہ اس لئے میں خاموش ہی رہی تھی اس کے بعد میں اپنی مسہری پر جا لیٹی میرے دل میں اس نوجوان کے لئے محبت کا کوئی تصور تو نہیں ابھرا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں اس کے بارے میں سوچ ضرور رہی تھی اس کی صورت میری نگاہوں میں ابھر آتی تھی اپنے آپ کو سمجھا بھی رہی تھی کہ پاگل طوائفوں کو دلوں سے کیا واسطہ اپنے آپ کو سنبھال' کہیں کسی سے دل ہار بیٹھی تو

جیون بھر پریشان رہے گی۔ میں بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر مجھے نیند آ گئی دوسری صبح البتہ میں ٹھیک تھی رات کو اپنے کاموں میں مصروف رہی' وہ من کا مارا دوبارہ مجھے نظر نہیں آیا تھا۔

تیسرے دن دوپہر کے وقت کچھ لوگ کامنی بائی کے پاس آئے انہوں نے کسی تقریب میں مجرے کے لئے کامنی بائی سے بات کی تھی اور شاید اتنی رقم دی تھی کہ کامنی بائی تیار ہو گئی۔ ورنہ کوٹھے کو ہم لوگ بہت کم چھوڑتے ہیں۔ ان لوگوں سے بات طے ہو گئی۔ آنے والوں نے کہا تھا کہ وہ خود ہی لے کر جائیں گے۔ انہوں نے جس شخصیت کا حوالہ دیا تھا' اس کا نام شاید کامنی بائی نے بھی سن رکھا تھا بہرحال تیاریاں شروع ہو گئیں اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ میں بھی بال بال موتی پرونے لگی۔

ایک بڑی سی موٹر ہمیں لینے کے لئے آئی تھی۔ کامنی بائی میں اور دوسری لڑکیاں اس موٹر میں بیٹھ گئے دوسری موٹر میں ہمارے سازندے تھے' دونوں موٹریں ایک بہت شاندار سی حویلی کے سامنے جا کر رکی تھیں۔ کامنی بائی نیچے اتری اور پھر دونوں لڑکیاں اور پھر جیسے ہی میں نیچے اترنے لگی تو اچانک ہی وہاں کھڑے ہوئے ایک شخص نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد موٹر ایک جھٹکے آگے بڑھ گئی۔ میں تو حیرت سے سکتے میں رہ گئی تھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جھٹکے سے موٹر آگے بڑھی تھی' اس لئے میں سیٹ پر گر پڑی تھی کچھ دیر تو میرا دماغ چکراتا رہا' اس کے بعد صورت حال میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا یہ اچھا ہوا؟ سچی بات یہ ہے کہ کامنی بائی سے اکتا گئی تھی اور کئی بار میرے دل میں آیا تھا کہ اس سے تو کوئی اور جگہ ہوتی تو اچھا تھا۔ کامنی بائی تو ایک شکاری ہے وہ جیون میں مجھے کچھ نہیں کرنے دے گی۔

موٹر چلتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت حویلی کے سامنے رک گئی پھر موٹر چلانے والے نے اپنے منہ سے داڑھی مونچھیں اتار کر چہرہ میری طرف کیا تو میرا دل زور سے دھڑک اٹھا...... یہ تو وہی تھا...... وہی پاگل دیوانہ...... میں حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ اس نے کہا:

"مجھے اندازہ ہے روپ کماری کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی' لیکن کیا کروں اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔" میں بے اختیار مسکرا دی۔ میں نے کہا: "وہ سب تمہارے آدمی تھے...... اور وہ حویلی......؟"

"وہ میری نہیں تھی بلکہ اس حویلی میں جو کوئی رہتا ہے نہ...... اگر کامنی بائی نے وہاں شور شرابہ کیا' تو اب تک تھانے پہنچ چکی ہو گی۔"

"مجھے اس کی کوئی چنتا نہیں ہے...... میں خود بھی تم سے باتیں کرنا چاہتی تھی' پر کیا کروں اس سمے...... جب تم میرے ساتھ کمرے میں آئے تھے...... کامنی بائی ہم سے زیادہ دور نہیں تھی وہ دروازے سے کان لگائے ہماری باتیں سن رہی تھی۔" نوجوان کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔ اس نے کہا:

"تو گویا آپ...... آپ......؟"

"ہاں...... لیکن جو کچھ میں نے کہا تھا وہ اب بھی سچ ہے...... میں تمہیں غریب آدمی سمجھ رہی تھی' یہ اچھی بات ہے کہ تم حیثیت والے انسان ہو...... یہ بہت اچھی بات ہے...... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو مجھے بتاؤ؟"

"آپ آیئے...... اندر آیئے...... آپ نہیں سمجھتیں کہ میں نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا مجھے کیا نتیجہ بھگتنا پڑے گا...... لیکن بہرحال......" وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے میری ملاقات ان دو لڑکیوں سے ہوئی تھی' جو سادہ سے لباس میں ملبوس تھیں' انہوں نے حیرت سے مجھے اور اسے دیکھا اور پھر بولی:

"راجو بھئی کون ہیں یہ؟"

"فضول باتیں مت کرو' ماتا جی کہاں ہیں؟" وہ بولا۔

"کمرے میں ہیں اپنے۔"

"ہونہہ۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا...... ایک عجیب سا انداز تھا اس کا۔ دونوں لڑکیاں تیز تیز قدموں سے ہمارے پیچھے آ رہی تھیں اور میں حیران سی اس کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ ایک بہت بڑے کمرے میں ایک دبلی پتلی عورت جو شاید بیمار تھی...... بستر پر لیٹی ہوئی تھی...... اس نے پلٹ کر ہمیں دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر سیدھی ہو گئی ایک لڑکی آگے بڑھی اور اس نے کہا نہیں ماتا جی ڈاکٹر صاحب نے آپ کو اٹھنے کے لئے منع کر دیا ہے۔"

"یہ...... یہ...... لڑکی کون ہے راج دیو...... یہ لڑکی کون ہے؟" عورت نے اس نوجوان کو دیکھتے ہوئے کہا جس کا نام پہلے لڑکیوں نے راجو لیا تھا اور اب اس عمر رسیدہ عورت نے راج

دیو کہا تھا اسے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا نام راج دیو ہے۔

"ماتا جی یہ روپ کماری ہے...... وہی روپ کماری جس کے بارے میں...... میں نے آپ کو بتایا تھا۔ ماتا جی اس کے بغیر میں جیون نہیں گزار سکتا۔ ماتا جی بس میں نے ایک ایسا قدم اٹھالیا ہے جو خطرناک بھی ہے' میں اسے اپنے گھر کی صورت دکھانا چاہتا تھا۔ میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس نے کس طرح میری خوشی چھین لی ہے۔"

"تو نے اچھا نہیں کیا راج دیو۔"

"دیکھو روپ کماری میں تمہیں کس لئے یہاں لایا ہوں...... وہ میں نے تمہیں اس کوٹھے پر ہی بتا دینے کی کوشش کی تھی لیکن تم نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔"

"کیا تمہیں میری مجبوریوں کا علم نہیں تھا...... کیا میں تمہیں بتا نہیں چکی۔"

"یہ بہت بڑے آدمی کا گھر ہے روپ کماری...... لیکن اب یہ وقت آگیا ہے کہ کل سے ہم سڑکوں پر بھیک مانگتے پھریں گے۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہوا ہے...... ایسا تمہاری وجہ سے ہوا ہے...... صرف تمہاری وجہ سے...... تمہیں معلوم ہے...... یہ کس کا گھر ہے' بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ...... سب کچھ اپنی جگہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں تم سے کہ کامنی بائی نے ہمارے اس گھر کو تباہ و برباد کر دیا ہے...... ہمارے سروں سے ہمارا سایہ چھین لیا ہے...... ہماری ہر چیز بک چکی ہے...... ہمارا سب کچھ بک چکا ہے...... سمجھیں۔ یہ گھر بھی کامنی بائی کے قبضے میں جا چکا ہے۔ یہ گھر کامنی بائی کا ہو چکا ہے...... ہم سڑکوں پر نہیں آنا چاہتے۔ روپ کماری ہم دربدر نہیں ہونا چاہتے...... ہم کامنی بائی سے اپنا سب کچھ لینا چاہتے ہیں...... ہمارا پتا کامنی بائی کے قبضے میں ہے...... وہ سب کچھ اس کے حوالے کر چکا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا...... تمہیں ہماری مدد کرنا ہوگی...... روپ کماری تمہیں ہماری مدد کرنا ہوگی۔"

"اور کچھ۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس نوجوان کو دیکھا' میرے من میں ایک عجیب سا خیال ابھرا تھا۔ جیون میں نہ جانے کیا کیا کچھ کرتی رہی ہوں' اگر کسی کے لئے کوئی نیک کام کر دوں تو ہو سکتا ہے میرا جیون بھی سنبھل جائے۔ پہلی بار نیکی کا ایک کام کرنے جا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسے کاغذات اور ایسی چیزیں کہاں ہوتی ہیں۔ میں نے راج دیو کو دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ بات تھی...... تم یہ کہنا چاہتے تھے مجھ سے ہاں روپ کماری میری بہنوں کو دیکھ رہی ہو' دونوں کنواری ہیں...... ماتا جی کو دیکھ رہی ہو' بستر سے لگ گئی ہیں۔ پتا جی جو کچھ کر

چکے ہیں' اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ ساری دولت ساری جائیداد انہوں نے کامنی بائی کے حوالے کر دی ہے اور ہم کامنی بائی کے ایک اشارے پر سڑکوں پر آ سکتے ہیں۔"

نہیں راج دیو میں بہت بری ہوں...... بہت بری' لیکن تم نے مجھے ایک نیکی کرنے کا موقع دیا ہے سنسار میں تو میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔" میرے ان الفاظ سے بوڑھی عورت کے مردہ جذبات میں جیسے جان پڑ گئی' وہ بستر پر لیٹی اتنی کمزور' اتنی نڈھال نظر آ رہی تھی کہ لگتا تھا وہ اب تھوڑی سی زندگی گزار سکے گی لیکن میرے ان الفاظ سے اس کے نیم مردہ جسم میں جیسا ایک نئی روح دوڑ گئی اور وہ مسہری پر تھوڑی سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا: "بیٹی انسان کو کہیں تلاش نہیں کرنا پڑتا' انسان تو اپنے اندر ہوتا ہے' بس ذرا اپنے اندر جھانک لو' انسان مل جائے گا۔ تمہارے من میں اگر ہمارے لئے دیا آئی ہے' تو ہم حیرت نہیں کرتے کیونکہ یہ دیا ایک انسان کے لئے' ایک انسان کے من میں آئی ہے اور اگر انسان یوں ہی دنیا سے رخصت ہو جائے تو انسانیت کا نام ہی مٹ جائے۔ بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں بیٹی کہ بھگوان تمہیں سنسار کی ساری خوشیاں دے دے' ہمارا یہ کام کر دو۔"

"ماتا جی میں یہ کام میں ضرور کروں گی' آپ چنتا نہ کریں۔" اور پھر میں نے راج دیو سے کہا:

"راج دیو مجھے بتاؤ' میں تم لوگوں کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"دو تین پرونوٹ لکھیں ہیں پتا جی نے۔ ہمیں وہ چاہیں کیونکہ ان کے بغیر کامنی بائی ہماری دولت و جائداد پر قبضہ نہیں کر سکتی۔"

"میں جانتی ہوں وہ کہاں ہوں گے۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی:

"مجھے ذرا تھوڑی سی تفصیل بتا دو۔"

"میں بتا دیتا ہوں۔" راج دیو نے کہا اور میں اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

دل ہی دل میں ہنس رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ راج دیو میں نے تو یہ سوچا تھا کہ شاید تمہارے من میں میرا گھر بن گیا ہے۔ پر کوئی بات نہیں ایک طوائف کے لئے من میں جو جگہ ہوتی ہے' وہ بس اتنی ہی ہوتی ہے۔ مجھے اپنی جگہ کا اندازہ ہے وہ تو بس بھول ہو جاتی ہے کبھی کبھی اور انسان نہ جانے کیا کیا سوچ بیٹھتا ہے۔ چلو اچھا ہوا تم نے مجھے میری جگہ سمجھا دی۔ بہرحال وہ رات میں نے ان لوگوں کے ساتھ ہی گزاری احتیاط کے ساتھ واپس جانا چاہتی تھی

تا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے' سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔

دوسرے دن میں نے ان لوگوں کے ساتھ ناشتا کیا۔ اب میں نے اپنے من کو شانت کر لیا تھا اور پر سکون تھی۔ وہ نیک کام جو میں نے اس خاندان کے لئے کرنے کا فیصلہ کیا تھا بہرحال ایک اہمیت کا حامل تھا اور میں وہ نیک کام کر کے اپنے من کو خوشی دینا چاہتی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے راج دیو سے کہا:

"بس تم مجھے ایک تانگہ لا دو..... اور سنو آج سے ٹھیک تیسرے دن میں تم سے ملاقات کروں گی۔ ہمارا گھر تو تم نے دیکھا ہی ہے اس گلی کے آخری سرے سے واپس مڑنے کے بعد ہمارے گھر کے پچھلے حصے پر پہنچ جانا۔ نشان میں تمہیں بتائے دیتی ہوں' پیچھے پیپل کا درخت ہے' جہاں گورکن پوجا ہوتی ہے۔ بس تم اس پیپل کے درخت کے پاس پہنچ جانا۔ میرے کمرے کی کھڑکی اسی پیپل کے درخت کے سامنے کھلتی ہے۔ کیا سمجھے؟"

"کس وقت پہنچوں؟"

"دوپہر کو دو بجے..... ہم جن گھروں کے رہنے والے ہیں وہاں دن کی روشنی بیکار چیز ہوتی ہے کیونکہ ہمارا کام رات کو شروع ہوتا ہے' دن کو نہیں۔ اس سمے سب لوگ سو رہے ہوتے ہیں..... یاد رہے گا نہ آج سے ٹھیک تیسرے دن۔"

"ہاں مجھے یاد رہے گا۔"

"اور سنو اگر من میں کوئی کھوٹ ہو تو اسے نکال پھینکو..... میں تو آ ہی گئی ہوں تمہارے پاس..... جو من چاہے وہ سلوک کرو میرے ساتھ..... میں تمہیں دھوکا دے کر نہیں جا رہی۔ اس بات کو یاد رکھنا۔" راج دیو کچھ نہ بولا' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:

"میں تانگہ لے آتا ہوں۔"

"نہیں..... ایسے نہیں..... میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ..... اس جگہ سے تانگے میں بیٹھی تو ہو سکتا ہے کہ تانگے والا یہاں کے بارے میں بتا دے۔ مجھے کہیں دور لے جا کر تانگے میں بیٹھاؤ۔" راج دیو نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی۔

باقی سب کچھ بھی میری مرضی کے مطابق ہی ہوا۔ تانگے میں بیٹھ کر میں نے تانگے والے کو اپنے گھر کا پتا بتا دیا وہ تو ایسی جگہ تھی جسے سبھی جانتے تھے لیکن اپنے گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ راج دیو میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ تمہاری دیوانگی میرے لئے ہے'

تم نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی..... بڑا اچھا کیا..... آئندہ خیال رکھوں گی..... بلاوجہ دل میں نہ جانے کیا کیا خیالات بٹھائے رکھتی ہوں۔ اپنے آپ کو کتنا ہی سمجھا رہی تھی پر کیا کرتی من تو ایک عورت کا تھا اور عورت کتنی ہی بدلنے کی کوشش کرے اپنے آپ کو اندر سے عورت ہی ہوتی ہے۔ راج دیو جس انداز میں میرے پاس آیا تھا اور جو کچھ اس نے ظاہر کیا تھا' اس سے تو میں یہی سمجھی تھی کہ میرا پجاری ہے..... مجھے چاہتا ہے..... پر ایسا نہیں تھا..... اس کی کہانی دوسری تھی لیکن سچ جانو نہ جانے کیوں مجھے دکھ ہوا تھا۔ گھر واپس پہنچی..... تانگے سے اتر کر جیسے ہی اندر داخل ہوئی ایک ہنگامہ مچ گیا..... کامنی بائی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی..... باقی لڑکیاں بھی حیرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ کامنی بائی میرے بدن پر سجے ایک ایک زیور کو دیکھ رہی تھی' سب کچھ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ "اچھی تو ہے نا..... روپا تو اچھی تو ہے نا.....؟"

"ہاں میں ٹھیک ہوں..... کیوں؟"

"بس۔"

"کیا ہوا تھا تمہیں.....؟ کون تھے وہ پاپی.....؟ ہمارے ساتھ تو بہت برا سلوک ہوا۔ وہ بڑی چالاکی سے آئے تھے..... ہمارے آدمیوں کو مار پیٹ کر گاڑی سے اتارا..... بس تمہیں ہی اغوا کرنا چاہتے تھے..... ایسا کیوں کیا انہوں نے؟"

"پتا نہیں ماتا جی' انہوں نے مجھے بھی ایک ویرانے میں لے جا کر چھوڑ دیا اور مجھے کتنی پریشانی اٹھانا پڑی' میں تمہیں بتا نہیں سکتی میلوں پیدل چلتی رہی تب کہیں جا کر شہری آبادی تک پہنچی۔"

"ویرانے میں چھوڑ دیا.......؟"

"ہاں۔"

"پر کیوں کیا چاہتے تھے وہ؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آئی ماتا جی' کہ وہ کیا چاہتے تھے۔"

"میں تو سمجھتی ہوں کہ بھگوان نے دیا کی' ورنہ پاپی تجھ سے تیرا زیور ہی چھین لیتے اور سن ایک بات بالکل سچ سچ بتا کہیں....." کامنی بائی نے خاموش ہو کر میری صورت دیکھی اور میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا:

"نہیں ماتا جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اے بھگوان تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے' ورنہ میرا تو بڑا نقصان ہو جاتا۔ ارے میں تو نہ جانے کیا کیا سوچ بیٹھی تھی تیرے بارے میں۔"

بہرحال بات مُل گئی اور میرے دن رات پھر آرام سے گزرنے لگے۔ آرام سے تو میں کہہ رہی ہوں' بے کلی اس وقت شروع ہوتی تھی' جب رات ڈھل جاتی تھی اور میں پر ہوس نگاہوں کو اپنے بدن میں چبھتے دیکھ کر نڈھال ہو جایا کرتی تھی۔ ہائے ان آنکھوں میں کوئی میرے لئے پریم بھی پیدا کر دے۔ میں سوچتی تھی ماتا جی یعنی کامنی بائی کی سیف سے وہ پرونوٹ اور دوسری چیزیں نکالنا بڑا مشکل کام تھا لیکن میں نے اسے کر ہی لیا اور بہت اچھی طرح وہ کاغذات دیکھے...... سب کچھ ٹھیک تھا۔ اب مجھے یہ کاغذات راج دیو تک پہنچانے تھے اور وہ وقت آنے والا تھا' میں نے ان کاغذات کا ایک پیکٹ بنا لیا اور اس دن صبح سے ہی بے چین ہو گئی جس دوپہر مجھے وہ پیکٹ راج دیو کو دینا تھا۔ مقررہ وقت پر میں نے کھڑکی کھولی' گھر کے تمام لوگ سو رہے تھے۔ ٹھیک وقت پر مجھے راج دیو نظر آیا اور میں نے وہ پیکٹ اس کی طرف اڑا دیا۔ راج دیو نے اسے لپک لیا تھا اور اس کے بعد دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگائے تھے اور وہاں سے چلا گیا تھا مگر میں دھوپ بھرے موسم میں نہ جانے کب تک وہاں کھڑی راج دیو کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ پھر میں نے من ہی من میں کہا:

"بس اس سے زیادہ میری کوئی قیمت نہیں ہے' بہرحال میں نے کھڑکی بند کر دی۔ سارے پاپی سنسار میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سب اپنے من کی بات کرتے ہیں' دوسرے کے من میں کوئی جھانک کر نہیں دیکھتا۔ میری آرزو تھی کہ کوئی ایسا من کا میت ملے جو من میں آ بیٹھے...... اپنے من میں مجھے بٹھا لے...... چاہے وہ چھوٹی سی جھونپڑی ہی کیوں نہ ہو..... چاہے کوئی گندی سی جگہ ہی کیوں نہ ہو...... پر من کا سودا من سے کرے' لیکن ایسا کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ کوٹھے پر آیا اور اس نے میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میرا من دھڑک اٹھا۔ چہرے پر چاقو کا بڑا سا نشان تھا اور آنکھوں میں خون تیر رہا تھا اور نوٹوں کے ڈھیر ساتھ لایا تھا اور یہ سارے ڈھیر اس نے مجھ پر لٹا دیے تھے۔ کامنی بائی تو اس کے پاس ہی جا کر بیٹھ گئی اور اس سے باتیں کرنے لگی لیکن رات کو جب مجرا ختم ہوا تو چھمن لال سارنگیا آ کر بیٹھ گیا۔ کامنی بائی نے اسے دیکھا تو بولی:

"کیا بات ہے چھمن لال؟"

"ارے آپ اسے نہیں پہچانتیں کامنی بائی؟"

"کسے؟"

"وہ جو آج آپ کا منظورِ نظر رہا ہے۔"

"تم جانتے ہو اسے؟"

"آپ نہیں جانتیں' یہ حیرت کی بات ہے۔"

"ارے ہے کون' بک بک کئے جا رہے ہو...... میں کون سا سارے سنسار کو جانتی ہوں۔"

"وہ کنگن سنگھ ہے' ڈاکو کنگن سنگھ۔"

"ہیں......" کامنی بائی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"نہیں پہچانی تھیں نہ آپ اسے؟"

"ارے میں کیا جانوں' نام تو بڑا سنا ہے اس کا۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں...... کامنی بائی بہت اچھی طرح۔"

"اے بھگوان یہ تو سب لوٹ کا مال دے کر گیا ہے ہمیں...... کہیں پولیس نہ آ جائے یہاں تک۔"

"پولیس تو خیر کیا آئے گی مگر وہ پھر آئے گا...... روپا کو اس نے من میں بٹھا لیا ہے..... آپ تو چونکہ اس کو جانتی نہیں تھیں' اس لئے آپ نے اس پر توجہ نہیں دی اور میں تو اسے پہچانتا تھا' اس لئے دیکھتا ہی رہا میں اسے...... میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ روپا پر مرمٹا ہے۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے چھمن لال۔"

"بات خوشی کی ہے یا نہیں لیکن ڈاکوؤں کے قدم ہمارے ہاں آنے نہیں چاہئیں تھے۔"

"کیا بات کرتے ہو چھمن لال جی' ہمارے ہاں آنے والوں میں ڈاکوؤں کے سوا بھی اور کوئی ہوتا ہے..... ارے یہ سارے کے سارے مختلف طریقوں سے ڈاکے ڈالتے ہیں اور پھر لوٹ کا مال ختم کرنے کے لئے ہمارے پاس ہی آتے ہیں۔ اگر کنگھن سنگھ روپا کو پسند کرتا ہے تو یہ تو اچھی بات ہے' کوئی ٹیڑھی نظر سے نہیں دیکھے گا ہمارے کوٹھے کی طرف۔"

"ہاں پولیس کے سوا۔" چھمن لال نے کہا:

"اپنے منحوس منہ سے منحوس باتیں ہی نکالتے رہنا چھمن لال جی' کوئی کام کی بات مت کرنا۔" چھمن لال تو خاموش ہو گیا لیکن رات کو پھر میں بے چین ہو گئی۔ میری نگاہوں میں

نوکیلی مونچھوں اور زخمی چہرے والا کنگن سنگھ گردش کرنے لگا۔ میں نے غور نہیں کیا تھا اس
آنکھوں پر دوبارہ آیا تو غور کروں گی' میں نے دل میں سوچا۔ وہی تڑپ' وہی پیاس میرے م
میں تھی جو مجھے بے کل کر دیا کرتی تھی۔ کوئی تو ہو جو مجھے اپنے من میں بسا کر پیا نگر
جائے۔ بس یہ اذیت من میں تھی۔ پھر دوسرے دن کنگن سنگھ دوبارہ آگیا اور شاید اس
کامنی بائی سے کچھ کہا بھی تھا کیونکہ کامنی بائی پریشان ہو گئی تھی وہ چلا گیا اور میں نے کامنی با
کو کہتے سنا

"چھمن لال ذرا معلوم تو کرو یہ کنگن سنگھ یہاں کیسے آیا ہے۔"

"دن بھر آج اسی کے بارے میں تو معلوم کرتا رہا ہوں کامنی بائی' سوچا یہ تھا کہ رات
جب مجرا ختم ہو جائے گا تو بتاؤں گا...... وہ دوبارہ آگیا۔"

"ارے وہ تو نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا مجھ سے۔"

"کیا بک رہا تھا......؟"

"کہہ رہا تھا کہ روپا اسے دے دوں۔"

"کیا......؟"

"ہاں۔"

"کامنی بائی کچھ کرنا ہوگا...... تمہیں پتا ہے وہ ابھی تھوڑے دن پہلے ہی جیل سے چھوٹ ک
آیا ہے...... بڑی گڑبڑ ہو گئی...... تمہیں پولیس آفیسر سے ملنا چاہیے...... وہ بڑا خطرناک آد
ہے۔"

"جیل سے چھوٹ کر آیا ہے؟"

"تو اور کیا؟"

"ہائے رام میں کیا کروں میں تو بڑی پریشان ہو گئی ہوں۔"

"اب دیکھ لو کامنی بائی کیا کر سکتی ہو۔"

"وہ ایک صاحب آتے ہیں ہمارے ہاں...... نام بھول گئی ان کا...... ان کا کوئی عزیز بہت بڑ
پولیس والا ہے...... ان سے بات کروں گی کہ کچھ کریں۔"

"کر لینا...... جو مناسب سمجھو کر لینا...... مگر کچھ کر ضرور لینا۔

پھر وہی ہوا اس رات کنگن سنگھ میرے پاس آگیا۔ مجرا ختم ہو گیا تھا اور میں اپنے کمرے

میں آگئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کنگن سنگھ گیا یا نہیں۔ میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر
لیٹ گئی تھی۔ مجھے اپنے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک محسوس ہوئی۔ آدھی سوئی تھی
آدھی جاگ رہی تھی میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی کہ دروازے
پر کنگن سنگھ کھڑا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے خوف محسوس ہوا مگر پھر میں اپنے انہیں
جذبات کا شکار ہو گئی۔ کنگن سنگھ آگے آگیا تھا اس نے کہا:

"مجھے معاف کرنا دیوی جی...... من کا مارا ہوا ہوں...... سنسار نے مجھے پتا نہیں کیا سے کیا بنا
دیا ہے...... تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔"

"آؤ۔" میں نے آہستہ سے کہا اس نے اندر داخل ہو کر آہستہ سے دروازہ بند کر لیا' پھر
بولا:

"میرے آنے کا برا تو منایا ہو گا تم نے......؟ شکل بھی میری اچھی نہیں ہے...... یہ سینے کے
اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جسے دل کہتے ہیں...... دیوی جی انسان کی شکل کیسی بھی ہو یہ
پاپی ایک ہی شکل کا ہوتا ہے...... بالکل ایک ہی شکل کا...... ہر انسان کے سینے میں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دیکھو روپ کماری میرا ماضی بہت برا ہے۔ میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہوں اور
میرے من میں تمہارا پریم جاگ اٹھا ہے۔ جیون تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں اگر مجھے
اپنے من میں بسا لو تو سچ کہتا ہوں کہ سارے برے کام چھوڑ دوں گا۔ بولو کوئی گنجائش ہے۔"

"تم یہاں تک آئے کیسے؟"

"اگر یہاں تک آنا چاہوں تو تمہارے گھر میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو مجھے روک سکے
لیکن پریمی کے دوار دبے پاؤں ہی جانا ہوتا ہے...... گردن جھکا کر جانا ہوتا ہے اور میں چھپ کر
ہی یہاں تک آیا ہوں۔ وہ عورت اگر مجھ سے تمہارے وزن کے برابر سونا مانگتی تو میں اسے
دے دیتا مگر وہ باتیں ایسی کرتی ہے کہ مجھے غصہ آنے لگتا ہے۔ پر کیا کروں وہ تمہاری ماں ہے
تمہاری وجہ سے اس کے ساتھ بھی کوئی برا سلوک نہیں کر سکتا...... دیوی ایک بات سن لو میں
تمہیں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"تم اپنا قول نبھا سکو گے...... اپنا وچن پورا کر سکو گے کنگن سنگھ۔" میں نے کہا اور وہ چونک
پڑا۔

"کون ساوچن کون ساقول؟"

"یہی کہ اگر میں تمہاری ہو جاؤں تو تم برے کام چھوڑ دو گے۔"

"ہاں میں اپنا وچن پورا کروں گا۔"

"بھول تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"مجھے بھگا تو نہیں دو گے اپنے من کی بات پوری ہونے کے بعد۔"

"نہیں۔"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر میں تمہیں سیوکار کرتی ہوں۔" میں نے کہا اور اس کی آنکھوں میں جیسے چراغ جل اٹھے ہوں' اس نے کہا:

"تو پھر آؤ..... اپنا جو کچھ ہے یہاں سے لے لو اور نکل چلو میرے ساتھ۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ بہت سے زیور تھے..... بہت سامال تھا..... میں نے وہ سب گٹھڑی میں باندھا اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ سچی خوشی تھی یا پھر دھوکا کھا رہی تھی میں' لیکن راستے میں اس نے کہا:

"میں بہت طاقتور ہوں روپ کماری..... سنسار کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سنسار سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔ تم پریشان بالکل نہیں ہونا ہم نئے جیون کا آغاز کریں گے..... اس جیون میں تم ایک سچی اور پیار کرنے والی پتنی ہو گی اور میں تمہارا پریم جیون کے یہ لمحات کتنے ہی لمبے کیوں نہ ہوں' ہمارے لئے بڑے قیمتی ہوں گے۔ ہم دنیا والوں سے دور اپنی جگہ بنائیں گے۔ نہ جانے کیا کیا کہتا رہا وہ اور میں اس کے ساتھ لاری اڈے پہنچ گئی اور پھر ہم لاری میں بیٹھ کر چل پڑے۔ میں بہت خوش تھی..... بہت ہی خوش تھی۔ میں یہی تو چاہتی تھی اور ایسے من کے میت کو پا کر میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنا اچھا لگا تھا۔ لاری کا سفر جاری رہا۔ رات کا کافی سے بیت گیا تھا۔ میں کھڑکی سے گردن باہر نکالے بھاگتے ہوئے کھیتوں اور عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے جب بھی کبھی سفر کیا' دل میں کوئی خوشی نہیں ہوتی تھی لیکن آج کا یہ سفر بڑا عجیب تھا۔ کنگن سنگھ نے جو باتیں کہیں تھی وہ ایک طرح سے میرے لئے نئی زندگی کا باعث تھیں۔ بھگوان کرے کہ ایسا ہی ہو جیسا اس نے کہا تھا۔ ہم ایک چھوٹی

سی آبادی میں پہنچ گئے۔ لاری رکی اسے آگے جانا تھا۔ میں کنگن سنگھ کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ یہاں سے ایک ٹانگے میں سوار ہوئے اور ٹانگے والے کو اس نے ایک جگہ کا پتہ بتا دیا۔ میں نے اس سے پوچھا:

"کون سی جگہ ہے یہ اور ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ایک جاننے والے کا گھر ہے' اس گھر میں ایک بڑھیا رہتی ہے' کبھی کبھی میں اس بڑھیا کو پیسے دے دیا کرتا تھا..... تمہیں یہ تو معلوم ہو گا کہ میں اس سے پہلے ڈاکے ڈالتا رہا ہوں' اب میں اپنے گروپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ ہم نے اپنے بہت سے عارضی ٹھکانے بنا رکھے تھے انہی ٹھکانوں میں سے ایک ٹھکانہ یہ بھی ہے' ہم اس گھر میں آ کر چھپ جایا کرتے تھے اور بڑھیا کو پیسے دے دیا کرتے تھے وہ آرام سے ہمارے سارے کام کر دیا کرتی تھی۔ کچھ وقت ہم یہاں رکیں گے اور اس کے بعد یہاں سے بھی آگے نکل چلیں گے ابھی ایک جگہ رکنا مناسب نہیں ہو گا۔ میں نے گردن ہلا دی۔

ٹانگے کا سفر ختم ہوا..... یہ بستی کچے پکے مکانوں پر مشتمل تھی۔ چھتوں پر گھاس پھوس کے چھپر پڑے ہوئے تھے۔ ایک بوسیدہ سے گھر کے سامنے کنگن نے ٹانگے سے اترنے کے بعد دروازہ بجایا تو دروازہ کھل گیا۔ میلی کچیلی ساڑھی میں لپٹی ہوئی ایک عورت نے کنگن سنگھ کو دیکھا اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ "ارے کنگنا تو ہے؟"

"ہاں میں ہی ہوں ماسی..... یہ دیکھو اپنی پتنی لایا ہوں۔ میں نے کہا کہ چل ذرا ماسی کے چرن چھو لے..... کیونکہ اس سنسار میں ماسی کے سوا میرا اور کوئی نہیں ہے۔"

"بھگوان تجھے سکھی رکھے..... تم نے شادی کب کر ڈالی؟" بوڑھی عورت نے کہا۔

کنگن سنگھ میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا تھا۔ چھوٹا سا صحن' برآمدہ اور ایک کوٹھری یہ اس گھر کی پوری کائنات تھی۔ بڑھیا ہماری خاطر مدارت میں مصروف ہو گئی۔ کنگن سنگھ یہاں آ کر بہت مطمئن ہو گیا۔ عورت نے کہا:

"میں تیرے لئے ناشتا بناتی ہوں..... بہو کو آرام سے بٹھا۔" مجھے یہ الفاظ امرت محسوس ہو رہے تھے۔ کیا سچ مچ میرے جیون کا یہ انوکھا سپنا پورا ہو جائے گا۔ میں نے من ہی من میں سوچا..... سپنے پورے ہو بھی جاتے ہیں اگر انسان کی لگن سچی ہو..... بہت سی باتیں مجھے یاد آ رہی تھیں۔ کنگن سنگھ نے کہا:

"بوڑھی ماسی سے یہ کہنا ضروری تھا۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں کوئی دھوکا دوں گا۔ پھیرے کروں گا تیرے ساتھ..... پتنی بناؤں گا تمہیں اپنی...... دنیا بھر کی عزت دوں گا تمہیں۔"

میرے دل میں مسرتوں کے چراغ جل اٹھے تھے۔ بوڑھی عورت نے ناشتا تیار کیا' کچی پکی پوریاں اور ترکاری مگر میں بتا نہیں سکتی کہ اس میں مجھے کتنا مزا آیا تھا۔ کنگن سنگھ نے کہا:

روپ اب تو آرام کر یہاں...... سو جا...... سفر میں ساری رات جاگتی رہی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے ہمیں یہ رات یہیں بتانی پڑے۔ اگر ضروری نہ ہوا تو آج ہی رات ہم یہاں سے چل پڑیں گے۔ سمجھی.....؟ تجھے معلوم ہے کہ میں نے ماسی سے کیا کہا ہے ایسے ہی ظاہر کرنا جیسے تیری میری شادی ہو چکی ہے' ماسی کو شک نہ ہونے پائے۔"

"ٹھیک ہے مگر تم کہاں جا رہے ہو۔"

"ذرا سی معلومات بھی تو کرنی ہو گی کہ کامنی بائی نے ہم لوگوں کے آنے کے بعد ہمارے خلاف کیا کیا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے..... ویسے وہ بہت چالاک ہے...... سمجھ تو جائے گی کہ یہ تمہارا کیا ہوا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہے...... میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا روپ کماری۔" اس نے مجھے اطمینان دلایا اور مجھے نہ جانے کیوں اطمینان سے ہو گیا...... وہ چلا گیا۔ بوڑھی عورت میرے پاس آ کر بیٹھ گئی کہنے لگی:

"بہت اچھا ہے کنگن' مجھے ماسی کہتا ہے' میں بھی اس پاپی سے پریم کرنے لگی ہوں' پر یہ مجھے معلوم ہے کہ برے کام کرتا ہے۔ بیٹی میرا اس سنسار میں کوئی نہیں ہے بس یہ سمجھ لے بھگوان نے جتنا جیون دیا ہے اسے گزارنے پر مجبور ہوں..... کوئی اپنے ہاتھوں سے اپنی ہتھیا نہیں کر لیتا..... میں بھی نہیں کر سکتی...... کسی نہ کسی طرح گزارا ہو ہی جاتا ہے۔

پھر بولی: "اچھا سن کنگن سنگھ جو کچھ ہے تمہیں معلوم ہے نا اس کے بارے میں؟"

"ہاں ماسی مجھے معلوم ہے۔"

میں نے کہا: "پر من کا اچھا ہے...... میرے ساتھ تو اس نے کبھی برا سلوک نہیں کیا۔"

"بھگوان کرے تو بھی اس کے ساتھ خوش رہے۔"

"ہاں ماتا جی بس دعائیں ہی چاہئیں۔"

وہ مجھ سے بہت سی باتیں کرتی رہی۔ پھر رات کو کنگن واپس آ گیا اس نے مسکراتے ہوئے

کہا:

"تو خوش تو ہے نا روپ کماری۔ اب تو دل چاہتا ہے ایک لمحے کے لئے بھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں۔"

"تو مت چھوڑو نہ میرا ساتھ..... میں کب کہتی ہوں یا میں کب چاہتی ہوں۔"

"ہاں...... وہ بات اصل میں یہ ہے کہ جیل سے چھوٹا تھا تو جیب میں کچھ نہیں تھا جو کچھ لوٹ مار کر کے حاصل کیا تھا کامنی بائی کو دے دیا اور اس کے بعد خالی ہاتھ ہو گیا۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے میں جو تمہارے لئے اتنا کچھ لے آئی ہوں۔" میں نے کہا

"ارے تو کیا اب تیرے بل پر جیئوں گا' بازو دیکھ میرے..... جو کچھ چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"دیکھو کنگن اس میں جو کچھ بھی ہے وہ تمہارا ہے میں کبھی نہ بولوں گی..... لیکن جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرنا۔ جیون میں سارے برے کام چھوڑ دو' ایک اچھے انسان بن جاؤ..... میں سمجھوں گی کہ سنسار میں مجھے سب کچھ مل گیا۔"

"تو چنتا مت کر یہی کوشش کروں گا۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گئی۔

رات کو وہ میرے پاس آ لیٹا۔ بوڑھی عورت صحن میں چارپائی بچھا کر سو گئی تھی۔ کنگن کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ آہستہ سے بولا:

"کیوں کیا ہو گیا؟"

"کنگن سنگھ ساری باتیں مانی ہیں نا میں نے تمہاری...... تمہیں کوئی شکایت تو نہیں ہوئی مجھ سے؟"

"نہیں روپا..... کیوں۔"

"ایک بات تم میری مان لو۔"

"ہاں ہاں بولو۔"

"دیکھو کنگن وہ طوائف کا کوٹھا تھا..... وہاں میں طوائف تھی۔ یہاں میں طوائف کے گھر سے بھاگ کر آئی ہوں..... میں طوائف نہیں بننا چاہتی۔"

"کیا مطلب؟"

"بھگوان کی سوگند ابھی تک میں پوتر ہوں..... میرے شریر کو کسی نے نہیں چھوا...... میرے من میں یہی آرزو تھی کہ میرا شریر میرا پتی چھوئے..... تم میری یہ بات مان لو......

میرے شریر کو اس سمے تک ہاتھ نہ لگاؤ جب تک ہمارے پھیرے نہ ہو جائیں۔" کنگن سوچ میں ڈوب گیا' پھر بولا:

"تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے روپ کماری؟"

"نہیں کنگن یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"میرے من میں جو کچھ ہے میں تمہیں بتا چکی ہوں..... میری یہ آرزو پوری کر دو کہ میں اپنے آپ کو ایک عورت سمجھوں۔" کنگن کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر وہاں سے اٹھ گیا اور کہنے لگا:

"ٹھیک ہے میں باہر جا کر سو جاؤں گا۔ تمہاری یہ آرزو پوری کرنا میرا فرض ہے۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی کنگن..... تم مجھے ایک عورت کا مان دے دو میں اپنا سارا جیون تمہارے قدموں میں لٹا دوں گی۔"

"میں نے کہا نا اس کی تم چنتا نہ کرو روپا..... بس میں نے تیری ہر بات مانی ہے..... اب بھی تیری بات مانوں گا۔ ویسے کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے' تیاری کر لینا..... ایک اور بستی چل رہے ہیں ہم..... بہت بڑا شہر ہو گا وہ اور وہاں جو کچھ بھی ہو گا تو خوش ہو جائے گی۔"

کنگن کی شرافت پر میں نے اس کی طرف شکر گزار نگاہوں سے دیکھا تھا اور وہ سچ مچ باہر نکل گیا تھا۔

ایک بار پھر میرے من میں خوشیوں کا بسیرا ہو گیا تھا۔ یہ کنگن تو واقعی اچھا آدمی ہے۔ میں نے دل میں سوچا تھا۔ انسان کی آنکھ بہت چھوٹی ہوتی ہے وہ صحیح انسان کو نہیں پہچان سکتی۔ کوئی اور موقع ہوتا..... کوئی اور وقت ہوتا اور کنگن سنگھ جیسی کوئی شخصیت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مانگتی تو میں بھلا کیسے اسے اپنا ہاتھ دے سکتی تھی۔ لیکن کنگن سنگھ بالکل ہی مختلف نکلا تھا' اس نے کھیل بھی دوسرا کھیلا تھا۔ ابھی تک جو کچھ کہتا رہا تھا..... وہ کرتا رہا تھا۔

دوسری صبح ہم وہاں سے چل پڑے اور کنگن سنگھ مجھے ریل میں بٹھا کر کسی اور نگر لے چلا۔ اب بھلا اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ میں اس سے پوچھتی کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے۔ اس نے ہر طرف سے میری لاج رکھی تھی' سو میں بھی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ ریل سے باہر جھانکتی تو سنسار دوڑتا ہوا لگتا تھا۔ کیا سارا سنسار اسی طرح دوڑ رہا ہے'

اس کا انت کہاں ہوتا ہے۔ پھر ہم ریلوے اسٹیشن پر اترے اور ایک تانگے میں بیٹھ کر چل پڑے۔ کنگن سنگھ نے مجھے بتایا:

"یہ بنسی پور ہے اور بنسی پور میں رانا جگن اپنا یار ہے۔ ایسا یار کہ روپا تو دیکھے تو دیکھتی رہ جائے گی۔ بڑی جائیدادیں ہیں یہاں اس کی اور بنسی پور کے بڑے بڑے اسے رقم ادا کرتے ہیں' اپنی عزت..... اپنی جان..... اور اپنا مال بچانے کے لئے۔ ویسے رانا جگن باہر سے اخروٹ ہے اور اندر سے اس کا نرم گودا۔ بس تمہیں ذرا وہاں احتیاط رکھنی پڑے گی۔"

"کیسی احتیاط؟" میں نے سوال کیا۔

"دیکھو دھرتی پر انسان رہتے ہیں بھگوان نہیں اور انسان کے اندر کب اور کس وقت شیطان جاگ اٹھے' کوئی نہیں کہہ سکتا۔"

"پر مجھے تو کوئی تجربہ نہیں ہے۔" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑا۔

"تجربہ دنیا کو پرکھنے سے آتا ہے روپا' آسمان سے نہیں ٹپکتا۔" پھر تانگہ ایک لمبے اونچے گھر کے سامنے رک گیا۔ کچا پکا گھر تھا لیکن بہت بڑا تھا۔ یہاں اتر کر کنگن نے تانگے والے کو پیسے دیئے۔ مجھ سے کہا کہ تھوڑا سا گھونگٹ نکال لوں اور میں نے وہی کیا جو اس نے کہا تھا اور پھر ہم اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

چاروں طرف درخت پھیلے ہوئے تھے' سبزیاں لگی ہوئیں تھیں۔ سامنے ایک گھر بنا ہوا تھا۔ گھر کے سامنے برآمدہ' برآمدے میں بہت سے لوگ موجود تھے' ان کے درمیان ایک لمبا چوڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا وہ کنگن کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور حیرت سے ہمیں گھورنے لگا اور پھر جیسے ہی ہم اس کے قریب پہنچے تو وہ خوشی سے چیخ اٹھا:

"کنگن ارے میرے یار..... میری جان کے ٹکڑے۔" وہ آگے بڑھ کر کنگن سے لپٹ گیا اور کنگن نے بھی اس سے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور پھر رانا جگن نے کہا:

"ارے تو کہاں سے آ گیا..... یہ کون ہے تیرے ساتھ؟"

"پہلے یہ بتا تو کیسا ہے جگن ٹھیک تو ہے نا۔"

"لے کیسا نظر آ رہا ہوں تجھے..... ٹھیک نظر نہیں آ رہا کیا؟ تو بھی کچھ تگڑا ہو گیا ہے' بڑا مال کھاتا رہا ہے شاید۔"

"ہاں سرکاری مال۔" کنگن نے کہا اور ہنس پڑا۔

"ابے سرکار اپنی ہے...... مال اپنا ہے...... اپنا ہی مال کھایا...... پر یہ گٹھڑی میں کیا لے آیا تو؟" اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

میں گھونگٹ سے آنکھیں پٹپٹا پٹپٹا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ لمبا چوڑا کالا بھجنگ...... بڑی بڑی آنکھوں والا...... دیکھنے سے ہی خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ کنگن نے کہا:

"بھاوج ہے تیری...... سوچا تیرے لئے ایک بھاوج لے آؤں۔"

"کیا؟" جگن اچھل پڑا اور پھر کنگن کا گریبان پکڑ کر بولا:

"بھوتنی کی اولاد...... میرے بغیر ہی شادی کر لی...... اتنا کمینہ ہو گیا ہے تو...... ارے میری بھابھو کو اس طرح لے کر آیا ہے میرے پاس...... میرا تو من چاہتا تھا کہ خود تیری بارات لے کر جاؤں گا...... گھوڑے پر بٹھاؤں گا تجھے...... تاشے بجواؤں گا تیرے پیچھے۔ اری او بھابھو دیکھ کتنا کمینہ نکلا میرا یار...... میرے من کی ساری آشائیں من میں ہی رہ گئیں...... پر تو تو جیل میں تھا کیا وہیں پر شادی رچالی......؟ میں بھی کیسا بیوقوف ہوں' ارے میری بھابھو آئی ہے اور باہر کھڑی ہے...... چلو بھئی چلو...... ہٹو راستہ دو۔" اس نے اپنے آدمیوں سے کہا اور وہ سب کائی کی طرح پھٹ گئے۔ رانا جگن نے کہا:

"آؤ بھابھو...... اندر آؤ...... باہر کیوں کھڑی ہو۔" پھر وہ ہمیں ساتھ لئے ہوئے اندرونی حصے میں پہنچ گیا۔

گھر اندر سے بہت اچھا تھا۔ پہلے یہ برآمدہ تھا اس کے بعد اندر بے شمار کمرے۔ مکان بہت بڑا تھا کنگن سنگھ اور میں رانا جگن کے ساتھ چل رہے تھے۔ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے تو اس نے دروازہ کھولا اور بولا:

"بھاوج یہاں تمہارے لئے بہت زیادہ آسائشیں تو نہیں ہیں' لیکن جگن اپنی بھابھو کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہونے دے گا۔"

"تیرا شکریہ جگن' بہت اچھی جگہ ہے یہ...... میری دیکھی ہوئی ہے اسی لئے میں اسے یہاں لے آیا ہوں اور سن میں ذرا خطرے میں ہوں۔"

"کس سے خطرہ ہے میرے یار کو......؟" جگن نے سینہ تان کر کہا۔

"وہ اصل میں......"

"نام بتا دے میرے یار...... اس کی گردن لا کر تیرے سامنے ڈال دوں گا۔"

"کسی اور سے نہیں بلکہ پولیس سے ہے۔"

"پولیس!" جگن چونک کر بولا:

"ہاں۔"

"کیا تو جیل سے بھاگا ہوا ہے؟"

"نہیں بھاگا ہوا نہیں ہوں...... کچھ اور چکر ہے تجھے بعد میں بتا دوں گا۔"

"خیر کوئی پروا نہیں میں پولیس سے بھی نمٹ لوں گا۔" پھر وہ کنگن کا بازو پکڑ کر باہر نکل گیا اور میں اس وسیع و عریض کمرے میں تنہا رہ گئی۔ پتا نہیں دل اندر سے کیسا ہو رہا تھا۔ تھوڑی سی پریشان بھی تھی اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ آگے بڑھ کر میں سامنے پڑے ہوئے پلنگ پر جا بیٹھی۔

کمرہ پرانی طرز کا تھا۔ ایک چھوٹی سی کھڑکی پیچھے کی طرف کھلتی تھی جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں لیکن پٹ نہیں تھے۔ چھت کے قریب دو روشندان تھے جن میں سے روشنی اور ہوا اندر آ رہی تھی۔ اس طرح کمرے کے ماحول میں تازگی تھی۔ پورے کمرے میں اس مسہری کے علاوہ ایک میز اور دو تین کرسیاں اور ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔ ایک طرف مٹکا رکھا ہوا تھا' جس پر گلاس موجود تھا۔ دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا اور اس کے پاس بھی ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی' جس میں ایک پٹ لگا ہوا تھا اور دوسرا غائب تھا۔ ایک چھوٹا سا پردہ بھی پڑا ہوا تھا جسے دونوں طرف باندھ دیا گیا تھا۔ یہ ہماری نئی قیام گاہ تھی۔

کنگن پر اعتبار بھی تھا مگر من کو شانتی نہیں مل رہی تھی۔ اس من کا کیا کروں' نہ جانے کیوں ایک کسک سی من میں تھی' یہ کسک کیسے دور ہو۔ کچھ دیر بعد اپنی جگہ سے اٹھی اور مٹکے سے پانی نکال کر پیا۔ تھوڑا سا سکون ملا۔ دروازے کی طرف دیکھا کوئی آیا تھا' میں ایک دم سے چونک کر سنبھل گئی۔ آنے والی ایک عورت تھی جس نے ایک میلی کچیلی سی ساڑھی باندھی ہوئی تھی' اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے اس نے ایک طرف پڑی میز پر رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی' میں نے اس کی مسکراہٹ کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ اس طرف دیکھا تھا جس طرف اس نے وہ بڑی سی تھالی رکھی تھی۔ اس تھالی میں طرح طرح کی مٹھائیاں اور پھل رکھے ہوئے تھے وہ ابھی یہ چیزیں رکھ کر سیدھی ہوئی بھی نہیں تھی کہ باہر سے رانا جگن کی آواز سنائی دی:

"ہم اندر آ رہے ہیں بھابھو جی' گھونگٹ مت نکالنا۔" میں ایک دم سے سنبھل گئی میں نے گھونگٹ نکال لیا تھا پھر اس کے پیچھے کنگن کو دیکھ کر سکون حاصل ہوا۔ کنگن ہنس رہا تھا۔ جگن بولا:

"اس نے تو ہم سے غداری کی ہے بھابھو جی' پر اب تمہیں بات نبھانی ہوگی۔ ارے کنگن بھابھو جی سے کہہ کہ ہمارے سامنے گھونگٹ نہ نکالے۔" کنگن بولا:

"تو خود ہی آگے بڑھ کر اس کا گھونگھٹ الٹ دے۔"

"نہ بھائی نہ یہ حق تیرا ہے۔ ہماری تو یہ بھابھو جی ہے۔" جگن نے کہا اور پھر بولا:

"اب سن بھابھو جی ہم یہ جگہ تیرے سپرد کر رہے ہیں۔ کھانا پکائے گی..... ہمیں کھلائے گی تب ہم کنگن کو معاف کریں گے۔ لو بھئی..... اب ہم تو چلتے ہیں..... چل بھائی کنگن اب تو ہی بھابھو جی کا گھونگھٹ الٹ' یہ حق تیرا ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور کنگن ہنستا ہوا میرے پاس آ بیٹھا۔ میں گھونگھٹ اٹھا کر کنگن کو دیکھنے لگی پھر میں نے کہا:

"کنگن وہ عورت کون تھی جو یہ پھل لائی ہے؟"

"پتہ نہیں..... کیوں.....؟"

"میرا مطلب ہے یہاں اور بھی عورتیں ہیں کیا؟"

"نہیں میرا خیال ہے یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا یہ جگہ ہمارے لئے ٹھیک ہے؟"

"نہیں روپا..... پر ابھی مجبوری ہے..... ہمیں کچھ دن سنسار سے چھپنا ہوگا اور اس کے لئے یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ جب کامنی بائی تھک ہار کے بیٹھ جائے گی تو ہم اپنے لئے کوئی اچھی جگہ پسند کریں گے۔ اصل میں رانا جگن بڑے تعلقات والا آدمی ہے۔ پولیس سے بھی اس کی گہری دوستی ہے اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم یہاں ہوں گے۔ فرض کرو اگر کسی کو بھی پتہ چل جائے تو کنگن کے اڈے پر ہم پر ہاتھ ڈالنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن.....! لیکن کیا تمہیں اعتبار ہے ہر ایک پر۔"

"جگن کی بات کر رہی ہے؟"

"ہاں۔"

"جگن بھروسے کا آدمی ہے۔"

"مگر اس جگہ تو بہت سے لوگ تھے۔"

"ہاں یہ اس کا اڈہ ہے..... یہاں جوا ہوتا ہے..... چرس بکتی ہے..... سب کچھ ہوتا ہے یہاں پر لیکن ہمارے لئے یہ جگہ بری نہیں ہے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر تو ابھی کافی دن تک لگے گا تمہیں..... کامنی بائی کے سپنے آتے رہیں گے لیکن جب تک یہ ڈر دل سے نکالو گی نہیں خود سے نکلے گا۔ ویسے یہ تو تمہیں پتہ ہے کہ میں نے جگن سے کہہ دیا ہے کہ میری شادی ہو گئی ہے۔ معاف کرنا جگن کے گھر میں مجھے تمہارے کمرے میں ہی سونا پڑے گا..... یہ ایک مجبوری ہے..... لیکن تم اطمینان رکھو میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ تم جگن کو اصل بات بتا دیتے' یہیں ہمارے پھیرے ہو جاتے۔"

"اب تو ایسی باتیں کر رہی ہے کہ میرے من میں برائی پیدا ہو جائے۔ ساری باتیں بتا چکا ہوں پھر بھی وہی بچوں والی ضد..... کہہ دیا نا کہ پھیرے بھی ہو جائے گئے..... پتہ نہیں تو سمجھ کیوں نہیں رہی..... اگر میں اسے بتا دیتا کہ تو میری پتنی نہیں ہے صرف پریمکا ہے تو اس کا انداز یہ نہ ہوتا۔ وہ بے شک برا آدمی نہیں ہے لیکن اتنا اچھا بھی نہیں کہ اس پر پورا پورا بھروسہ کر لیا جائے..... ویسے تو اپنے لئے فکرمند نہ ہو ہم بہت جلد اپنے لئے جگہ تلاش کر لیں گے۔ بنسی پور بہت بڑا ہے۔"

"ٹھیک ہے!"

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اب تک کنگن نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی اور میں اس کی مہربانیوں کی معترف تھی۔ اس طرح کم از کم کامنی بائی سے چھٹکارہ حاصل ہو گیا تھا۔ کنگن زمین پر چادر بچھا کر سو گیا اور میں نے جو کچھ بھی کھانا تھا' کھا پی کر پلنگ سنبھال لیا۔

صبح کو آنکھ کھلی تو کنگن ابھی تک سو رہا تھا۔ باہر سے دروازہ کھلا ہوا تھا اور میں نے دیکھا وہی عورت دروازے پر کھڑی ہوئی ہے۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر ایک دم میرے دل کو خوف کا احساس ہوا تھا۔ وہ بولی:

"چلو بہو..... سورج نکل آیا ہے نہالو۔" میں خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ مجھے اس جگہ لے گئی' جہاں ایک کنواں بنا ہوا تھا۔ کنوئیں پر ڈول رکھا ہوا تھا۔ سامنے ہی رسی پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ اور یہ چادر ہی اس جگہ کی آڑ تھی۔ میں نے سوچا کہ اس وقت آس پاس کوئی نہیں ہے چنانچہ میں نہالوں۔ جب میں نے نہانے کی تیاریاں کیں تو اچانک ہی مجھے اپنے عقبی حصے سے ایک درخت کے پیچھے سے رانا جگن آتا نظر آیا۔ وہ عورت بھی وہیں تھی اور ابھی تک گئی نہیں تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا' اس وقت میرا لباس مجھ سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور تو کچھ نہ بن سکا' رسی پر پڑی ہوئی چادر میں نے اپنے اوپر کھینچ لی۔ رانا جگن اپنی جگہ پتھرا سا گیا تھا۔ اس نے چند لمحوں تک مجھے حیرت سے دیکھا۔ چادر نے میرا بدن تو ڈھانک دیا تھا لیکن چہرا کھلا ہوا تھا۔ اس نے کہا:

"یہ کون ہے؟"

"مہمان ہے رانا جی' اپنے کنگن سنگھ جی کی دھرم پتنی۔"

"اوہ..... اچھا۔" اس نے کہا۔

پاپی ایسے گھور رہا تھا مجھے جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ آنکھیں ہٹائے بغیر بولا: "اچھا اچھا بھابھو جی ہیں..... معاف کرنا بھابھو جی اچانک سامنا ہو گیا۔ مجھے معافی مانگنی تو نہیں چاہیے۔ دیور بھابی میں پردا کیسا مگر پھر بھی....." اس نے بدستور مجھے گھورتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا اس کی گردن ابھی تک مڑی ہوئی تھی۔ وہ مجھے پوری طرح آنکھوں سے کھا لینا چاہتا تھا۔ میرے بدن میں ایک کپکپی سی دوڑ گئی۔ عورت کو اور کوئی تجربہ ہو یا نہ ہو لیکن کسی کی آنکھوں کا شیطان اسے صاف نظر آ جاتا ہے۔ میں نے بھی محسوس کیا کہ اچانک ہی جگن کی آنکھوں میں شیطان آ بسا ہے۔ بہرحال نہا کر فارغ ہونے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی۔ کنگن آیا تو بولا:

"کیا بات ہے تم ابھی تک اداس ہو روپا.....؟ کیا گھر چھوڑنے کا دکھ ہوا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے..... یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو کنگن کہ میں اس نرگ سے ہر قیمت پر نکلنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر کیا بات ہے' ابھی تک میں نے تمہارے چہرے پر وہ مسکراہٹ..... وہ خوشی نہیں دیکھی جو ہونی چاہیے تھی؟"

"نہیں بس ایسے ہی من میں نہ جانے کیا کیا خیالات آتے ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کامنی بائی کا خوف ہے؟"

"ہاں وہ بھی ہے اور یہ جگہ بھی مجھے اچھی نہیں لگتی لیکن تمہاری مجبوری جان گئی ہوں میں۔ چنتا مت کرو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو بھوجن کرو' بھوجن تیار ہے۔" میں خاموشی سے اس کے ساتھ ناشتے میں مصروف ہو گئی تھی کنگن تھوڑی دیر کے بعد باہر چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں مقید ہو گئی۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ وہی عورت میرے پاس آئی۔ اس کا نام گنگا تھا مگر گنگا کی طرح پوتر ہونے کی بجائے مجھے کوئی چڑیل لگتی تھی۔ چہرے پر ہمیشہ ایسی مسکراہٹ طاری رہتی تھی جیسے میرا مذاق اڑا رہی ہو..... جیسے مجھ پر طنز کر رہی ہو۔ مجھے دیکھ کر اب بھی مسکرائی اور میرے پاس آ بیٹھی۔

"بہو رانی نام کیا ہے تمہارا؟"

"کیوں میرا نام کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"ارے ایسے ہی..... کوئی نام تو ہو گا نا..... ہم کس نام سے تمہیں پکاریں؟"

"روپ ہے میرا نام..... روپ۔"

"بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر من میں یہی نام ابھرتا ہے۔ روپ کی رانی ہو ماتا پتا کہاں رہتے ہیں؟"

"یہ باتیں تم کنگن سے ہی پوچھ لینا۔" نہ جانے کیوں مجھے اس کے انداز پر غصہ سا آ رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:

"کیا مطلب جو باتیں تمہارے بتانے کی ہیں وہ تمہارا پتی بتاتا ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ایک بات کہیں روپ متی یا بہو رانی....."

"دیکھو تم مجھے صرف بہو کہہ سکتی ہو۔ روپ متی کے نام سے مجھے نہ پکارو۔"

"ہونہہ تو جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ کہیں؟"

"بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"ہمیں تو تم ابھی بہو رانی لگتی ہی نہیں ہو۔ بڑی گہری آنکھیں ہیں ہماری۔ بھگوان کو

آنکھوں سے نہیں دیکھا من سے پہچانا ہے' اسی طرح یوں لگے ہے جیسے ابھی تم کنواری کنیا ہو۔ من چاہے ہے تمہیں بتادوں۔ کنگن نے تم سے پھیرے کیے ہیں یا نہیں اور یا وہ تمہیں کہیں سے بھگا کر لے آیا ہے۔" میں ایک دم خوفزدہ ہوگئی تھی یہ کم بخت عورت واقعی چڑیل ہے۔ کہیں یہ میرے لیے مصیبت نہ بن جائے میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ آہستہ سے بولی:

"عورت کی مدد عورت ہی کر سکتی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات ہے تو ہمیں بتا ہم تمہاری مدد کریں گے۔ کنگن سے اس بارے میں کچھ مت کہنا۔ یہ سب ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ باقی تیری مرضی ہم تو تیری محبت میں یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں مگر لگتا ہے جیسے تو ہماری بات کا برا مان رہی ہے۔"

"تم جس تھالی میں کھا رہی ہو' اسی میں چھید کر رہی ہو۔ ان سب کو برا کہہ رہی ہو تم..... کنگن سے بات کروں گی تمہارے بارے میں..... کیا سمجھیں!"

"ارے ارے بٹیا..... بہو رانی یہ کیا کہہ رہی ہو تم..... اگر ہماری باتوں کا برا مان رہی ہو تو ہم ہاتھ جوڑ کر تم سے شما مانگتے ہیں۔ لو ہم نے تو صرف اس لیے پوچھا تھا کہ تم سہمی سہمی کنواری کنیا لگ رہی تھیں ہمیں۔ ہم نے سوچا انسان ہونے کے ناطے اگر تمہاری کچھ مدد ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ لو ہم تو جاتے ہیں تمہیں بھگوان کا واسطہ ہمارے بارے میں کسی سے کچھ مت کہنا۔ وچن دیتے ہیں تمہیں کہ آئندہ تم سے ایسی کوئی بات نہیں کریں گے اور اس کے بعد وہ ایسی دم دبا کر بھاگی کہ جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

پھر شام ہوگئی تو کنگن آگیا' میرے لئے کافی سامان لایا تھا کہنے لگا ابھی اپنی کمائی تو شروع نہیں کی ہے ہم نے روپا مگر جو کچھ ہمارے پاس پہلے سے تھا اس سے تیرے لئے یہ تھوڑی سی خریداری کرلی ہے۔ من تو چاہتا ہے کہ سارا سنسار تیرے چرنوں پر لاکر رکھ دوں لیکن ابھی اس میں سمے لگے گا۔"

"نہیں کنگن بھگوان کی سوگند مجھے کچھ نہیں چاہیے..... بس من کی شانتی دے دے مجھے..... وہ پریم دے دے جو مجھے یہ احساس کرا دے کہ میں کوٹھے کی عورت نہیں بلکہ ایک شریف لڑکی ہوں۔"

"میں تیری یہ خواہش ضرور پوری کردوں گا مگر ذرا حوصلے سے کام لے۔ تیرے چہرے پر خوف کے آثار ہیں' کنگن کے جیون میں تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ویسے سن آج رات

ذرا باہر لوگ ہوں گے' مجھے بھی باہر ہی رہنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کوئی آواز دے تو باہر مت نکلنا۔ اصل میں اچھے لوگوں کی جگہ نہیں ہے یہ اور برے لوگ کبھی کبھی راستہ بھٹک بھی جاتے ہیں۔"

میں سہمی سہمی خاموش ہوگئی۔ رات کو باہر سے آوازیں آرہی تھیں۔ فاصلہ کچھ زیادہ تھا اور میں سہمے ہوئے انداز میں ان برے لوگوں کی ہنگامہ آرائی کی آوازیں سن رہی تھی۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا' میں سوگئی تھی کہ کسے نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا اور میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اندھیرا تھا کیونکہ روشنی بجھا کر لیٹی تھی۔ میں نے ڈرے ہوئے انداز میں پلنگ سے چھلانگ لگادی۔ شراب کی بدبو کا بھبکا میری ناک سے ٹکرایا تھا۔

"کون ہے؟"

"ارے میں ہوں..... ڈر گئی روپا..... میں کنگن ہوں۔"

"روشنی جلاؤں کنگن..... تم نے شاید دارو پی ہے۔" کنگن نے روشنی جلادی اور آہستہ سے بولا:

"ایک کام آن پڑا ہے تم سے..... مجبوری تھی ورنہ اس طرح نہ آتا۔"

"کیا بات ہے؟" میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ یہ بات میں جانتی تھی کہ شراب انسان کی اصلیت ظاہر کردیتی ہے۔ اس کی شرافت اور برائی شراب کے اندر پہنچنے کے بعد نمایاں ہو جاتی ہے۔ کیا کنگن اپنی اصلیت پر آگیا لیکن اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہنے لگا:

"دراصل میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں جوئے میں ہار گیا ہوں اور اس وقت مجبوری ہے تم مجھے معاف کرنا میری مدد کرو اس وقت..... میرا وعدہ ہے کہ میں تم سے جو کچھ بھی لے رہا ہوں ابھی تھوڑی دیر کے بعد واپس لٹا دوں گا۔"

"ارے کیوں نہیں..... وہ تم سے زیادہ تو نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اپنے سارے زیورات کنگن کے حوالے کردیئے۔ کنگن نے نرم لہجے میں کہا:

"تمہارے اس احسان کو میں جیون بھر نہیں بھولوں گا۔ تم نے عزت رکھ لی ہے میری..... بھگوان کی سوگند میں..... میں بڑا شرمندہ ہوں تم سے۔"

میں نے کہا: "ایسی کوئی بات نہیں جاؤ لے جاؤ۔" اور وہ میرے زیورات لے کر باہر نکل

گیا اور اس کے بعد میں بستر پر بہت دیر تک میں بیٹھی رہی اور ایک بار پھر میری آنکھوں میں غنودگی آ گئی اور میں لیٹ گئی۔ لیکن آج کی رات میرے لئے بھیانک سپنوں کی رات تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر مجھے آہٹ سنائی دی۔ کنگن ہی تھا کہنے لگا:

"روپا کچھ اور دو مجھے..... کچھ اور دو..... بھگوان کی سوگند سب واپس لے لوں گا ان سے..... وہ کیا سمجھتے ہیں مجھے..... میں انہیں پائی پائی کا محتاج کر دوں گا۔" اب میرے پاس کانوں کی بالیاں اور ہاتھوں کے کنگن ہی رہ گئے تھے۔ میں نے دونوں چیزیں اتار کر اس کے سپرد کر دیں اور وہ انہیں لے کر باہر نکل گیا۔ پھر تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد میں سو گئی۔ صبح کو جاگی تو سورج خوب چڑھ چکا تھا۔ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ کنگن میرے پاس آ گیا' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"چلو....." عجیب سا انداز تھا اس کا۔ میں خوف سے سہم گئی۔ میں نے پوچھا:

"کہاں؟"

"آؤ..... میں نے کہا ہے تم سے یہ کافی نہیں ہے۔" وہ بولا۔ اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ نکل آئی۔ باہر قدم رکھے ہی تھے کہ رانا جگن کی آواز سنائی دی:

"کنگن جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کہاں جا رہے ہو تم اسے لے کر۔"

"جگن تم مجھے جانتے ہو نا؟"

"ہاں جانتا ہوں..... لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ تم اتنے گھٹیا آدمی ہو۔ کیا تمہیں یہ یاد نہیں رہا کہ اس عورت سے اب تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا تم اس بات سے ناواقفیت کا اظہار کرو گے کہ رات کو تم نے اس کے بدلے میں مجھ سے پچیس ہزار روپے لئے ہیں۔"

"دیکھو جگن میں تمہیں ایک بات بتائے دے رہا ہوں اس وقت میں نشے میں تھا اور تو بھی نشے میں تھا۔ انسانوں کی خرید و فروخت اب نہیں ہوتی۔ جو بات تو کہہ رہا ہے وہ کم از کم تجھ جیسے دوست کی زبانی سننے کی امید نہیں تھی مجھے۔"

"نہیں کنگن دوستی اپنی جگہ اور حساب کتاب اپنی جگہ..... یہ کوئی عام جگہ نہیں اڈہ ہے میرا..... یہاں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سچ ہوتا ہے اور جو تو نے کیا وہ بھی سچ ہے۔"

"وہ تیری بھاوج ہے۔ انسان ہے وہ' انسان داؤ پر نہیں لگائے جاتے۔"

"کنگن..... یہاں لگائے جاتے ہیں پتہ نہیں تجھے کیا ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں جگن تو میرا دوست ہے اور تجھے معلوم ہے کہ جو کچھ ہوا جوئے میں

ہوا اور میں اس وقت ہوش میں نہیں تھا۔ تو اسے بھابی کہتا ہے' ہم لوگ تجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔"

"خیر وہ میری بھابی نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی تو یہ تیری ذمہ داری تھی کہ اس کی حفاظت کرتا..... اس کو جوئے میں نہ ہارتا۔ اب غم نہ کر میرے یار جو ہو چکا ہے واپس نہیں آ سکتا۔"

"پھر کہہ رہا ہوں کنگن باز آ جا۔"

"اب تو بھی فضول باتوں سے باز آ جا..... میں بھی انسان ہوں کہاں تک دوستی نبھاؤں گا۔"

"چلا جاؤں یہاں سے؟"

"ہاں۔"

"اب میں تجھے یہاں نہیں رکھ سکتا..... میرے تیرے درمیان دوستی ختم ہو چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے تیری مرضی۔" کنگن نے کہا اور میرا ہاتھ چھوڑ کر بولا:

"ٹھیک ہے روپا..... ہمارا تمہارا اتنا ہی ساتھ تھا۔" میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔ جگن ایک لمحے کے لئے میری جانب متوجہ ہوا جبکہ دوسرے لمحے اچانک اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور اس کی آنتیں اس کے کھلے ہوئے پیٹ سے باہر لٹک گئیں۔ ساری آنتیں باہر گر گئی تھیں اور جگن کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے چاروں طرف خون پھیلتا جا رہا تھا۔ کنگن نے اسی کے لباس سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا خون آلود چاقو صاف کیا اور بولا:

"میں نہیں چاہتا تھا جگن تجھے یاد دلاؤں کہ میں تیرا دوست تو ہوں لیکن جو کچھ ہوں وہ تو اچھی طرح جانتا ہے۔" پھر کنگن نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے باہر آ گیا۔

وہ مکان کے اگلے حصے کی طرف چل پڑا تھا یہاں تک کہ دیوار کے پاس پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور دوسرے لمحے بندر کی طرح اچھل کر اوپر چڑھ گیا۔ دیوار پر قدم جما کر اس نے نیچے ہاتھ بڑھایا اور مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ پھر وہ دوسری طرف کود گیا اور مجھے ساتھ لے کر تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس نے کہا:

"مجبوری تھی روپا' ورنہ میں ایسا نہ کرتا..... اب ذرا تیز چلو۔" ہم کافی دور نکل آئے تھے۔ میرا پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا تھا لیکن کیا کرتی..... میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے ساتھ دوڑتی رہی۔ کافی آگے نکل کر اس نے ایک ٹانگہ لیا اور اس میں بیٹھ کر کہاں چل پڑا مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

باب نمبر 20

کنگن کے ساتھ بھاگ تو آئی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جیون کا یہ سفر کہاں ختم ہو گا۔ وہاں میرے لئے موت تھی اور اب یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آنے والے میں میرے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ ریل کا یہ سفر بھی ایک بڑے شہر پر ختم ہوا تھا اور اس کے بعد کنگن مجھے ایک کچی سرائے میں لے گیا تھا۔ یہاں بہت سے مسافر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جگہ بہت ہی گندی تھی۔ نہ جانے کس طرح کنگن سنگھ نے اس سرائے میں رہنے کی جگہ حاصل کی تھی، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہے۔ بس کنگن مجھے سرائے کے اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر ایک گھمبیر سی خاموشی طاری تھی۔ سرائے کا مالک فوراً ہی ہمارے لئے کھانا وغیرہ لے کر آ گیا تھا اس نے کھانا دے کر کہا: ”شما چاہتا ہوں مہاراج دراصل ہمارے ہاں ایسے بھی لوگ آ جاتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، ہمارا دھندا ہی یہ ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اگر میری بات آپ کو بری لگی ہو تو۔“

”اور اب تم یہاں بکواس کیوں کر رہے ہو..... پیسے مل گئے تمہیں اب اور کیا چاہتے ہو۔“

”مہاراج ہمیں شرمندگی ہے کہ ہم نے آپ جیسے بڑے آدمی کے ساتھ یہ سلوک کیا۔“

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے جاؤ..... اب چلے جاؤ یہاں سے۔“ کنگن سنگھ نے کہا اور سرائے کا مالک گردن خم کر کے چلا گیا۔

صورت حال کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ بہرحال اب جو کچھ بھی بیتے گی، بھگتنی ہی پڑے گی، میں نے دل میں سوچا تھا۔ ایک دن گزر گیا پھر دوسرا دن بھی گزر گیا اسی طرح کوئی چار یا پانچ دن کے بعد کی بات ہے کہ ایک شام پولیس کے کچھ لوگ سرائے میں داخل ہوئے۔ میں اور کنگن سنگھ باہر موجود تھے اور ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے کنگن سنگھ کے انداز میں کچھ بے چینی دیکھی تھی۔ پولیس والوں کے ساتھ آنے والے کسی شخص نے ہماری طرف اشارہ کیا اور پولیس والے ہماری جانب دوڑے لیکن کنگن سنگھ نے میرا ہاتھ پکڑا اور انتہائی برق رفتاری سے سرائے کے کھلے ہوئے حصے کی جانب دوڑنے لگا پھر ہم نے کچا احاطہ عبور کیا۔ ایک بار پھر وہی منظر سامنے آ گیا تھا جو رانا جگن کے احاطے میں آیا تھا۔ میں ایک بار پھر اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ اے بھگوان کیا جیون میں یہی سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ ہم نے پولیس والوں کو دیکھا جو ہم سے کافی فاصلے پر دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ کنگن سنگھ شاید پہلے سے ہی اپنا راستہ متعین کر چکا تھا..... وہ مجھے لے کر دوڑتا ہوا ریلوے کی پٹڑی پر آیا اور پھر ہم ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے ریلوے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ جو پہلی ریل وہاں آ کر رکی ہم اس میں گھس گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ریل آگے بڑھ گئی۔

میں نے اس وقت کنگن سنگھ کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے تھے۔ خود میری حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ ریل جنگلوں میں دوڑنے لگی۔ کنگن سنگھ ابھی تک خوف زدہ نظر آ رہا تھا اور میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس کا نتیجہ کیا ہو گا..... کیا کنگن سنگھ میری حفاظت کر سکے گا..... نہ جانے کیوں دل کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ تقدیر کے ستارے ابھی تک گردش میں ہیں یہ میرا اپنا خیال تھا۔

ہم ایک اور شہر میں جا اترے لیکن کنگن سنگھ اب بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ یہاں ہمیں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں قیام کرنا پڑا کنگن سنگھ مجھے ساتھ لئے ہوئے اس ہوٹل میں آیا تھا اور ہوٹل میں ایک چھوٹا سا کمرہ اس نے لے لیا تھا۔ میں نے کنگن سنگھ سے کہا:

”کنگن، کیا ہم اسی طرح مارے مارے پھرتے رہے گئے؟“

”تم مجھ سے بار بار ایسے سوال کیوں کرتی ہو؟“

"کنگن کوئی ڈھنگ کا راستہ تلاش کرو..... مجھے چھوٹی سی جھونپڑی رہنے کے لئے دے دو..... اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے..... کنگن میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لوں گی کنگن۔ مجھے عورت کا وہ مان دے دو جس مان کے لئے میں تڑپ رہی ہوں اور جس کے لئے میں نے یہ سنسار چھوڑ دیا ہے..... مجھے جیون کا کوئی سکھ نہیں چاہیے' میں بس من کی شانتی چاہتی ہوں..... کنگن تم بہت بڑا کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں مت پھنساؤ..... میرے لئے اپنی جان کو مشکل میں مت ڈالو..... پہلے میرے ساتھ سات پھیرے کر لو اور پھر جیسے من چاہے زندگی گزارو..... دو وقت روٹی کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"اپنی بک بک کئے جا رہی ہے..... کوشش کر تو رہا ہوں۔ اب تک تیرے تریر کو چھو تک نہیں میں نے..... کیا اس بات سے تجھے اندازہ نہیں ہے کہ میں تیرے لئے مخلص ہوں۔"

"میں مانتی ہوں تم مہان ہو کنگن..... مگر....."

"اچھا بس اب اگر مگر چھوڑ..... ٹھیک ہے..... ہو جائے گا سب کچھ میں ذرا باہر نکلتا ہوں پھر وہ مجھے تسلیاں دے کر چلا گیا۔

پتہ نہیں کیوں من کچھ اداس تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت دل و دماغ پر طاری تھی۔ کنگن کو گئے ہوئے کوئی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ زور سے کھٹکا..... دروازہ کھلا اور میں نے جن لوگوں کو دیکھا انہیں دیکھ کر دل دھک سے ہو گیا تھا..... یہ بڑی بڑی مونچھوں والے ہٹے کٹے سپاہی تھے۔ انہوں نے خونی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے:

"کنگن کہاں ہے؟"

"باہر گیا ہوا ہے۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو کون ہے؟"

"میں..... میں....." میں جملہ پورا نہ کر سکی' مجھے چکر آ گیا تھا۔

"بولتی کیوں نہیں..... کون ہے تو؟"

"میں..... میں روپا ہوں۔"

"وہ تو خیر تو شکل سے ہی لگتی ہے..... کنگن کی کون ہے؟"

"دھرم پتنی۔"

"کنگن نے جگن کو قتل کیا ہے۔"

"کیا۔" میں منہ پھاڑ کر بولی۔

"اس وقت وہ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"چل ہمارے ساتھ تھانے چل۔" اس نے کہا اور میرے تو ہوش اڑ گئے لیکن بہرحال مجھے ان کے ساتھ جانا پڑا۔ پولیس کو دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی تھی' چلتے ہوئے انہوں نے ہوٹل کے ایک آدمی سے کہا کہ کنگن آ جائے تو اسے پولیس اسٹیشن بھیج دینا اور کہہ دینا کہ اگر اپنی دھرم پتنی کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو تھانے آ جائے ورنہ جو ہو گا اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔

تھانے پہنچ کر انہوں نے مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا..... پھر پہلا دن گزرا..... دوسرا اور تیسرا دن بھی گزر گیا۔ کھانے پینے کو مجھے ملتا رہا تھا مگر کنگن نہیں آیا۔ کوئی پندرہ دن گزر گئے تب تھانے دار نے مجھے بلایا اور بولا کہ تیرا کنگن تو ختم ہو گیا روپا۔

"کیا.....؟"

"اسے گرفتار کر کے بڑے شہر بھیج دیا گیا ہے۔ تیرے ماتا پیتا کہاں ہیں..... کہاں جائے گی تو؟"

"میں سمجھی نہیں۔"

"اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے پھانسی کی سزا ہو گی۔

تھانیدار بڑا ہی سنگدل تھا۔ میں وہاں سے تو نکل آئی لیکن کنگن کی تلاش میں ماری ماری پھرتی رہی۔ مجھے کنگن سے اتنی دلچسپی صرف اس لیے تھی کہ میں وہاں سے نکل آئی تھی جہاں میں رہنا نہیں چاہتی تھی اور وہاں سے نکلنے کے بعد کنگن کے علاوہ میرا اور کوئی

نہ تھی۔ اس کے بعد کی کہانی بھی بہت لمبی ہے۔ چھوڑو کیا فائدہ ایسے ہی سنانے کا..... یہ کہہ کر روپا خاموش ہو گئی۔

میرے دل پر عجیب سی بیت گئی تھی۔ کیا کر سکتا تھا میں اس لڑکی کے لیے..... کیا کرنا چاہیے مجھے..... میں کیا اور میری اوقات کیا۔ میں نے اس سے کہا:

"دوبارہ کوٹھے تک کیسے پہنچ گئیں؟" وہ آنسو بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی:

"نصیب کی بات ہے..... چھوڑو جانے دو۔"

"نکلنا چاہتی ہو یہاں سے؟"

"آہ!" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ "بولو نکلنا چاہتی ہو یہاں سے؟"

"میں چاہتی ہوں کہ کسی دھرم شالا میں جیون بیت جائے..... کسی اناتھ آشرم میں پہنچا دیا جائے مجھے..... اس جہنم سے نجات مل جائے۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔ میرے دل میں اس کے لیے رحم کا جذبہ ابھرا۔ میں نے اس سے کہا: "تم فکر مت کرو..... میں تمہیں جہنم سے نکال لے جاؤں گا۔" اور پھر تین چار دن تک میں اس کوٹھے کے چکر لگاتا رہا..... ماحول دیکھتا رہا۔ دن جس طرح گزرتا ہے اس کے بارے میں بھی اندازہ لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن میں نے روپا کو اس کوٹھے سے اتار لیا۔ لیکن یہ بات میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دی تھی کہ میں اس کا سہارا نہیں بنوں گا بلکہ اسے کسی ایسی جگہ پہنچا دوں گا جہاں وہ جانا چاہے گی اور پھر اس کے لئے میں نے ایک لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس جگہ سے بہت دور نکل آیا تھا میں جہاں روپا رہتی تھی اور جہاں اس کے جاننے والے تھے۔ یہاں پہنچ کر میں نے ایک اناتھ آشرم کا رخ کیا جس کے بارے میں' میں نے مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں۔ پھر میں نے اناتھ آشرم کے نگران سے بات چیت کی' اچھے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ روپا کو انہوں نے میرے کہنے پر سہارا دیا اور میں نے انہیں یہی بتایا کہ یہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے' بس پناہ چاہتی ہے۔

روپا کو اناتھ آشرم کے حوالے کرنے کے بعد مجھے اب ایک آزاد زندگی کی تلاش تھی لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی' کیا کروں کیا نہ کروں۔ ایک دل تو یہ کہتا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے میں اختیار احمد صاحب کو تلاش کروں اور ان سے اپنی ماں کی بے بسی

کا انتقام لوں۔ آخر میری ماں کو انہوں نے اس طرح کیوں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ کیا کیا تھا اس بے چاری نے جس کے نتیجے میں اسے زندگی کا یہ عذاب بھگتنا پڑا۔ بہرحال انسان کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ کہاں سے شروع ہوا تھا کہاں پہنچ گیا تھا۔ اب کوئی ساتھی نہیں تھا۔ دوسری جانب احمد صاحب کا گھرانہ تھا جہاں میرے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔ آج بھی دل کے گوشے میں فیض اللہ اور ان کے خاندان کے لوگ چھپے ہوئے تھے۔ میں ان کے لئے تباہی کا باعث بنا تھا..... نہ جانے ان پر کیا بیتی ہو..... نہ جانے وہ معصوم بچیاں کہاں دربدر ہوئی ہوں..... آہ کتنا بدنصیب ہوں میں..... کسی کے لئے بھی سکون کا باعث نہیں بن سکا۔ میں اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں تو بس ایک بات تھی کہ ایک بار اختیار احمد صاحب مل جائیں اور میں ان سے پوچھوں..... ان سے معلوم کروں کہ آخر میری ماں کو کیوں چھوڑ دیا گیا تھا..... کیا قصور تھا اس کا جہاں وہ رہتی تھی وہاں سے وہ خود ہی لے کر آئے تھے' اسے عزت سے اس کا مقام کیوں نہیں دیا گیا۔ افضال بھی چھوٹ گیا تھا اور اب میری زندگی میں کوئی ایسا کردار نہیں رہا تھا جس سے میں اپنی کوئی بات بھی کر سکوں۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 21

انسان اپنی زندگی کسی نہ کسی طور گزارتا ہی ہے۔ میں اگر چاہتا تو اپنے لئے ایک عام انسان کی زندگی منتخب کر سکتا تھا۔ چھوٹی موٹی کوئی نوکری کر لیتا' آخر گریجوایشن کیا تھا۔ نوکری کر کے اپنا ایک چھوٹا سا گھر بناتا' ایک تنہا انسان کے اخراجات ہی کیا ہوتے ہیں اور پھر دنیا سے جو بے زاری میرے وجود میں رسی ہوئی تھی' اس کے تحت تو میں ویسے بھی ایک بجھا ہوا انسان تھا۔ سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ کہیں بھی مل سکتا تھا۔ بعد میں زندگی کے راستے منتخب کر لیتا لیکن وقت اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔

کافی دن تک پریشان پھرتا رہا' فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کیا طریقہ اختیار کروں..... کیا دنیا سے ہار کر بیٹھ جاؤں؟ میں نہیں جانتا کہ روحوں کی طلب کیا ہوتی ہے۔ ماں ڈائری کی شکل میں اپنی رام کہانی چھوڑ گئی تھی' معلوم نہیں اس نے اپنی موت کے وقت کیا تصور کیا ہو گا' اگر چاہتا تو تمام باتوں کو نظرانداز کر کے ایک خاموش زندگی گزارنے لگتا لیکن شاید ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ میرا باپ اس دنیا میں موجود تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ایک بار تو اسے تلاش کر کے آئینہ دکھا دوں اور یہ بتا دوں کہ برائی کیا چیز ہوتی ہے اور اس کے اثرات کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ بس دو ہی فیصلے کرنے تھے یا تو شکست قبول کر کے خاموشی اختیار کر لوں یا پھر دنیا سے جنگ جاری رکھوں۔ نہ جانے کیوں خاموشی اختیار کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس شام طبیعت ایسی مکدر ہوئی کہ سوچا کہیں آگے نکل جاؤں' میرے لئے بھلا کیا مشکل تھی ٹرین میں جا بیٹھا اور آخری اسٹیشن تک کا ٹکٹ خرید لیا۔ سوچا تھا کہ جہاں طبیعت چاہے گی وہاں اتر جاؤں گا۔ ٹرین میں بیٹھ کر بے چینی کے سے انداز میں سفر کرتا رہا۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ کوئی میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑا' وہ میرا ہم شکل تھا' ہمارے نقوش کافی ملتے جلتے تھے' فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی آنکھوں میں روشنی اور چمک تھی اور میری آنکھیں دھندلا گئیں تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا:

"شاید تم نے مجھے دیکھا نہیں تھا' میں تو یہاں بیٹھا کئی گھنٹے سے تمہاری حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"میں نے واقعی تمہیں نہیں دیکھا..... مگر تم کون ہو؟ کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تمہاری صورت میری صورت سے کتنی ملتی ہے۔"

"اسی چیز نے تو مجھے تمہاری جانب متوجہ کر لیا تھا۔ میرا خیال ہے میری عمر بھی تم سے مطابقت رکھتی ہے۔"

"بالکل۔"

"میں حیران ہوں..... قدرت کی کارگری پر۔"

"حیران نہیں ہونا چاہیے' قدرت کے ایسے لاتعداد نمونے اس کائنات میں بکھرے پڑے ہیں..... کیا نام ہے تمہارا؟"

"احتشام احمد..... شامی کہتے ہیں مجھے۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں کا مطلب کچھ نہیں ہی ہوتا ہے۔"

"یار اہل خانہ' گھربار' نوکری چاکری یہ چیزیں تو ہوں گی۔"

"انسانوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔"

"اور تم؟"

"شاید میں انسان نہیں ہوں۔"

"مایوس ہو؟"

"ہاں۔"

"ہوں.... لمحوں میں کسی کی داستان کا پتہ نہیں چل جاتا اور میرا خیال ہے لمحوں میں انسان اتنا بے تکلف بھی نہیں ہو جاتا کہ کسی سے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں سوال کر سکے۔ لیکن میں ایک تیز رفتار شخصیت ہوں..... مجھے کوئی عالم سادھو نہ سمجھنا۔ میں جادوگر ہوں اور نہ شعبدہ باز۔ یوں سمجھ لو کہیں سے کچھ ہاتھ آ گیا تھا بس اس کی تحقیق کر رہا تھا کہ بات بگڑ گئی لیکن میرا خیال ہے کہ پہلے میں تمہیں اپنا نام بتا دوں' میرا نام شرجیل ہے..... کیا نام ہے میرا؟"

"یاد ہے..... بچہ نہیں ہوں کہ بھول جاؤں..... نہ ہی تمہارے نام میں کوئی ایسی بات ہے جسے میں دہرانا پسند کروں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"سوری..... سوری..... اصل میں مجھے اس طرح بولنے کی عادت ہے..... کوشش کروں گا کہ تمہارے ساتھ ایسے نہ بولوں۔ اچھا خیر یہ بتاؤ مائی ڈیئر شامی کہ واقعی دنیا سے بے زار ہو یا میں پسند نہیں آیا؟"

"نہیں تم تو پسند آئے ہو..... تم تو میرے محسن ہو..... لیکن مجھ سے بوجھل باتیں نہ کرو۔ میں شگفتگی کا خواہش مند ہوں۔"

"کیا واقعی۔" اور وہ خوشی سے اچھل پڑا اور میں اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھنے لگا' پھر میں نے کہا: "کیا تم بہت زیادہ اداکاری نہیں کرتے ہو؟"

"کرتا ہوں..... کرتا ہوں..... جو تم کہتے ہو وہ میں کرتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ میرا ایک کام کرو گے۔"

"کیا کام؟"

"تمہیں اپنے بارے میں صرف اتنا بتاؤں کہ میں بھی ایک لاوارث انسان تھا اور یوں سمجھ لو کہ اس کائنات میں تنہا بھی تھا لیکن دل برداشتہ نہیں تھا اپنے لئے جینے کی دلچسپیاں تلاش کر رہا تھا' جنہیں حاصل کر کے زندگی کو خوش گوار بنا سکوں پھر مجھے ایک سادھو ٹکرا گیا..... دھرم وستو نام تھا اس کا۔ ہرداس پور نامی جگہ پر اس نے بڑا ہنگامہ مچا رکھا ہے لیکن دھرم وستو سے میں ایک ایسی چیز لے اڑا جو اس کے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھی اور اس سلسلے میں دھرم وستو سے میری بری طرح چل گئی۔ میں ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میں جب تک دھرم وستو کو اس کے گھر

میں نیچا نہ دیکھا دوں' وہ چیز میرے لئے کار آمد نہیں ہو سکتی' دوست تمہیں دیکھ کر دل میں ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا ہے اگر تم میرا ساتھ دو تو یہ سمجھ لو کہ دونوں کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ عیش کریں گے ہم دونوں۔ ایسی عیش کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں کسی کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں تو کیا تم اس میں میرے ساتھ تعاون کرو گے؟"

"جس حد تک ممکن ہو سکا...... معاوضہ؟"

"بہت مناسب ملے گا تمہیں۔"

"کتنا؟"

"عیش کرو گے ساری زندگی..... جو کچھ میں تمہیں دوں گا وہ تمہارے تصور سے بھی باہر ہو گا' کیا سمجھے؟"

"اچھا ٹھیک ہے کام بتاؤ..... لینے دینے کی باتیں کر کے اگر مجھے لالچ پر آمادہ کرنا چاہتے ہو تو یوں سمجھ لو کہ دنیا کا کوئی لالچ مجھے میری مرضی کے خلاف کچھ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ باقی رہی دوسری بات کھیل اگر میری دلچسپی کا ہوا تو میں تمہارا ساتھ دوں گا' ورنہ..... تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"ویری گڈ..... ویری گڈ۔"

"تو اب میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور پھر وہ مجھے آہستہ آہستہ کچھ بتانے لگا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 22

مجھے احساس ہوا کہ جو کھیل وہ کھیل رہا ہے وہ دلچسپی کا حامل ہے اور آگے چل کر مجھے خاصی تفریحات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس کی شخصیت بھی پراسرار تھی اور دھرم وستو کے خلاف جو کام کرنا تھا وہ بھی اپنی جگہ ایک منفرد نوعیت کا حامل تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے درمیان بہترین مفاہمت ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا:

"شرجیل تمہارا کیا خیال ہے' کیا دھرم وستو کو ہماری آمد کی اطلاع نہیں ملی ہوگی؟"

"اب اتنا مہان بھی نہیں کہا جا سکتا اسے..... اور پھر ساری باتیں ہی خاصی تعجب کی حامل ہیں۔ بہرحال تمہیں اپنا کام کرنا چاہیے۔" میرے اس کے درمیان معاملہ طے ہو گیا۔ میں اپنے ذہن کو وقتی طور پر کسی اور جانب منتقل کرنا چاہتا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت یہ میرے لئے ایک بہترین موقع ہے۔ پھر میرے ہمسفر شرجیل نے مجھے ہرداس پور کے بارے میں بتایا اور کہا کہ اگلا اسٹیشن ہرداس پور کا ہی ہے۔ یہاں مجھے ایک خاص حیثیت سے ایک جگہ پہنچنا تھا اور اس کے لئے شرجیل نے کہا تھا کہ وہ تمام مواقع مہیا کر دے گا۔ چنانچہ جب میں ہرداس پور کے اسٹیشن پر اترا تو شرجیل میرے ساتھ اتر آیا تھا ہم لوگ وہاں سے چل پڑے۔ ریلوے اسٹیشن کے باہر پھیلی ہوئی دنیا دیکھی...... اچھا خاصا شہر تھا ہرداس پور...... مختلف طبقوں کے لوگ وہاں آباد تھے۔ غالباً چھوٹا سا صنعتی علاقہ بھی تھا۔ بازاروں کے کھلنے کا انتظار کیا گیا۔ بازار کھلنے پر خریداری کی گئی اور پھر مجھے ایک نئی شکل دے دی گئی۔ مجھے شرجیل کی حیثیت ہی سے وہاں ایک خاص جگہ پہنچنا تھا۔ شرجیل نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میری پشت پر رہے گا اور ہر موقع پر مجھے صورت حال سے آگاہ کرتا رہے گا۔ ذہن بٹانے کا اس سے خوبصورت موقع اور کوئی نہیں حاصل

ہو سکتا تھا' چنانچہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور پھر جس حیثیت سے میں نے یہاں اپنی ذمہ داریاں سنبھالی وہ بڑی شاندار تھی۔ ہرداس پور اپنے جغرافیائی نقطہ نظر سے ایک عجیب و غریب جگہ تھی۔ ویسے تو یہاں بے شمار پراسرار اور ہیبت ناک داستانیں بکھری ہوئی تھیں لیکن خاص طور پر میں نے دھرم وستو کے بارے میں سنا۔ دھرم وستو کے بارے میں یہاں کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ کئی بار مر کر زندہ ہو چکا ہے ہربار اس کی طبعی موت واقع ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اسے مخصوص مندر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کی وصیت ہے کہ اسے جلایا نہ جائے۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کا بدن بالکل نہیں سڑتا۔ جبکہ بڑے بڑے ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کر دیتے ہیں کہ وہ مر چکا ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہو کر واپس آ جاتا ہے۔ یہ بڑی عجیب و غریب بات تھی' لیکن دھرم وستو اور شرجیل کے درمیان ہی جنگ تھی اور اس جنگ کو میں نے اپنے سر لے لیا تھا غرض کہ یہاں آنے کے بعد وقت خاصی عمدگی سے گزر رہا تھا۔ کچھ ایسے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی تھی جو اس شعبے سے وابستہ تھے' جس میں مجھے یہاں کام کرنا تھا' ان میں خصوصی طور پر ایک ہندو نوجوان شری ناتھ تھا۔ شری ناتھ بہت خوش مزاج اور اچھی طبیعت کا نوجوان تھا۔ ایک بار دھرم وستو کے بارے میں اس سے بات ہوئی تو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"کیا بات ہے شری ناتھ' یہاں کے لوگ جب دھرم وستو کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ان کے چہرے پر عقیدت ہوتی ہے' جبکہ میں تمہارے چہرے پر حیرت دیکھ رہا ہوں۔" شری ناتھ کچھ دیر خاموش رہا' پھر اس نے کہا:

"بات یہ ہے میاں جی کہ تمہارا دھرم ہمارے دھرم سے الگ ہے اور تم جو بات اتنی آسانی سے کہہ سکتے ہو' ہم نہیں کہہ سکتے۔ اصل میں دھرم وستو مہاراج کے بارے میں جو کچھ بھی سنا ہے' اسے دہرانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ کہ عقیدت اور خوف میں فرق ہے' یہ تو تم جانتے ہو نا؟"

"کیوں نہیں؟"

"بس تو پھر یہ سمجھ لو یہاں کہ لوگوں کی آنکھوں میں عقیدت نہیں بلکہ خوف ہوتا ہے اس کے علاوہ میں تمہیں ایک بات اور بھی بتا دوں۔ مہاراج دھرم وستو یہاں مسلمانوں کو

آباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے اور یہاں جو بھی کوئی مسلمان آتا ہے' بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دھرم وستو مہاراج سے عقیدت نہیں رکھتا۔ اس لئے آہستہ آہستہ اس کی بربادی ہوتی چلی جاتی ہے۔ دیکھئے شرجیل جی آپ یہاں جیسے دل چاہے رہیں' یہ اچھی بات ہے کہ آپ کے ساتھ بیوی بچے نہیں ہیں' ورنہ میں تو آپ سے یہ کہتا کہ خاموشی سے یہاں نکل جائیے کہیں اور چلے جائیے یہ جگہ آپ کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ اکیلے ہیں اس لئے میں آپ کو صرف یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ آپ کبھی اس بات کا پرچار نہ کیجئے گا کہ آپ مسلمان ہیں نہ ہی ایسی ہنگامہ آرائیاں کیجئے جس سے آپ کی شخصیت کا خاص طور پر اظہار ہو سکے سمجھ رہے ہیں نا آپ؟ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔"

"شری ناتھ سے مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں انہوں نے مجھے دھرم وستو کے سلسلے میں اور متجسس کر دیا۔ بہرحال ایک پراسرار کھیل شروع ہوا تھا..... شرجیل کون تھا اور کیا تھا یہ تو مجھے نہیں معلوم تھا لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک ایک لفظ سچ ثابت ہو رہا تھا۔

میری پذیرائی ایک خاص انداز میں کی گئی تھی اور بہترین رہائش مہیا کی گئی تھی پورا اسٹاف میرے ساتھ تھا جبکہ میں بذات خود شرجیل نہیں تھا۔ اس دوران شرجیل سے ایک بار بھی میری ملاقات نہیں ہوئی تھی' حالانکہ اس نے کہا تھا کہ ضرورت کے وقت وہ مجھ سے دور نہیں ہوگا' لیکن ابھی تک میرے اپنے خیال میں کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔ شرجیل کب اور کیسے میرے پاس پہنچے گا اور میری مدد کرے گا اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ شری ناتھ نے جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں' میں نے یہاں کے حالات کا جائزہ لے لیا۔ وہ مڈھ بھی دیکھا جہاں دھرم وستو کا ٹھکانہ تھا۔ بے شمار لوگ اس سے اپنی منتیں مرادیں پوری کرانے کے لئے آیا کرتے تھے اور آج کل ان کے کہنے کے مطابق دھرم وستو زندہ تھا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اسی انداز میں چلتی رہیں۔ کئی دن گزر گئے تھے اور میں اپنا کام کر رہا تھا۔ شرجیل سے میری کوئی اور ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ہرداس پور ایک خوبصورت شہر تھا' گو اس کی آبادی کوئی زیادہ نہیں تھی' لیکن اس کے مضافات بھی بے حد حسین تھے۔

باب نمبر 23

میں کئی بار اس مڈھ یا مندر کی سیر کر چکا تھا۔ اس دن بھی میں مڈھ کے پاس سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مڈھ سے کافی فاصلے پر اس کی سیدھ میں' میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا' جس کا اوپری بدن برہنہ تھا اور وہ آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جسم بہت لاغر اور کمزور تھا۔ درخت کے تنے کے ساتھ بنے ہوئے گول اور پکے چبوترے پر وہ آسن جمائے بیٹھا تھا۔ عمر اچھی خاصی تھی داڑھی بھی بڑی اور سفید تھی۔ خاص طور پر مجھے اس کا چہرہ دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جو کچھ بھی ہے' برا انسان نہیں معلوم ہوتا۔ پتہ نہیں کون ہے..... کیا ہے..... بہرحال میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا' پھر اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب میں بیٹھ گیا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا:

"جو کچھ تمہارے دل میں ہے ہے تو ٹھیک لیکن ایک بات میری بھی سن لو' میں تمہیں موت کی طرف قدم بڑھانے کی اجازت بالکل نہیں دے سکتا۔"

"آپ کے بارے میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں؟"

"نہیں میرے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو' بلکہ ایسا کرو اپنے دل کی بات اپنی زبان سے بیان کرو۔"

"آپ نے خود میرے بارے میں کچھ کہا ہے..... ذرا اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے تمہارا انتخاب کیا ہے اور جس مقصد کے لئے کیا ہے' اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ اس میں تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس کے قیاس پر میں حیران رہ گیا

تھا۔ الفاظ کا مفہوم وہی تھا' جس پر میں عمل کر رہا تھا۔ میں کچھ لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر میں نے کہا:

"کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں جناب' میں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کروں؟" چند لمحے تک وہ خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا:

"دیکھو کسی سے صرف اس قدر سوال کرو جس کے وہ جوابات اچھی طرح دے سکے۔ میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ تم جو کچھ کرو گے' اس میں کامیابی تو تمہیں حاصل ہو جائے گی' لیکن اس کے لئے جن مشکلات سے تم گزرو گے' کیا تم ان مشکلات کو برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہو؟"

"فرض کیجئے اگر میں سکت نہیں بھی رکھتا تو کیا آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"کیوں تم سے کس نے کہا کہ تمہارے لئے میں اپنے سر کوئی مصیبت مول لے سکتا ہوں۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں' آپ نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ میرے دل میں نہ جانے کیوں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"اپنے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتاؤ" اس نے کہا اور میں چند لمحے سوچ میں ڈوبا رہا...... حالانکہ وہ ہندو تھا...... اپنے چہرے مہرے اور حلیے سے وہ ایسا ہی لگ رہا تھا اور ظاہر ہے کالے علم کے مقابلے میں کالے علم کا کوئی ماہر ہی مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا:

"سنو مجھے اندازہ ہے کہ تم مسلمان ہو...... ایک بہت بڑے شیطان کے مقابلے میں آئے ہو...... ایک شخص نے تمہیں اپنا دست راست بنا کر تم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور تم اس کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہو گئے ہو۔ خیر چھوڑ ان باتوں کو دھرم وستو کا جہاں تک تعلق ہے' یوں سمجھ لو کہ ایک بدترین شیطان ہے' خاص طور سے مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ یہاں ہرداس پور میں اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی مسلمان کو خوش حال اور آباد نہیں رہنے دے گا۔ وہ شیطان اپنی جادوئی قوتوں سے لمبی عمر حاصل کر چکا ہے لیکن انسان ہر حال میں فانی ہے۔ آخر کار وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ مصنوعی سہاروں سے جینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا

اور اس کی موت کسی ایسے ہی ذریعے سے آئے گی جیسے تم...... میں تمہیں کچھ اور بتاؤں...... یہاں تمہیں بڑی مشکلات پیش آئیں گی کیونکہ یہاں جتنے افراد موجود ہیں' وہ کسی بھی طور سہی چاہے اس کے خوف سے یا اپنے کسی لالچ سے' دھرم وستو کے خلاف نہ کچھ کریں گے اور نہ اس میں تمہارا ساتھ دیں گے بلکہ جب اس کا اور تمہارا آمنا سامنا ہو گا تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کی وجہ سے تم سمجھتے ہو کہ تمہیں کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ اس کے بارے میں تمہیں جو معلومات حاصل ہوں گی وہ بھی تمہیں خوفزدہ کر دیں گی۔"

"مجھے تھوڑی سی معلومات اس کے بارے میں حاصل ہو گئی ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ......"

"ہاں مجھے معلوم ہے اس کی زندگی سے متعلق چھوٹے چھوٹے واقعات تم سن چکے ہو۔ وہ شیطان ہے اور اپنی غلاظتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے' انسانوں کو نقصان پہنچاتا رہا ہے۔ خیر میں تمہیں اپنا راز سونپ رہا ہوں...... میں بھی اللہ کا ایک بندہ ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے میرا تعلق دین اسلام سے ہے۔ اس سے زیادہ میرے بارے میں کچھ مت پوچھنا' ہم اپنے ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے لئے ایک کام کر رہے ہیں۔ میں نے یہاں ایک ہندو نام سے جو بسیرا کیا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ میں ان لوگوں کا سہارا حاصل کر کے انہیں نقصان پہنچاؤں۔ مجھ تک بار بار آنے کی کوشش مت کرنا اور نہ ہی شرجیل کو تلاش کرنا۔ ہم دونوں ایک ہی مقصد پر عمل کر رہے ہیں اور تمہارا انتخاب ہم نے خاص طور پر کیا ہے۔ ہم اس وقت تک تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے' جب تک تمہیں انتہائی مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی سنو...... تمہارا ایک ماضی ہے اور اس ماضی میں بہت سے ایسے پراسرار پردے پڑے ہوئے ہیں' جنہیں تم ہٹانا چاہتے ہو۔ اصل میں کچھ لوگوں کی تقدیر میں کچھ لوگوں کے لئے بھلائی کا عمل لکھ دیا گیا ہے' تمہاری تقدیر میں بھی یہی عمل لکھ دیا گیا ہے اور راستے منتخب کرنے والی ذات تو بہت ہی بڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ تمہیں کئی گندگیوں سے گزارا گیا ہے اور اس غلاظت میں لپٹے ہوئے تم اپنا عمل کر رہے ہو لیکن آخر کار وہ سب کچھ ختم ہو جائے گا تمہیں تمہاری کاوشوں کا جو صلہ ملا گا وہ تمہیں اس دنیاوی زندگی کے لئے مطمئن کر دے گا۔ بس اب جاؤ میرے پاس کبھی نہ آنا۔ میں خود دوبارہ تمہارے پاس پہنچوں گا۔ تم مکمل طور پر ایک دنیادار آدمی کی حیثیت سے اپنا کام سرانجام دو اور اس کے خلاف کام کرو۔

باب نمبر 24

اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میری دونوں آنکھوں میں مٹی پڑ گئی ہو' میں نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیئے' کچھ لمحے آنکھوں میں مٹی کی کھٹک رہی اور پھر ایک دم آنکھیں صاف ہو گئیں- یہ مٹی نہیں تھی بلکہ کچھ اور ہی تھا' جب میں نے آنکھیں کھول کر ارد گرد کے ماحول کو دیکھا تو یہ ماحول مکمل طور پر تبدیل ہو چکا تھا یعنی یہ میری رہائش گاہ تھی- میں ایک کرسی پر بیٹھ کر بڑی گہرائی سے ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا...... اب میں بڑا مطمئن ہو گیا تھا اور پر اطمینان انداز میں اپنا کام کرنے پر لگا تھا-

یہاں باقاعدہ میری ایک حیثیت تھی' گو یہ حیثیت شرجیل کے نام سے ہی تھی لیکن اس سے کم از کم مجھے یہاں اپنے قدم جمانے کا موقع مل گیا تھا اور اب میں بڑے اطمینان سے ہرداس پور کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا- بہت سے معاملات میرے علم میں آ چکے تھے اور میں یہ دیکھ چکا تھا کہ ہرداس پور کے قرب و جوار میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے' مسلمانوں کو ہر جگہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے- ایک ہندوؤ سے میں نے اس بارے میں بات کی تو پہلے تو اس نے میری بات کا جواب دینے سے گریز کیا' پھر بولا:

اصل میں مہاراج پہلے یہ سب کچھ نہیں تھا...... آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس نفرت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے' جب سے مہاراج دھرم وستو یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں' یہ نفرت بڑھ گئی ہے اور اس کی اجازت دھرم وستو صاحب نے ہی دی ہے کہ مسلمانوں کو جتنی جلدی ہو سکے' یہاں سے نکال کر اس علاقے کو گوشت خوروں سے پاک کرو' دھرم وستو جی خود بڑے گیانی ہیں- میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی تھی- اصل میں ہر طرف سے مجھے مدد سے محروم کر دیا گیا تھا اب جو کچھ بھی کرنا تھا' مجھے اپنے ہی بل بوتے پر کرنا تھا- بہرحال میری کوشش تھی

کہ پہلے ذرا صورت حال کا مکمل جائزہ لے لوں- اس کے بعد دھرم وستو جیسے شیطان کا سامنا کروں' اس دن میں ایک مخصوص علاقے میں گھوم رہا تھا- یہاں بجلی کی سہولت بے شک موجود تھی لیکن بجلی بہت کم رہا کرتی تھی- اس وقت بھی چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا' تاریکی کی دبیز چادر نے ہر شے کو اپنے سیاہ وجود میں لپیٹ رکھا تھا- نہ جانے کیا سوچ کر میرے قدم اس مڈھ کی طرف بڑھ گئے جو دھرم وستو کی رہائش گاہ تھی- تقریباً دو تین کلو میٹر کا فاصلہ تھا' میں چلتا رہا- ویسے تو میں نے ایک بار پہلے بھی اس علاقے کا جائزہ لیا تھا لیکن آج ذرا میں تفصیل سے یہاں کا اندازہ لگانا چاہتا تھا- آبادی سے خاصے فاصلے پر یہ جگہ بڑی عجیب و غریب اور انتہائی دہشت ناک تھی- لمبی لمبی جھاڑیاں اور اونچے اونچے درخت اس مڈھ کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے- مجھے بتایا گیا تھا کہ کسی زمانے میں یہ ایک بہت بڑا مندر تھا لیکن یہاں دھرم وستو کے آنے کے بعد ایک اور جگہ تعمیر کرائی گئی' جو مندر کے ہی ایک حصے میں تھی- اب لوگ اس مندر میں پوجا کرنے آیا کرتے تھے اس کا انتظام بھی دھرم وستو نے ہی کیا تھا- نو تعمیر شدہ جگہ پر کالے علوم کا کاروبار ہوتا تھا- یہاں جتنے لوگ رہا کرتے تھے' ان کے بارے میں صحیح طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ انسان ہیں بھی یا نہیں- ایسی عجیب و غریب روایات تھیں کہ سن کر انسان کا دل دہل جائے لیکن کبھی کبھی عقیدت مند رائی کا پہاڑ بھی بنا دیتے ہیں- البتہ یہ الگ بات تھی کہ آبادی کے لوگ رات کی تاریکی میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے اور شام کے سناٹے پھیلتے ہی اس طرف کے راستے تقریباً بند ہو جایا کرتے تھے-

بہرحال میں آگے بڑھتا رہا...... زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا تھا کہ اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی- جیسے کوئی کراہ رہا ہو' میں چونک کر اپنی جگہ رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا- سامنے درخت کے نیچے مجھے ایک انسانی سایہ نظر آیا' ایک لمحے کے لئے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی اور پھر میں نے خود کو ایک دم سنبھال لیا- ذرا دیکھو تو سہی صورت حال کیا ہے- چنانچہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس سائے کے قریب پہنچ گیا...... قریب پہنچ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... میں نے ایک نوجوان لڑکی کو بیٹھے دیکھا- اس کا اوپری جسم تقریباً لباس سے بے نیاز تھا...... نچلے بدن پر بھی لباس چیتھڑوں کی شکل میں جھول رہا تھا- قریب سے دیکھنے pr اندازہ ہوتا تھا کہ نوجوان ہے- خوبصورت بھی ہے...... بال بکھرے ہوئے تھے...... سسکیاں اور کراہیں اسی کے حلق سے نکل رہی تھیں- ایک لمحے کے لئے میں سٹپٹا گیا لیکن پھر میں نے

اپنے اندر ہمت پیدا کی اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے کہا:

"اٹھو...... کون ہو تم؟"

"شما کر دو تمہیں بھگوان کا واسطہ...... مجھے شما کر دو...... جانے دو مجھے...... اب تو جانے دو پاپیو۔"

"لڑکی میں تمہیں روک نہیں رہا اور نہ ہی روکنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے...... کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ...... ؟ کہاں سے آ رہی ہو...... کون ہو؟" لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا' اور اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' کیا وہ سچ ہے یا پھر ایک اور بھیڑیا چالاکی سے کسی بھیڑ کو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے کھلے ہوئے بدن کو ان چیتھڑوں سے ڈھکنے لگی۔ ابھی وہ مکمل طور پر اپنے بارے میں مجھے کچھ بتا بھی نہیں پائی تھی کہ اچانک ہی ایک ہٹا کٹا پجاری نشے میں دھت اس طرف آتا ہوا نظر آیا۔ لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔ میں تھوڑا سا آڑ میں ہو گیا تھا وہ لڑکی کے قریب پہنچا اور اس نے لڑکی پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا:

"ہماری باری بھاگ نکلی...... کیا سمجھتی تھی نکل جائے گی ہمارے ہاتھوں سے...... چل اٹھ۔" اس نے لڑکی کے بال پکڑے اور لڑکی کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکل گئی۔ اب اس کے بعد انتظار کرنا فضول تھا۔ میں آگے بڑھا اور کہا:

"کتے چھوڑ دے...... اسے چھوڑ دے...... ورنہ میں تیرے ٹکڑے کر دوں گا۔" اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور میری طرف دیکھ کر بولا:

"کون ہے رے تو...... اس کا بھائی ہے کیا؟"

"ہاں میں اس کا بھائی ہوں اور تیرا قاتل۔"

"ارے جا ہمیں قتل کرنے والے مر گئے...... جا دفعہ ہو جا یہاں سے...... جانتا نہیں یہ مہاراج دھرم وستو کا استھان ہے۔ یہاں کسی کی کیا مجال جو مہاراج کے چرنوں میں رہنے والوں کو کوئی نقصان پہنچا دے اور تیرے جیسے مریض تو ہم ہی ٹھیک کر لیتے ہیں۔ جا چلا جا ورنہ......" لیکن اس کے آخری الفاظ پورے ہونے سے پہلے میں اس کے قریب پہنچا اور پھر میرے تھپڑ کی آواز اتنی زوردار تھی کہ شاید ہی کسی نے اتنی زوردار آواز میں تھپڑ کھایا ہو' ایک لمحے کے لئے وہ حیران سا رہ گیا یا ممکن ہے کہ اس کا سر چکرا گیا ہو لیکن دوسرے لمحے میں وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کمبخت بلا کا طاقتور تھا۔ اس

نے مجھے اپنی آہنی گرفت میں لے رکھا تھا اور میری پسلیوں کو دبا رہا تھا۔ میری سانس رکتی جا رہی تھی...... پھر میرے اندر ایک عجیب سی قوت بیدار ہو گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت میں ڈالے اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ میں نے اس کے پیٹ میں ایک گھونسہ مارا اور اس کے حلق سے آواز نکلی' وہ جھکا ہی تھا کہ میں نے گھوم کر ایک لات اس کے منہ پر ماری اور وہ نیچے گر پڑا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں نے اس کے بدن پر کئی مکے جڑ دیئے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب اس لڑکی کی بھی ہمت بڑھ گئی ہے اس نے قریب ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے پجاری کے سر پر دے مارا۔ اس کی آواز بھی نہیں نکل پائی تھی اور اس کا بدن کسی لٹو کی طرح گھومنے لگا تھا۔ چہرہ اس طرح زخمی ہوا تھا کہ بھیجا باہر نکل آیا تھا چند لمحوں کے بعد اس نے دم توڑ دیا آس پاس کی زمین اتنی سرخ ہو گئی تھی کہ جیسے خون کی کیچڑ ہو گئی ہو۔ لڑکی اپنے تحفظ کے لئے یہ قدم اٹھا تو چکی تھی لیکن اب سخت دہشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا:

"کیا تم اپنے بارے میں کچھ اور بتانا پسند کرو گی؟"

"بابو جی بھگوان آپ کا بھلا کرے...... آپ نے ہماری مدد کی ہے۔ جیون بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھول سکیں گے ہم سے ہمارے بارے میں اور کچھ نہ پوچھیں...... ہمیں جانے دیں۔ ہم آپ کا احسان زندگی بھر فراموش نہ کر سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم چلی جاؤ' میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا۔" میں نے کہا۔

لڑکی نے ایک بار پھر اپنے پھٹے ہوئے لباس کے چیتھڑوں سے بدن کو ڈھکا اور اس کے بعد وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے پجاری کی لاش کو دیکھتی ہوئی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

حالانکہ یہ خون میں نے نہیں کیا تھا' بلکہ لڑکی نے پجاری کے سر پر پتھر مارا تھا لیکن اگر کوئی مجھے یہاں دیکھ لے تو پھر میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا اور میں آسانی سے ایک قاتل قرار دے دیا جاؤں گا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو فوراً یہاں سے نکل بھاگوں یا پھر اب جب یہاں تک آیا ہوں تو آگے جانے کا خطرہ مول لے کر کم از کم دھرم وستو کے اس استھان کو دیکھوں۔ آخر یہی فیصلہ کیا تھا میں نے کہ مجھے یہ رسک لے لینا چاہیے۔ اس کے بعد ایک نگاہ میں نے اس پجاری کی لاش پر ڈالی اور پھر بچ کر دوسرے دروازے کی طرف چل پڑا۔

* * *

باب نمبر 25

میرے قدم آہستگی سے اٹھ رہے تھے اور اس وقت وہ الفاظ مجھ پر صادق ہوتے تھے کہ میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔ ویسے میرے دل میں بڑی ہمت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب جو کچھ بھی ہو مجھے بہرحال یہ کام سرانجام دینا ہے۔ آخر کار میں نے وہ سیڑھیاں تلاش کر لیں جو گہرائی میں اترتی تھیں۔ دور دور تک کسی انسان کا کوئی پتہ نہیں تھا' ہر طرف تاریکی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ میں اللہ کا نام لے کر ان سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا حالانکہ دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں۔ دھرم وستو کے بارے میں جو کہانیاں میں نے سنی تھیں وہ میرے ذہن میں زندہ تھیں۔ انسان کے دل میں اگر خوف کا گزر نہ ہو تو اسے انسان نہیں کہا جا سکتا۔ میں بھی بہرحال ایک کمزور اور معمولی سا انسان تھا۔

میرے پاس تھا ہی کیا.....؟ زندگی نے مجھے جو کچھ دیا تھا اس کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں..... اب دیکھنا یہ تھا کہ آگے زندگی میرے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے۔ ساری کائنات میں صرف ایک ماں تھی جو ساتھ چھوڑ گئی تھی اور اس کے بعد ساری کی ساری کہانیاں ہی کہانیاں تھیں اور ان کہانیوں سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اگر اس کوشش میں زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اب تو سبھی سے دور ہو گیا تھا۔ ایک افضال تھا جس سے دوستی ہو گئی تھی لیکن اب وہ بھی یاد نہیں آتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض اوقات احساسات انسان کو بڑی قوت بخش دیتے ہیں اور میں بھی احساس میں قوت کا قائل ہو گیا تھا کیونکہ اب مجھے کوئی خوف نہیں تھا اگر دھرم وستو کے ہاتھوں موت

کے گھاٹ اتر جاؤں تو اس سے اچھی اور کوئی بات ہی نہیں ہو گی۔ اختیار احمد صاحب کی تلاش تو اب ایک طرح کا خواب بن چکی تھی اور پھر سچی بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ اگر اختیار احمد صاحب مجھے مل گئے تو میں ان کا کروں گا کیا.....؟ ہو سکتا ہے کہ میرے دل میں نفرت کا طوفان امڈ آئے اور میں انہیں زندگی سے دور کر دوں...... لیکن اگر میری ماں زندہ ہوتی تو کیا اس بات کو قبول کر لیتی۔ خیر اب یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں' اس وقت تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میں پچ کے اس راستے پر جا رہا تھا جس کے بارے میں مجھے پتا تھا کہ یہاں پچ کے اندر تہہ خانے کی گہرائیوں میں دھرم وستو کی وہ لاش موجود ہے' جس کے بارے میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ لاش ہے یا زندہ انسان۔ بس کہانیاں ہی کہانیاں تھیں اور بالکل غیر محسوس طریقے سے میں ان کہانیوں کا ایک کردار بن گیا تھا۔ دھرم وستو کی حقیقتوں کو منظر عام پر لانا اور اسے ختم کرنا ہی میرا منشا تھا اور مجھے اسی کے مطابق کام کرنا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ میرے سپرد جو ذمہ داری کی گئی ہے اسے انجام دینا ہی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ ویسے مجھے اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی کہ دھرم وستو کے اس تہہ خانے میں اترنے کے بعد میرا کیا ہو گا۔ میرا تھا ہی کون جس کے لیے میں پریشان ہوتا یا وہ میرے لیے پریشان ہوتا۔ ان خیالات نے مجھے یہ فائدہ پہنچایا تھا کہ تہہ خانے کی سیڑھیاں مجھے معلوم نہیں ہوئیں تھیں اور میں اس پراسرار تہہ خانے کے دروازے تک پہنچ گیا تھا جس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہانیاں لوگوں میں موجود تھیں۔ میں نے اپنے سامنے ایک دروازہ دیکھا جس پر جمی ہوئی مٹی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ برسوں سے نہیں کھولا گیا ہو گا۔ میں دروازے کے قریب کھڑا اسی سوچ میں تھا کہ دروازے کو دھکیلوں کہ اچانک ہی ایک تیز آواز کے ساتھ دروازہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اسے اندر سے کھول رہا ہو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر انسان احساسات سے الگ ہو جائے تو اسے انسان سمجھنا ہی مشکل کام ہے۔ خوف انسان کی فطرت کے دوسرے بہت سے پہلوؤں کی طرح اس کی زندگی کا حصہ ہوتا ہے۔ میں لاکھ ہمت باندھ رہا تھا' اپنے آپ کو نڈر اور بے خوف سمجھ رہا تھا لیکن ہر انوکھی بات پر دل دھڑک اٹھتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے یہی بات سوچی کہ باہر سے اس وقت گرد آلود نظر آنے والے دروازے کو اندر سے کھولنے والا کون ہو سکتا ہے؟ کیا خود دھرم

وستو؟ اور اس احساس سے خوف کی ایک لہر میرے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ میں انتظار کرتا رہا کہ دروازہ کھولنے والا میرے سامنے آئے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا جبکہ دروازے کے دونوں پٹ مکمل طور پر کھل گئے تھے۔ میں نے اس کھلے ہوئے دروازے سے اندر کا جائزہ لیا۔ اندر گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک لمحے میں سوچ میں ڈوبا اور پھر انتہائی ہمت کر کے میں نے ایک قدم دروازے کے اندر رکھا...... پھر دوسرا...... تیسرا...... اور اس کے بعد میں اندر داخل ہو گیا۔

جیسے ہی میں نے اندر قدم رکھے' اچانک ہی اس خوفناک حد تک تاریک تہہ خانے میں ایک دم روشنی پھیل گئی۔ میرے حلق سے دہشت بھری آواز نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا' دروازہ اسی طرح کھلا ہوا تھا۔ یہ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ روشنی اچانک کہاں سے آ گئی ہے۔ میرا سر گھوم کر رہ گیا کوئی پتہ ہی نہیں چل رہا تھا' جب روشنی کے مرکز کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تو میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر میری نگاہیں اس پتھر کی سل پر پڑیں جس پر ایک انسانی وجود سفید رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا تھا' پتھر کی یہ سل زمین سے تقریباً ڈھائی فٹ اونچی تھی' خاصی لمبی تھی اور اس پر لیٹا ہوا انسانی وجود سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے ایک لمبے جسم کا مالک نظر آتا تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا' کمرے میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں اس کپڑے کی ہلکی نیلاہٹ ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ کپڑا چمک رہا ہو' ہلکے نیلے رنگ میں بڑی خوفناک صورت حال تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو سہارا دیا اگر یہ دھرم وستو کی لاش ہے تو میرے سر پر بھی تو بزرگوں کے سائے ہیں۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا' اپنے آپ کو یہی اطمینان دلاتا تھا کہ میرا کچھ نہیں بگڑے گا...... میں بالکل ٹھیک رہوں گا۔ اس بات نے میرے اندر بڑی ہمت پیدا کر دی تھی۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور لاش کے قریب پہنچ گیا۔ بڑی ہمت کر کے میں نے اس سنسان اور ہولناک ماحول میں لاش کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ ٹوٹی ہوئی کھوپڑی...... کالی سیاہ رنگت...... بڑی بڑی کالی مونچھیں...... ٹھوڑی میں ایک گہرا گڑھا...... موٹے موٹے ہونٹ...... بڑی بڑی بند آنکھیں...... ناقابل یقین خوفناک شخصیت کا مالک تھا یہ شخص۔ اس کا سارا وجود ہی ایک ہولناک بھوت کی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں نے ابھی اس کا چہرہ دیکھا تھا لیکن قریب سے

دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی جسامت بھی ناقابل یقین ہے۔ چوڑے شانے' موٹی سی توند۔

اچانک ہی وہ کپڑا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا جو میں نے اس کے چہرے سے ہٹایا تھا۔ عقب سے ایک زوردار آواز آئی' میں بری طرح لرز اٹھا۔ میں نے تیزی سے گھوم کر دیکھا تو وہ دروازہ بند نظر آیا' جس سے میں اندر داخل ہوا تھا۔ میرے پورے وجود میں جھرجھری پیدا ہو گئی تھی۔ دروازہ جس طرح بے آواز کھلا تھا ایسے ہی بند بھی ہو گیا تھا اسے کھولنے والا کون تھا اور بند کرنے والا کون' میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے دل اندر سے پھڑپھڑایا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ یہ جگہ بے حد ہولناک ہے۔ پراسرار تہہ خانے میں نظر آنے والا یہ وجود انسانی وجود نہیں ہے بلکہ ایک ہولناک بلا ہے۔ دروازے سے نظر اٹھا کر واپس اس سونے والے کو دیکھا جو دھرم وستو کے سوا اور کوئی نہیں تھا تو ایک اور حیرت کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا اس کی پراسرار آنکھیں جو کچھ دیر پہلے اس طرح بند تھیں جیسے کوئی آرام سے سو رہا ہو اب کھل گئی تھیں اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے ان آنکھوں میں زندگی دوڑتی نظر آ رہی تھی۔ گہری چمکدار آنکھیں...... میرے خدا کتنا خوفناک لگ رہا تھا وہ...... پھر اس کے موٹے اور بھدے ہونٹ جو پہلے خشک اور بے جان نظر آ رہے تھے' کپکپانے لگے اور پھر ان موٹے ہولناک ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہا ہو۔ اس کی مسکراہٹ گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی اور بڑی بڑی آنکھیں آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگی تھیں۔ میں جیسے سحر زدہ ہو گیا تھا...... شاید سانس بھی لینا بھول گیا تھا اور ساکن کھڑا دھرم وستو کو دیکھ رہا تھا۔ ساری باتیں میری لئے ناقابل یقین اور بھیانک تھیں۔ تہہ خانے کے وزنی دروازے کا بند ہو جانا اور دھرم وستو کے مردہ جسم میں اس طرح سے زندگی دوڑ جانا کیا ہے یہ سب کچھ؟ میں اپنی جگہ کھڑا کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور خوف میرے وجود پر چھاتا جا رہا تھا۔ میں اپنے قدموں کو پیچھے ہٹانا چاہتا تھا لیکن اس میں بھی مجھے ناکامی ہو رہی تھی...... اچانک ہی ایک بھاری آواز سنائی دی:

"کہو یہاں آ کر تمہیں کیسا لگا؟" یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی ایک آدمی کی آواز نہ ہو بلکہ ایک انسان کے حلق سے سینکڑوں آوازیں نکل رہی ہوں۔ تہہ خانے کی فضا میں ایک

ہولناک لرزش پیدا ہو گئی تھی اور مجھے اپنے حلق میں کانٹے سے محسوس ہو رہے تھے' جبکہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ دھرم وستو بہت مطمئن نظر آ رہا ہے۔ غالباً اسے میری بوکھلاہٹ کا احساس بھی تھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے..... چادر سیدھی کی اور پتھر کی اس سل پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آہ..... اگر کوئی صاحب دل میری اس وقت کی کیفیت کو میرے ہی انداز میں محسوس کر لے تو میں اس کا انتہائی مشکور ہوں گا۔ وہ مجھے اب بھی گھور رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں میرے لئے تمسخر تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے میرا ذہن سوتا جا رہا ہو۔ میں اپنے دل کی دھڑکنوں کی تیزی پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا..... تھوڑے فاصلے پر لوہے کی ایک سلاخ پڑی ہوئی تھی..... اچانک ہی میرے بدن میں جنبش پیدا ہوئی اور میں نے اس لمبی سی سلاخ کو اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ کم از کم اور کچھ نہ سہی دل کو یہ سہارا تو رہے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار موجود ہے۔ اس نے میری اس حرکت کو بھی بہت ہنستے ہوئے دیکھا تھا اور پھر اس نے کہا:

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ مجھے تمہاری یہاں آمد کا پورا پورا علم تھا۔ سنو..... میں تمہیں بہت سی باتیں بتاؤں گا۔" وہ پتھر کی اس سل سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا' اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ لمبا چوڑا بدن انتہائی سڈول اور طاقتور نظر آتا تھا۔ کھڑے ہونے کے بعد وہ ایک ایک قدم میری جانب بڑھا اور میں نے اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ میرے دل و دماغ پر خوف و دہشت کی انتہا ہو گئی تھی..... میں نے لوہے کی وہ سلاخ سیدھی کرتے ہوئے کہا:

"دھرم وستو! اگر میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" وہ رکا..... مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے مسکرا کر کہا:

"نہ جانے میرے اندر یہ خرابی کہاں سے پیدا ہو گئی ہے' ہر بہادر آدمی مجھے پسند آتا ہے۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں لڑکے کہ تم ابھی تک اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھے ہوئے ہو' تمہاری جگہ اگر اور کوئی ہوتا تو اب تک اس کے جسم کی دھڑکن بند ہو چکی ہوتی۔ خیر تمہاری اس بات کا میں نے بالکل برا نہیں مانا ہے۔"

"میں تمہاری کسی بھی مکاری کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا دھرم وستو۔ تمہیں اب میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" اس کا مسکراتا ہوا چہرا ایک لمحے کے لیے ست ہوا

لیکن پھر اس کی کیفیت دوبارہ بحال ہو گئی۔

"بہت خوب..... بہت خوب..... مجھے اپنی زندگی میں ایک نئے تجربے کا احساس ہو رہا ہے۔ تم اتنے نادان ہو بیوقوف لڑکے کہ اپنی چھوٹی سی کامیابی کو آخری کامیابی سمجھ رہے ہو اگر تمہیں میری طاقت کا پورا پورا علم ہو جائے تو تم اپنی دلیری کو بھول کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو اور یہ سوچو کہ جان بچ گئی تو بہت بڑا کام ہوا ہے۔ میں ابھی تمہیں اپنی طاقت کا کرشمہ دکھانا نہیں چاہتا۔ ایک بات اور بھی سن لو' اگر میں نہ چاہتا تو تم سارا جیون کوشش کرتے رہتے لیکن یہاں تک نہ پہنچ پاتے۔ میں جانتا ہوں کہ کن لوگوں کے بل پر تم یہاں تک آئے ہو..... بہت دنوں سے میرے اور ان کے درمیان چل رہی ہے وہ اپنی کوششیں کرتے رہے ہیں اور میں اپنی کوششوں سے انہیں ناکام بناتا رہا ہوں..... چلو اس بار بھی ان کی یہ کوشش دیکھی جائے..... نہ جانے انہوں نے تمہیں کیا بنا کر یہاں بھیجا ہے لیکن یہ بات سمجھ لو کہ اب تم یہاں سے واپس نہیں جا سکتے۔"

"سنو اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں میرے دل میں خوف پیدا ہو گیا تھا لیکن اگر تم اتنا ہی گیان اور ایسی شکتی رکھتے ہو تو تمہیں کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں ہے اور جس کام کے لئے میں نے قدم اٹھائے ہیں' اس کے بارے میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ یہ نیکی کے راستے ہیں۔ ان راستوں پر چلنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا..... دھرم وستو..... تمہارا انجام میرے ہی ہاتھوں ہو گا۔" دھرم وستو تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا:

"افسوس! بات اصل میں یہ ہے کہ جب ہم کالی شکتی کے لئے کام کرتے ہیں تو ہمیں بھی کچھ قسمیں کھانی پڑتی ہیں' وہ قسمیں یہ ہوتی ہیں کہ اگر کوئی ہم سے کم گیان والا ہمارے لئے ایسی باتیں کرے تو ہم اس کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیں' یہ بڑا ضروری ہوتا ہے ہمارے لئے اور اگر ہم ایسا نہ کر پائیں تو پھر ہمیں اس کا جرمانہ دینا پڑتا ہے۔ سنو لڑکے جو کچھ تم کہہ چکے ہو اور جو کچھ کہنے والے ہو' اس پر غور کرنا اور اگر تم نے اپنی باتیں اسی طرح جاری رکھیں اور میری توہین کرتے رہے تو اپنے جرمانے کی شدت کو بڑھاتے چلے جاؤ گے۔"

"اگر تم اتنے ہی طاقتور ہو دھرم وستو..... تو ابھی تھوڑی دیر پہلے خون ہوا ہے' تم اس

خون کو کیوں نہیں روک سکے؟"

"جو باتیں تمہاری جاننے کی نہ ہوں، انہیں جاننے کی کوشش مت کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے...... کیا سمجھے؟"

"میں ان بیہودہ باتوں کو سمجھنے کے لیے یہاں آیا بھی نہیں ہوں۔"

"تو پھر تمہارے دل میں کیا ہے...... بتانا پسند کرو گے مجھے؟"

"جو میرے دل میں ہے تم بھی جانتے ہو دھرم وستو، ابھی تم نے ان کا تذکرہ کیا ہے، جن کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ ان کے اور تمہارے درمیان چل رہی ہے...... دھرم وستو جو کچھ تم یہاں کر رہے ہو وہ ان لوگوں کو پسند نہیں ہے اور انہوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں ختم کر دوں تاکہ تم اپنے شیطانی عمل سے باز آ جاؤ۔" جواب میں وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد سپاٹ لہجے میں بولا:

"تو اب تو مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں تجھے اپنے بارے میں بتا ہی دوں...... تجھے اندازہ نہیں ہے کہ تو اپنے لئے کنواں گہرے سے گہرا کرتا چلا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر گزرے گی کہ تو میرے قدموں میں جھکا ہوا مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو گا...... چل ختم کر مجھے ان لوگوں کے کہنے سے جو تیرا جیون میرے ہاتھوں ختم کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا باتیں تو کافی ہو چکی ہیں اور ان باتوں سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا، جب یہاں تک پہنچ چکا ہوں تو اپنے دل کی حسرت نکال لینی چاہیے۔ چنانچہ میں نے لوہے کی اس سلاخ کو ہاتھ میں تولا لیکن اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ سلاخ کسی رسی کی طرح جھک گئی ہے۔ اس کا آخری سرا میرے ہاتھ میں تھا، باقی سلاخ لٹک کر نیچے آ گئی تھی۔ دھرم وستو کے بے اختیار قہقہے اس خوفناک فضا میں گونجنے لگے اور پھر اس نے کہا:

"تم ابھی یہ جان جاؤ گے کہ تم کتنی بڑی قوت سے ٹکرا رہے ہو...... کچھ بھی نہیں ہو تم...... کچھ بھی نہیں...... سنو لڑکے میں تمہیں تمہاری زندگی کا سارا حال بتا سکتا ہوں۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تمہارا باپ کون ہے، تمہاری ماں کو کس نے زندگی سے محروم کیا، کس نے اسے در در ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا، سمجھے...... وہاں سے شروع کر سکتا ہوں میں اور آنے والے سمے کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہوں تمہیں...... کہ آگے تم کیا حاصل کرو گے...... سمجھ رہے ہو نا۔"

میں نے اس لٹکی ہوئی رسی کو چھوڑ دیا۔ پہلی بار میرے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی سی پیدا ہو رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے...... جن بزرگوں نے مجھے اس کام کے لئے بھیجا تھا، انہوں نے تو مجھے ایسی کوئی پیشکش نہیں کی جو پیشکش یہ غیر مذہب والا کر رہا ہے اور اگر یہ پیشکش کر رہا ہے تو یہ بدبخت واقعی مجھے بتا سکتا ہے...... میری زندگی کی تو سب سے بڑی آرزو ہی یہی تھی کہ اپنی ماں کو پریشان کرنے والوں سے بدلہ لوں...... ان لوگوں سے انتقام لوں جنہوں نے میری ماں کو دربدر کر دیا تھا۔

اس کا پتہ مجھے کہیں سے نہیں چل سکا تھا...... کسی نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا تھا...... حالانکہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے باپ کو تلاش کروں...... اس سنگدل کو جس نے ایک عورت کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس سنگدل سے انتقام لینے کے لئے میں کیا طریقہ اختیار کروں گا۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ شخص مجھے اس کے بارے میں بتا سکتا ہے تو پھر مجھے اس سے پوچھ لینا چاہیے۔ وہ غالباً میرے ذہن کو پڑھ رہا تھا اس نے کہا:

"ہاں میں تجھے سب کچھ بتا دوں گا لیکن اس کے لیے تجھے گورو دان دینا پڑے گا، کیا سمجھا...... گورو دان دینے پڑے گا تجھے۔"

"یہ گورو دان کیا ہوتا ہے؟"

"سب سے پہلے تو میرے چرنوں میں بیٹھ کر میرے یہ پاؤں اپنی زبان سے چاٹے گا، یہاں سے آغاز ہو گا اگر تو یہ کر لیتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ میں تجھے وہ شکتی دوں گا کہ جس سے تو سنسار میں بہت بڑا مقام بنا سکتا ہے۔ اپنے سارے دشمنوں کو نیچا دکھا سکتا ہے تو...... بول تیار ہے...... آ جا میرے چرنوں میں بیٹھ کر میرے پاؤں کے تلوؤں کو اپنی زبان سے چاٹ۔" اچانک ہی میرے اندر غصے کا ایک طوفان ابھر آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ بے غیرت، میں جس مذہب کا انسان ہوں، اس میں یہ چیز ہے ہی نہیں...... میں تیرے پاؤں کاٹ تو سکتا ہوں، چاٹ نہیں سکتا۔ وہ بدبخت جیسے میرے سارے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا:

"تو ٹھیک ہے، اب تو اپنے انجام کے لئے تیار ہو جا...... اب میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

میں نے اسے دیکھا' اس کا چہرہ انتہائی خوفناک ہو گیا تھا اور میرے بدن میں ایک بار پھر لرزشیں پیدا ہو گئی تھیں۔ بہرحال مجھے اندازہ تھا کہ میں اس وقت ایک طاقتور دشمن کے سامنے ہوں اور اپنی کمزوریوں پر قابو پانے میں ناکام رہوں گا۔ تاہم میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا:

"دھرم وستو تو کالے علم کا ماہر ہے اور میں اللہ کے فضل سے ایک مسلمان کا بیٹا ہوں۔ میں تیری باتوں میں کبھی نہیں آؤں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تو علم کے ذریعے مجھے نقصان پہنچا بھی دے گا تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر تو اپنی جسمانی قوتوں سے مجھے زیر کر لے تو میں تجھے مان جاؤں گا۔"

"بھٹک رہا ہے..... راستے سے بھٹک رہا ہے..... وہ سب تجھے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں..... نہ انہیں کچھ ملے گا نہ تجھے۔ ویسے اگر تو اپنے آپ کو طاقتور نوجوان سمجھتا ہے تو وقت آنے دے میں تجھے اس کا موقعہ بھی دوں گا۔ اب تو اپنی اوقات کا اندازہ لگا لے۔" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ غالباً وہ کوئی عمل شروع کر رہا تھا۔ میں بت کی طرح خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا اور سوچ رہا تھا کہ اب اسے زیر کرنے کے لیے کیا کیا جائے اس کی پراسرار اور حیرت انگیز طاقتوں کا جو مظاہرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا' اس سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے ٹکرانا میرے بس کی بات نہیں ہے مسئلہ یہ تھا کہ مجھے اس کے مقابلہ میں بھیج تو دیا گیا تھا لیکن کوئی ایسی قوت یا طاقت نہیں دی گئی تھی جس سے میں اسے زیر کر سکوں۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ یہاں سے بھاگ نکلوں اور اس کے لئے میں تیاریاں کرنے لگا لیکن اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں بے جان ہوتے جا رہے ہیں۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا لیکن انہیں جنبش نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے لاکھ کوشش کی اور اس کوشش میں ناکام ہو کر میرے اپنے دل میں ایک عجیب سا خوف جاگزیں ہو گیا۔ کوئی دس یا بارہ منٹ گزر گئے' ہولناک سناٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا..... وہ خاموشی سے اپنا جاپ کر رہا تھا..... پھر اچانک ہی کچھ ایسی آوازیں ابھریں جیسے کوئی انتہائی دردناک آواز میں کراہ رہا ہوں۔ میں نے چونک کر گردن گھمائی لیکن سمجھ میں نہیں آیا وہ کون تھا..... میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دیواروں سے روشنی پھوٹ رہی ہے اور تھوڑی

دیر کے بعد تین سفید سفید جسم تین مختلف دیواروں سے نکل کر آگے بڑھنے لگے۔ ان کے نقوش نہیں تھے..... بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سفید کپڑوں میں لپیٹے ہوئے کچھ انسان دیواروں سے نمودار ہو کر میری جانب بڑھ رہے ہوں۔ میں نے خوف و دہشت کی نگاہوں سے اپنی جانب بڑھتے ان جسموں کو دیکھا..... وہ مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر رک گئے۔ دھرم وستو کے ہونٹوں پر پراسرار اور معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے انہیں دیکھا..... پھر مسکرا کر مجھے اور اس کے بعد ان میں سے ایک کی جانب انگلی اٹھا کر بولا:

"ان مہاراج کو اپنی کہانی سناؤ۔" میں اس پراسرار وجود کی طرف دیکھنے لگا جس کی طرف دھرم وستو نے اشارہ کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس وجود میں نقش پیدا ہونے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک تندرست و توانا آدمی کا چہرہ نمودار ہو گیا اس چہرے پر خوف کے آثار تھے' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گردن جھکاتے ہوئے کہا:

"ہمیں معاف کر دیں..... دھرم وستو مہاراج..... ہمیں معاف کر دیں۔"

"پاپیو..... پہلے نہیں سمجھایا تھا تمہیں..... تمہیں یہ بات کہ دھرم وستو نے اپنا پورا جیون کالی گیان کو حاصل کرنے میں گزارا ہے' سارا جیون دان کیا ہے اس نے اور اس کے بعد یہ شکتی حاصل کی ہے' جسے تم ختم کرنے کا بیڑا اٹھا کر گھر سے نکلے ہو' ارے سن رہے ہو کیا کہہ رہے ہیں ہم..... میں تم سے کہہ رہا ہوں احتشام ہے نا تمہارا نام..... تم سے کہہ رہا ہوں میں۔ یہ جو مہاراج ہیں یہ ویر سنگھ مہاراج ہیں' ریاست ویر گھر کے دیوان تھے یہ..... ویر گھر کی راجکماری سندھا ہمیں پسند آ گئی تھی..... منگوا لیا ہم نے اسے اپنے پاس' تو یہ دیوان مہاراج ویر سنگھ چل پڑے ہماری تلاش میں' اپنے مہاراج سے یہ کہہ کر کہ کماری کو لے کر آئیں گے..... آ گئے ہمارے مٹھ میں..... پہنچ گئے ہم تک۔ ارے سمجھایا ہم نے کہ مہاراج بدن کی شکتی کچھ نہیں ہوتی گیان شکتی کے سامنے اور اسی طرح اکڑ رہے تھے' جیسے تم اکڑ رہے ہو۔ یہ ہمارے راستے میں آئے اور جانتے ہو ہم نے کیا کیا ان کا؟ دیکھو یہ کیا..... اچانک ہی اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اٹھایا اور ایک انگلی اس طرح سیدھی کی جیسے پستول ہوتا ہے پھر میں نے اس سفید لباس میں لاتعداد سوراخ ہوتے ہوئے دیکھے..... کوئی آواز نہیں آ رہی تھی' بس سامنے کھڑے ہوئے ویر سنگھ کے پورے

بدن میں ایسے سوراخ ہو رہے تھے' جن کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ ان سوراخوں سے نہ خون بہہ رہا تھا' نہ کوئی اور چیز' لیکن ویر سنگھ تڑپ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہاتھ جوڑ کر شما مانگنے کی کوشش کی' لیکن پھر وہ اس طرح چھلنی ہو گیا کہ اس کے پورے بدن میں سوراخ ہی سوراخ نظر آنے لگے اور پھر رفتہ رفتہ اس کا سارا وجود اسی طرح چھلنی ہو کر زمین بوس ہو گیا' دھرم وستو نے قہقہہ لگایا اور بولا:

"اور تم بھی آ جاؤ کرشنا مکھڑجی..... آ جاؤ..... آ جاؤ..... یہ کرشنا مکھڑجی ہیں۔ بڑے گیان دھیان کئے تھے کسی سادھو کے پاس بیٹھ کر۔ سادھو نے لگا دیا ہماری راہ پر..... وہ ہم سے ہماری کالی شکتی چھیننا چاہتا تھا۔ یہ اس کے چیلے بن کر ہمارے پاس آئے..... ہم تک پہنچ گئے..... ہم نے انہیں ربڑ بنا کر بہا دیا..... کیسے ذرا دیکھو۔" اس بار اس نے اپنی دوسری انگلی اٹھائی اور اچانک ہی سامنے دوسرے وجود میں پگھلنے کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ربڑ جلنے کی بو فضا میں ابھری اور چند لمحوں میں ربڑ کا ڈھیر زمین پر پڑا ہوا تھا۔ دھرم وستو نے ہنس کر کہا:

"اور یہ تیسرے مہاشے..... جانتے ہو یہ کون ہیں؟ ان کا نام گرداری ناتھ ہے۔ انہوں نے اپنے جیون کے بیس سال شکتی حاصل کرنے میں گزارے..... پر سادھو سنتوں کے ساتھ..... کرشنا بھگوان کا نام لے کر یہ ہمارے پاس آئے اور لڑ گئے ہم سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بھی کام سے گئے۔ تو احتشام جی مہاراج تم آئے ہو یہ بات کہنے کے لئے کہ ہم تم سے جسمانی مقابلہ کر لیں..... ارے بابا ہم نے سارا جیون تپسیا کی ہے..... ہم کبڈی کھیلتے رہے ہیں۔ ہماری ایک کوشش تمہیں سنسار سے اتنا دور پہنچا دے گی کہ تمہارا نام و نشان نہیں رہے گا۔ ہم تم سے کہیں احتشام جی کہ تمہارا معاملہ مختلف ہے..... احتشام ہو نا..... صرف شام بن جاؤ..... ہمارے شام..... کیا سمجھے۔ چھوڑو یہ دین دھرم کا چکر جب اپنا نام شام رکھ لو گے نا تم تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ دین دھرم کیا چیز ہے۔ سب سے بڑا دھرم طاقت ہے طاقت..... طاقت اور صرف طاقت۔"

اب میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آ گئی اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا..... حالانکہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا' اسے دیکھنے کے بعد یہ ہمت نہیں رہی تھی کہ اس سے کوئی بات کہوں لیکن نہ جانے کیوں یہ الفاظ میرے ذہن میں آئے تھے۔ میں نے کہا ایک بات تم

بھی جانتے ہو..... ان میں سے ایک ویر سنگھ تھا' ایک گرداری ناتھ' تیسرا جو کوئی بھی تھا کیا تم ایک بات جانتے ہو کہ ان لوگوں کا دھرم کیا تھا؟"

"مطلب؟"

"ہندو دھرم کے تھے یہ لوگ۔ مجھے صرف ایک بات بتاؤ دھرم وستو' کبھی کسی مسلمان سے واسطہ پڑا ہے.... اگر نہیں پڑا تو اب دیکھ لو میں مسلمان ہوں اور اس سے پہلے تمہارا کسی مسلمان سے واسطہ نہیں پڑا' وقت آنے پر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمان کیا چیز ہوتا ہے۔" دھرم وستو کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا' کچھ دیر وہ خاموش کھڑا مجھے دیکھتا رہا' پھر اس نے کہا:

"اگر یہ بات ہے' تو ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں کہ تم اپنے دھرم کے سہارے اپنا بچاؤ کس طرح کر سکتے ہو۔"

ایک بار پھر اس نے ایک عمل شروع کر دیا مگر اس بار اس نے اپنی آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ میں اب بھی اس کے سامنے بے بس تھا اور اس بات کا مجھے پورا پورا یقین تھا کہ کوئی خوفناک آفت مجھ پر نازل ہونے والی ہے اور یہی ہوا۔ اچانک اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور انہیں بڑی تیزی سے گردش دینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجھے چاروں طرف آگ کے شعلے لپکتے ہوئے نظر آئے..... یہ شعلے مجھ سے کافی فاصلے پر تھے لیکن ان کی تپش مجھے جھلسا رہی تھی...... میں خوفزدہ نگاہوں سے اپنی جانب بڑھتے ہوئے ان شعلوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کے بعد میں نے آنکھیں بند کر لیں' مجھے یقین تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد یہ شعلے مجھے جھلسا دیں گے۔ تبھی اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا:

"جب تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ اب میری بات ماننے کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے تو مجھے آواز دے دینا اور کہہ دینا کہ دھرم وستو میں نے تمہارا دھرم قبول کر لیا ہے۔"

شعلے آہستہ آہستہ میری جانب بڑھ رہے تھے اور میں اپنے پورے بدن میں شدید جلن محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اب یہ شعلے میرے جسم تک پہنچ گئے ہوں۔ میں نے دانت بھینچ لئے..... آنکھیں بند کر لیں اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں۔ آگ کے شعلے اب میرے بدن کو چاٹ رہے تھے اور میں صاف محسوس کر رہا تھا کہ

میری کھال جل رہی تھی' لیکن میں نے شدت کے ساتھ زبان دبا رکھی تھی کہ مجھے یوں لگا جیسے یہ بھڑکتی ہوئی آگ سرد ہو گئی ہو۔ بڑی خوفناک کیفیت تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ آگ نے میرے پورے بدن کو جلا کر اسے ایک سر سے پاؤں تک کا آبلہ بنا دیا ہے۔ آہ..... اس شدت سے تو مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ کیا ہو گا..... اب کیا ہو گا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں بڑی پریشانی کا شکار تھا۔ اس نے کہا:

"آنکھیں کھولو اپنا حلیہ دیکھ لو..... اپنے آپ کو دیکھ لو...... سمجھ میں آ جائے گا تمہاری کہ دھرم وستو سے مقابلہ کرنا کتنا آسان کام ہے۔" اچانک میرے ذہن میں ایک آواز ابھری..... یہ ایک انوکھی آواز تھی..... اس آواز نے مجھ سے کہا:

"شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے کبھی کبھی شیطانی عمل بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اس وقت اس کمینے کی بات مان لو..... لیکن ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ..... ایسے کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔" میں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ مجھے خوف ہوا تھا کہ کہیں میرے ذہن میں گونجنے والی اس آواز کو بھی دھرم وستو نے سن نہ لیا ہو لیکن میں نے دیکھا کہ اس کا رخ میری جانب نہیں ہے وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا غالباً کسی خاص چیز کی طرف۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 26

میں اس آواز پر غور کرتا رہا' دھرم وستو تھوڑی دیر بعد واپس پلٹا تو اس کے ہاتھوں میں بڑا سا آئینہ تھا وہ آئینہ لیے ہوئے آگے آ رہا تھا پھر اس نے وہ آئینہ میرے سامنے کر دیا اور میں نے بے اختیار اس میں اپنے آپ کو دیکھا..... میرے تمام کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے...... سر کے بال بھی جل گئے تھے..... بھنوئیں اور مونچھیں بھی جل گئی تھیں...... جسم پر جتنے بھی بال تھے وہ بھی جل کر خاکستر ہو گئے تھے اور میرے پورے جسم پر کالے کالے آبلے پڑے ہوئے تھے۔ میں بے لباس بالکل دھرم وستو ہی کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اپنی اس حالت کو دیکھ کر میرا دل رو پڑا اور میری آنکھیں شرم سے جھک گئیں' لیکن وہ آواز اب بھی مجھے یہی کہہ رہی تھی:

"اس وقت اسے بیوقوف بناؤ' یہ بہت ضروری ہے۔ اسے بیوقوف بنا کر اپنا کام نکالو۔" دھرم وستو کے چہرے کو دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے میرے ذہن کے اندر کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر نظر آنے والی معنی خیز مسکراہٹ مجھے اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی' اِدھر میرے پورے بدن میں ایسی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں کہ میں درد کی شدت کو بڑی مشکل سے ضبط کئے ہوئے تھا۔ ورنہ شاید میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیتا۔ دھرم وستو نے کہا:

"اب کیا کہتے ہو؟"

"تم واقعی شکتی مان ہو دھرم وستو..... تم واقعی شکتی مان ہو۔ جب انسان کی اپنی قوتیں کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں تو پھر اسے اس قوت کو تسلیم کر لینا چاہیے' جو اس کے سامنے موجود ہو۔" دھرم وستو میرے الفاظ سن کر چونک پڑا۔ پھر بولا:

"تو کیا تم میرا کہنا ماننے کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں میں تیار ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ آگے کیے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھوں سے پانی جیسی ایک پھوار نکل پڑی ہے، لیکن نہ پانی نظر آ رہا تھا اور نہ پھوار، البتہ مجھے اپنے جسم میں انتہائی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کی تمام تکلیف دور ہو گئی ہو۔ میں نے سہمی ہوئی نگاہ اس آئینہ پر ڈالی جو دھرم وستو نے اب ایک دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا تھا اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں کہ میں بالکل اپنی اصلی شکل میں تھا، یعنی آئینہ میں، میں نے جو شکل دیکھی تھی وہ صرف ایک تصویر تھی جو اب اس فریم سے غائب ہو چکی تھی اور میں اپنی اصلی شکل و صورت میں دھرم وستو کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اب یہ ساری صورتحال میرے لئے بڑی عجیب و غریب تھی، دھرم وستو بدستور مجھے شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ایک بات کہوں تم سے۔"

"ہاں گرو دیو، کہو کیا بات ہے؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کس لیے کیا ہے..... تم اب تک اپنی چالاکی سے کام لیتے رہے ہو، پر تم نہیں جانتے دھرم وستو من کا کتنا بڑا ہے وہ دھوکوں کو بھی اپنا لیتا ہے سمجھے..... اب کچھ اور کہو جس سے مجھے بیوقوف بنا سکو۔" میں یہ سوچ کر لرز گیا کہ دھرم وستو کو میرے دل کا حال معلوم ہے۔ اب وہ سب کچھ ختم ہو جائے گا جو ایک لمحے کے لئے مجھے ملا ہے۔ اس نے کہا:

"ایک اور تجویز ہے میرے من میں..... اگر تم چاہو تو..... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم میرے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو جاؤ اور میری کہی ہوئی ہر بات مان لو تو میں تمہیں اتنا طاقتور بنا دوں گا کہ تم ساری زندگی عیش کر سکو گے۔ وہ سب کچھ حاصل کر لو گے جو تمہیں دنیا کی ہر چیز مہیا کر دے۔"

"وہ کیا؟"

یہ تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔ اب تم ایسا کرو کہ جاؤ یہاں سے باہر نکل جاؤ..... ہو سکتا ہے میں اپنا ارادہ بدل دوں..... کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا بدلہ ہوا ارادہ تمہیں نقصان پہنچا

دے۔

میری سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی، لیکن بہرحال اس کے کہنے سے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک لمحے کے اندر میں نے محسوس کیا کہ ماحول بدل گیا..... منظر بدل گیا ہے۔ یہ احساس ایک لمحے کے اندر ہو گیا تھا مجھے میری آنکھیں خودبخود کھل گئی تھیں اور میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دھرم وستو نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اسے دھوکا دے رہا ہوں میرے بارے میں یہ فیصلہ کیوں کیا تھا، یہ میں نہیں جانتا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے علاقے میں پایا تھا جہاں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ قرب و جوار میں بڑے بڑے پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ ان پہاڑی ٹیلوں میں چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے بھی نظر آ رہے تھے، جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ غار ہیں۔ یہ ویران اور غیر آباد علاقہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اپنے عقب میں آہٹ محسوس ہونے پر میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں دھرم وستو کھڑا تھا، وہ اس وقت بے لباس نہیں تھا بلکہ اس نے کندھوں سے لے کر ٹخنوں تک ایک کالے رنگ کا چغا سا پہنا ہوا تھا۔ اس کا وہی خوفناک چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے جسم پر بھی لباس موجود ہے، وہی لباس جو تھوڑی دیر پہلے جل چکا تھا۔ دھرم وستو کو دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی اور کہا:

"میں تو سمجھا تھا کہ میں یہاں تنہا ہوں لیکن تم تو میرے ساتھ موجود ہو۔"

"تنہا بھی ہو جاؤ گے، اصل میں تمہارے بارے میں پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ تمہاری بات مان لوں یعنی یہ کہ تمہیں تمہارے اپنے دھرم پر رہنے دوں اور تم سے اپنا کام لوں مگر میری شکتی نے مجھے بتایا کہ تم اس طرح مجھ سے مخلص نہیں رہ سکو گے اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے۔" میں نے خاموش نظروں سے وستو کی طرف دیکھا اور کہا:

دھرم وستو..... یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ تم کسی مسلمان کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتے..... وہ بہت ہی بدنصیب ہوتے ہیں جو کسی لالچ کے تحت مذہب کے معاملے اپنے اندر لچک پیدا کر لیتے ہیں۔ انہیں اپنی بدنصیبی کا وقتی طور پر احساس نہیں ہوتا لیکن وقت انہیں احساس دلا دیتا ہے۔ میں کم از کم ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو کسی بھی مفاد کے لئے اپنے دین کا راستہ چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ اگر تم مجھ سے کچھ چاہتے ہو تو

مجھے بتاؤ' ویسے دھرم وستو اگر سچ بات سنو تو میرے دل میں اب بھی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ میں تمہیں ختم کر کے ان قوتوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤں جو مجھے تمہاری موت پر آمادہ کر کے بھیجنے کا باعث بنی ہیں۔" دھرم وستو مجھے دیکھ رہا تھا..... اس کے ہونٹوں پر ایک دفعہ پھر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس اسی چیز نے تو مجھے اب تک روکا ہوا ہے..... اصل میں اتنی بے باکی سے اپنا مقصد کہنے والا مجھے اور کوئی ملا نہیں ہے اب تک..... تم نے تھوڑی دیر کے لئے میری بات ماننے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا تھا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری بھیجی ہوئی آگ سے تم خوفزدہ ہو گئے ہو اور خوف سے یہ بات کہہ رہے ہو۔ میں بہرحال اتنا بیوقوف نہیں ہوں لیکن اب..... اب تم نے اتنی دلیری سے یہ بات کہہ کر ایک بار پھر میری انا کو بھڑکا دیا ہے۔ اصل میں تم نہیں جانتے جب کوئی شکتی مان کسی سے یہ کہہ دیتا ہے کہ تو میری بات مان لے ورنہ میں تیرے ساتھ بہت برا سلوک کروں گا تو پھر اس پر ایک قسم لاگو ہو جاتی ہے اور اسے وہ قسم پوری کرنا ہوتی ہے..... احتشام لوگ تجھے شامی کہتے ہیں' میں تجھے شام کہوں گا..... تو شام ایک بار پھر میں تجھے اسی بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ہندو دھرم نہیں..... مسلمان دھرم نہیں..... کالا دھرم قبول کر لے..... میرا دھرم کالا دھرم ہے..... دھرم وستو کا دھرم کالا ہے..... کالے دھرم میں آ جا..... مجھے اپنا گرو مان لے..... ان ساری باتوں کو چھوڑ دے جو تو نے اب تک مجھ سے کہیں ہیں۔ تو دیکھ خود دیکھ جن لوگوں نے تجھے اپنا آلہ کار بنا کر یہاں بھیجا ہے وہ تو ابھی تک نہیں آئے..... انہوں نے تیری کوئی مدد نہیں کی..... تیرا کیا ہو گا..... سوچ ذرا۔"

"دھرم وستو کچھ بھی کہہ لے..... کچھ بھی کر لے..... میں کسی کے کہنے پر بیشک یہاں آیا ہوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھے ختم کر دوں اور وہ چیز پا لوں جس سے مجھے میری آرزوئیں پوری کرنے کا موقع مل جائے۔ میں تمہیں ختم کر کے ان کی خوشنودی چاہتا ہوں اور اب تو دھرم وستو ایک بات سوچ..... اور ٹھنڈے دل سے سوچ۔"

"میں تو ٹھنڈے دل سے سوچ رہا ہوں لیکن تو اپنے منہ سے جو الفاظ نکالے وہ بھی سوچ سمجھ کر نکالنا۔"

دھرم وستو تو نے کہا ہے کہ اگر میں تیرا دھرم قبول کر لوں تو تو مجھے دنیا کی ہر چیز مہیا کر

کے رکھ دے گا' تو نے وہ باتیں بھی کہیں ہیں جو یقینی طور پر تیرے علم میں نہیں لائی گئی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو ایک طاقتور آدمی ہے' چاہے تیری طاقت گناہوں کی طاقت ہی کیوں نہ ہو لیکن دھرم وستو میں تجھے ایک بار پھر بتا دوں' مذہب کی بات بیچ میں نہ لا' اگر اور کوئی تعاون مجھ سے چاہتا ہے تو تو یہ یقین کر کہ اب میں فریب کی بات نہیں کر رہا' شاید ان حالات سے مجبور ہو کر میں تجھ سے وہ تعاون کر لوں' دھرم وستو مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا:

"بتا چکا ہوں پاپی..... بتا چکا ہوں تجھے..... کہ جب کوئی شکتی مان اپنی شکتی کے حوالے سے اتنی بڑی قسم کھا لیتا ہے تو پھر اپنی شکتی کو قائم رکھنے کا یہی ذریعہ ہوتا ہے اس کے پاس کہ وہ اپنی کھائی ہوئی قسم کو منوا لے۔ ماننا پڑے گا تجھے مورکھ..... ماننا پڑے گا میری بات کو..... اگر نہ مانا تو نے تو پھر دیکھ کیا ہوتا ہے تیرے ساتھ۔"

دھرم وستو نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور زور سے تالی بجائی' تب ایک چٹان کے عقب سے مجھے تین بھیانک شکل و صورت کے مالک لوگ آتے ہوئے نظر آئے ان کے چہرے بے حد خوفناک تھے دھرم وستو کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے گردنیں خم کیں اور دھرم وستو نے کہا:

"یہ بہت ضدی ہے..... اس سے میری بات منواؤ سمجھے..... اس سے میری بات منواؤ..... یہ کہنے کے بعد دھرم وستو وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھا' میں تیار ہو گیا تھا کہ اب میرے ساتھ کوئی سخت سلوک کیا جائے گا اور یہی ہوا اچانک ہی میرے پورے بدن پر ننھے ننھے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ وہ دور کھڑے ہوئے تھے لیکن ننھے ننھے تیر میرے بدن میں آ کر پیوست ہو رہے تھے۔ یہ بالکل کانٹوں کی شکل کے تھے۔ میں درد سے تڑپنے لگا۔ یقینی طور پر ان تیروں مین کوئی ایسی چیز تھی جو انسانی جسم میں جلن پیدا کرتی تھی۔ میں درد کے مارے چیختا رہا اور وہ لوگ خاموش سے کھڑے مجھے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے ذہن پر ہولناک غنودگی طاری ہونے لگی۔ جب تک ہاتھ پاؤں میں سکت رہی میں اپنے بدن سے ان ننھے ننھے تیروں کو نکالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

باب نمبر 27

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا..... ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک ایسی تاریک جگہ پایا جہاں چھت کے پاس کسی سوراخ سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی پتھریلا غار ہے اور اب صبح ہو گئی ہے۔ گویا ساری رات میں بے ہوش رہا ہوں۔ میرا ذہن شدید بوجھل ہو رہا تھا' جسم کے مختلف حصوں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ انتہائی سنگین تھا۔ بہرحال میں بہت دیر تک اسی طرح پڑا رہا' آنکھوں سے آنسوؤں کے بہنے کا احساس بھی نہیں ہوا تھا یہ آنسو شدید تکلیف کی بناء پر میری آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ پھر میں نے اپنے بارے میں سوچا:
"کیا کروں کیا نہ کروں زندگی کا رخ ہی بدل گیا تھا..... کیا اس شخص کو برا بھلا کہوں' جس نے مجھے ان راستوں پر لا ڈالا تھا۔ میں بھی اگر کسی اچھے انسان کا بیٹا ہوتا تو زندگی کے دوسرے لوازمات کے ساتھ وقت گزار رہا ہوتا۔ گھر ہوتا میرا ایک چھوٹا سا' بیوی ہوتی' بچے ہوتے' ماں باپ بیشک کسی کے سدا نہیں رہے لیکن ماں باپ زندگی کو ایک سہارا دے جاتے ہیں۔ کاش میرا باپ بھی میری ماں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتا۔ وہ جو کچھ بھی تھی اگر اس نے اسے قبول کر لیا تھا تو پھر اس کا ساتھ دیتا لیکن یہ سب کچھ..... زندگی کا یہ رنگ..... کسی اور کی وجہ سے تھا' اس میں میری کسی بات کا دخل نہیں تھا۔ آہ..... کیا کروں..... کیسے تلاش کروں اس شخص کو..... تلاش کرنے کے بعد کیسے میں اپنی ماں کا اور اپنا انتقام لوں۔" دل میں نفرت کا شدید لاوا کھولنے لگا اور اس سے شاید میرے بدن کی حرارت میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تکلیف چاہے کتنی ہی شدید تھی لیکن اس غار سے نکلنا بہت ہی ضروری تھا' چنانچہ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے آگے بڑھتا چلا آیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد میں کافی

گہرائیوں میں اتر گیا۔ غار کے اختتامی حصے کے بعد سے ڈھلان شروع ہو جاتی تھی اور بڑا عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ میں بھوکا پیاسا بھی تھا اور میرے ذہن میں بڑی پریشان کن کیفیت طاری تھی کہ مجھے دور ایک انسانی ہیولہ نظر آیا۔ کوئی ہاتھ اٹھا کر مجھے اس طرف بلا رہا تھا۔ ڈھلانوں کے اختتامی سرے پر جہاں یہ ہیولہ موجود تھا ایک چٹانی دیوار تھی جو خاصی بلند تھی اور اس دیوار میں ایک انوکھا دروازہ بنا ہوا تھا۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مگرمچھ نے اپنا منہ کھول رکھا ہوا۔ میرے قدم آگے بڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس ہیولے کے قریب پہنچ گیا۔ وہ ایک دراز قامت عورت تھی' جس کی عمر میرے اندازے کے مطابق تقریباً تیس سال ہو گی۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کو دیکھا اس کا چہرہ بالکل ساکت و جامد تھا' اس پر کوئی احساس نہیں تھا لیکن یہ میں دیکھ چکا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے اپنی جانب بلایا تھا۔ ایک لمحے اس نے میری جانب نگاہیں جمائے رکھیں اور پھر واپسی کے لئے مڑ گئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑوں گا اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا' میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے وہ دو سیڑھیاں عبور کیں اور اس کے بعد مگرمچھ کے منہ میں داخل ہو گئی۔ میں اس کے قدموں سے قدم ملا رہا تھا۔ مگرمچھ کے منہ کی دوسری جانب ایک عجیب و غریب دنیا پھیلی ہوئی تھی۔ ایک ایسی عمارت جو بہت ہی خوبصورت بنی ہوئی تھی لیکن اس کا انداز بے حد عجیب تھا۔ میں اس جادو نگری میں داخل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اس عورت کے ساتھ چلتا رہا۔ سامنے بنے ہوئے دروازے کی حیثیت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ ایک خوبصورت مور کی شکل کا تھا اور مور کے سینے میں اندر جانے کا راستہ تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد مجھے ایک وسیع راہداری نظر آئی' عورت میری راہنمائی کرتی ہوئی اس راہداری سے اندر داخل ہوئی اور پھر ایک دروازے پر رک گئی۔
"آپ اندر چلے جائیں شام جی مہاراج..... اندر نہانے کا انتظام ہے اور آپ کے کپڑے بھی ٹنگے ہوئے ہیں۔"
اس نے مجھے شام جی مہاراج کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ بہرحال نہانے کا تصور بھی برا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پانی بدن پر پڑے تو بدن کے زخموں میں کچھ سکون محسوس ہو۔ میں نے ایک نگاہ اس عورت پر ڈالی..... مصیبتوں میں تو ایک عرصہ سے گرفتار ہوں اگر اندر کوئی نئی مصیبت میری منتظر ہے تو اس سے کیسے چھٹکارا پایا

جا سکتا ہے' بہتر ہے کہ حقیقتوں کو قبول کر لوں۔ چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر میں نے ایک خوبصورت حمام دیکھا۔ زمین میں کوئی چار فٹ کی گہرائی کا حوض بنا ہوا تھا اور اس حوض میں جو پانی بھرا ہوا تھا' اس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ایک طرف ایک بہترین لباس بھی ٹنگا ہوا تھا۔ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس پانی میں اتر گیا اور ہلکے گرم پانی نے جیسے میرے زخموں کی ساری تکلیف دھو ڈالی۔ ایسی فرحت محسوس ہوئی مجھے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہت دیر تک میں پانی میں نہاتا رہا اس کے بعد باہر نکلا...... ہر چیز کا انتظام تھا...... بال خشک کیے...... بدن خشک کیا...... لباس پہنا' حیرت انگیز طور پر میرے جسم کی ساری تکلیف ختم ہو گئی تھی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ ظاہر ہے بے مقصد نہیں ہے' یقینی طور پر اس کے پس منظر پر کوئی ہاتھ کار فرما ہے۔ اس کمرے کے دروازے سے باہر نکلا تو وہی عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا:

"آیئے مہاراج کھانا تیار ہے' کھانا کھا لیجئے۔" میں اس کے پیچھے چل پڑا اور ایک بار پھر وہ ایک راہداری میں چل پڑی۔ اس وقت میں کسی معصوم بچے کی سی کیفیت اختیار کر گیا تھا۔ اس قدیم طرز کی عمارت کے اندر داخل ہو کر میری شخصیت ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ بہرحال میں مختلف راہداریوں اور کمروں سے ہوتا ہوا' ایک ایسے کمرے میں آیا جو غالباً کھانے کے لئے مخصوص تھا۔ ایک بڑے سے پتھر کی میز پر نہ جانے کیا کیا کھانے موجود تھے۔ خشک میوے اور پھل بھی بڑے سلیقے سے چنے ہوئے تھے۔ یہاں کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک کرسی گھسیٹتے ہوئے کہا:

"آپ بیٹھ جایئے اور اپنی پسند کا کھانا کھایئے۔" میں نے ایک لمحے کے لئے اسے دیکھا' پھر آہستہ سے کہا:

"کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گی؟"

"میرا نام راگنی ہے۔ آپ نے اگر پہلے پوچھا ہوتا تو پہلے ہی بتا دیتی۔"

"راگنی میں اس وقت یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو' کیا ہو لیکن بہرحال تم نے میرے لئے جو کچھ بھی کیا ہے۔ میں اس کے لئے تمہارا احسان مند ہوں۔"

میں نے وہاں موجود ہر چیز کو تھوڑا تھوڑا چکھا' ہر چیز لذت میں بے مثال تھی۔ میں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور پھر کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے اپنے جسم میں

ایک عجیب سی قلوخت محسوس کی' سر بھاری ہو رہا تھا۔ راگنی خاموشی سے بیٹھی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی' میں نے دل میں سوچا کہ اس سے کچھ باتیں کرنی چاہئیں' ویسے بھی اس عورت نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"راگنی تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے' اس کے لئے میں واقعی تمہارا دل سے شکر گزار ہوں۔"

"اس میں میری کوئی کوشش نہیں ہے مہاراج' میں تو آپ کی میزبان ہوں اور بڑے مہاراج کے کہنے پر آپ کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہوں۔"

"بڑے مہاراج کون ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں....." میرے عقب سے آواز آئی اور میں نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ یہ آواز میری شناسا آواز تھی اور ظاہر ہے دھرم وستو کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔ میری آنکھیں ایک دم سے کھل گئیں اور میں نے مدھم لہجے میں کہا:

"تم.....؟"

"ہاں شام جی مہاراج! مبارک دیتے ہیں ہم تمہیں کہ تم نے ہمیں قبول کر لیا۔ مہاراج بڑی محنت کی ہے تم پر اور بڑی مشکل سے تمہیں اپنے جال میں لائے ہیں ہم۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو دھرم وستو..... تم نے میرے ساتھ اب تک جو سلوک کیا ہے' اس کے بعد میرے اور تمہارے درمیان صرف دشمنی ہو سکتی ہے....... کس جال میں پھانسا ہے تم نے مجھے..... کون سے جال کی بات کر رہے ہو؟"

"مہاراج اب تو آپ ہم سے ایک ہیں..... کیوں راگنی..... میں نے غلط تو نہیں کہا؟"

"جی مہاراج۔" راگنی آہستہ سے بولی اور میری نگاہیں راگنی کی طرف اٹھ گئیں اور مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ جو کچھ کہہ رہی ہے۔ بڑی بے بسی کے عالم میں کہہ رہی ہے۔ دھرم وستو نے اس کی اس بے بس آواز پر غور نہیں کیا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔ اس نے کہا:

"چلو آرام سے بیٹھ جاؤ شام جی مہاراج..... اب تمہیں احتشام کی بجائے شام کہنے میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہو رہی..... کیا سمجھے۔"

"تم جو بکواس کر رہے ہو نا پہلے بھی میں نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی اور اب بھی میں اس

پر غور نہیں کر رہا...... جو بک رہے ہو بکتے چلے جاؤ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔" جواب میں دھرم وستو نے قہقہہ لگایا اور بولا:

"حالانکہ تم بہت گندی زبان استعمال کر رہے ہو' میں چاہوں تو تمہاری زبان میری مرضی کے مطابق چلے لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی مرضی سے سنسار کے سامنے چیخ چیخ کے کہو کہ تمہارا نام شام ہے۔ احتشام کو تم نے قبر میں دبا دیا ہے اور اب شام زندہ ہے۔ تم خود اپنے منہ سے چیخ کے کہو کہ دھرم نام کی کوئی شئے اس سنسار میں نہیں۔ منش کا ایک ہی دھرم ہے اور وہ ہے طاقت۔" میرے ہونٹوں پر ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا:

"تم تو مجھ پر اپنی تمام تر طاقت استعمال کر چکے ہو...... کونسی طاقت استعمال نہیں کی تم نے......؟ لیکن کیا بگاڑ لیا میرا۔"

"بگاڑ لیا...... طاقت کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ ایک بدن کی طاقت ہوتی ہے' ایک عقل کی..... پہلے بھی تم سے یہ بات ہو چکی ہے۔ بدن کی طاقت تو خیر میں نے کبھی استعمال نہیں کی' پہلے میں نے اپنے گیان کی طاقت استعمال کی اور اب عقل کی۔ تمہیں اپنا دھرم بہت پیارا ہے نا؟"

"ہاں اس کے لئے میں تم سے ہر جھگڑا مول لے سکتا ہوں۔"

"واہ..... اب بھی تم اتنے ہی دھرم دھان ہو۔"

"ہاں..... کیوں نہیں۔"

"تو پھر سنو..... اپنا دھرم تو تم نے خود مٹی میں ملا دیا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"ہاں..... ابھی تم نے جو کچھ کھایا ہے' ذرا اس کا جائزہ لے لو۔" اس نے کہا اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں' جہاں میرا کھایا ہوا کھانا بچا کھچا رکھا تھا اور دوسرے ہی لمحے میرا دل لرز گیا۔ وہ جو خوشنما پھل اور کھانے رکھے ہوئے تھے ان میں بڑے بڑے سفید کیڑے چل رہے تھے۔ بعض پھلوں میں سے تو ننھے ننھے سانپ بھی منہ نکالے جھانک رہے تھے۔ میرے بدن میں دہشت کی جھرجھری دوڑ گئی۔ مجھے رہ رہ کر بڑی شدت سے ابکائی آ رہی تھی لیکن میں خود کو سنبھالے ہوئے تھا' البتہ میرے دل میں دکھ کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ آہ..... واقعی مجھے یہ

سب کچھ نہیں کھانا چاہیے تھا۔ بھوک سے مر ہی جاتا نا...... لیکن میں نے جادو کی یہ تمام چیزیں اپنے جسم میں اتار لی تھیں۔ مجھے اس وقت راگنی بھی ایک زہریلی ناگن نظر آ رہی تھی' جس نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کو زندگی سے محروم کر دوں لیکن میں جانتا تھا کہ دھرم وستو اور راگنی کے خلاف یہ سب کچھ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا:

"دھوکا دے کر تم نے مجھے داغدار کر دیا ہے دھرم وستو...... لیکن ایک ایسی قوت ہے جو ساری حقیقتوں سے واقف ہوتی ہے..... معاف کرنے کا حق بھی اسی کے پاس ہے اور وہ جانتی ہے کہ میں اپنا ایمان نہیں کھو سکا بلکہ مجھ سے میرا ایمان چھین لیا گیا ہے..... دھرم وستو میں تمہیں زندگی بھر کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

"پاگل ہو گئے ہو تم..... پاگل ہو گئے ہو...... میرے سامنے ایسے الفاظ منہ سے مت نکالا کرو...... کتنی بار میری شکتی کا تجربہ کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے ساتھ کتنی رعایت برت رہا ہوں۔ اپنے دل' اپنے دماغ' اپنی مرضی کے خلاف تمہیں اب تک زندہ رکھے ہوئے ہوں۔"

"کیوں...... آخر کیوں؟"

"ایک دن تمہیں بتا دوں گا...... ضرور بتا دوں گا...... لیکن جو راز تمہیں معلوم ہو گا اس کی گہرائی تک پہنچتے ہوئے تمہیں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا..... تمہیں اپنا یہ دھرم چھوڑنا ہو گا..... تم جس دھرم کی رٹ لگائے ہوئے ہو وہ کچھ نہیں دے گا تمہیں سمجھے۔"

"لعنت ہے تمہاری صورت پر..... ایک بات ذہن میں رکھ لو' تم کتنی ہی دھوکے بازی کر لو میرے ساتھ..... کتنی ہی جسمانی اذیتیں دے لو مجھے لیکن وہ نہیں کر سکو گے جو تم کرنا چاہتے ہو۔" میرے ان الفاظ پر دھرم وستو کے چہرے پر غصے کے تاثرات دوڑ گئے' اس کی آنکھوں میں سرخی نظر آنے لگی اور اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا:

"پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہو گا' میں اگر چاہوں تو تم اسی لمحے میرے قدموں کو چاٹتے ہوئے نظر آؤ لیکن میں بار بار یہ بات کہہ رہا ہوں کہ میں ایسا نہیں چاہتا لیکن تم مجھے مجبور کر رہے ہو۔ میں ابھی وہ نہیں کروں گا جس سے میرا اصل مقصد ختم ہو جائے۔ لیکن سن لو تم کبھی بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔ دھرم وستو کی آنکھوں میں اس

وقت پھر شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ میں نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر راگنی کی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں مجھے ایک لمحے کے لئے ایسا محسوس ہوا جیسے راگنی کے چہرے پر میرے لئے افسوس کے تاثرات ہوں۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی ہو اور وہ اپنے کیے پر پچھتا رہی ہو۔ یہ خیال ایک لمحے کے لئے میرے دل سے گزرا تھا کہ راگنی بھی ہو سکتا ہے کوئی مجبور عورت ہو اور اس نے جو کچھ کیا ہو وہ بحالت مجبوری کیا ہو۔ اس سے دشمنی مناسب نہیں ہے۔ بہرحال میں کوئی ایسا انسان نہیں تھا' جسے دنیا کے بارے میں کوئی تجربہ نہ ہو اور میرا تجربہ اس وقت یہی کہہ رہا تھا کہ راگنی کے دل میں میری محبت اور ہمدردی کا جذبہ متلاطم ہے۔ میں دھرم وستو کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ راگنی مجھے کچھ اشارہ کر رہی ہے میں اس اشارے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ مجھ سے کہہ رہی ہو کہ دھرم وستو کو غصہ نہ دلاؤ اور اس کی بات مان لو۔ میں نے ایک بار پھر اسے دیکھا اور پھر دھرم وستو کی طرف دیکھنے لگا:

"کیا سوچ رہے ہو شام جی۔" دھرم وستو نے اپنا موڈ پھر بدل لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں ابھی کوئی جواب دینے کی سوچ رہا تھا کہ دھرم وستو نے کہا:

"سنو تم چاہے کتنی ہی کمینی باتیں کر لو' میں مہان ہوں اور جو بڑے ہوتے ہیں وہ کسی کو کچھ دیتے ہی ہیں.... میں بھی تمہیں کچھ دے رہا ہوں..... میری بڑائی کو قبول کر لو...... راگنی تمہاری ہے۔" ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں خیال آیا اور میں نے سوچا کہ جن حالات میں چل رہا ہوں' ان حالات میں واقعی دھرم وستو سے جھگڑا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔ مجھے مکاری اور چالاکی سے کام لینا چاہیے۔ اگر یہ کمینہ سچ کہہ رہا ہے اور میرے جسم میں یہ غلاظتیں اتر چکی ہیں تو ان غلاظتوں کو دھونا بھی ایک مشکل کام ہوگا..... کیونکر اسے بیوقوف بناؤں.....؟ دھرم وستو مجھے دیکھ رہا تھا' اس نے کہا:

"ہاں بولو..... کیا فیصلہ کیا؟"

دھرم وستو میں راگنی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں' تم مجھے سوچنے کا تھوڑا سا موقع دو۔"

"ہاں ہاں...... سوچ لو..... سوچ لو۔"

جانتے ہو تمہارے یہ الفاظ کیسے تمہارے منہ سے نکلے ہیں۔" دھرم وستو بولا تو میں گردن

اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے ہنس کر کہا:

"یہ پھل کھانے کے بعد جواب تمہارے شریر میں میرا پریم قائم کر رہے ہیں' مجھے یقین تھا کہ آخر کار تم میرا کہنا مان جاؤ گے۔" وہ آگے بڑھا اور میرے قریب آ کر بولا:

"اور اس کے بعد جو کچھ میں تمہیں دوں گا..... تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ اتنے بڑے شکتی مان ہو جاؤ گے تم کہ کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا لیکن پہلے تمہیں کچھ دن میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"دھرم وستو یہ بات تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے جس ماحول میں پرورش پائی ہے اس میں ایک پاکیزگی ہے..... ایک انداز ہے اس ماحول کا..... تم خود سوچو میں تمہارے پاؤں کیسے چاٹ سکتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے' تمہیں کچھ منتر اور جاپ یاد کرنا ہوں گے۔ جو میں تمہیں بتاؤں گا' وہ کرنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اب تمہارے من میں میرے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں' سنسار میں سب سے سندر چیز جیون ہے اور اس جیون میں اگر آرام و آسائش کی ساری چیزیں حاصل ہو جائیں تو صحیح معنوں میں اس جیون کا مزا آتا ہے۔ چلو فی الحال راگنی سے دل بہلاؤ..... راگنی تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کیا حکم دے رہا ہوں...... ہمارے مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے...... خیال رکھنا۔" راگنی نے گردن جھکا کر خاموشی اختیار کر لی اور اس کے بعد میں نے دھرم وستو سے کہا:

"کیا اب تم مجھ پر اعتبار کر لو گے دھرم وستو؟" جواب میں دھرم وستو کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے شام مہاراج کہ اگر تم پر اعتبار نہ بھی کروں تب بھی اب مجھے تم پر اعتبار ہے۔"

"کیوں؟"

"تمہارے شریر میں جو کچھ اتر چکا ہے وہ تمہیں میری بھگتی پر مجبور کرے گا۔ یہ سب کچھ جو تم کھا چکے ہو بہت کچھ تھا۔ اس کے ذریعے سمجھ لو کہ تمہارے من میں میرے لئے بڑی جگہ پیدا ہو جائے گی۔" میرا دل دھک سے ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی۔ میں نے رخ تبدیل کر لیا تھا تاکہ دھرم وستو میرے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکے۔ میرے دل کو

ایک دکھ کا احساس ہو رہا تھا کہ کیا واقعی میری یہ غلطی مجھے اس قدر ذلیل کر دے گی کہ میں اپنا ایمان بھی کھو بیٹھوں گا..... بہرحال اب جو کچھ بھی ہے' یہ تو بعد میں ہی سوچوں گا..... میں اسے یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ وہ جو کچھ سوچ رہا ہے وہی سچ ہے۔ دھرم وستو نے راگنی کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور پھر مجھے اشارہ کر کے اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس بار وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا تھا۔ یہ کمرہ انتہائی قیمتی ساز و سامان سے سجا ہوا تھا۔ دھرم وستو نے مجھے سامنے بٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا:

"شام..... دیوی دیوتاؤں کی مہان شکتی کے سامنے کسی کے دل کا بھید چھپا نہیں رہ سکتا اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ اب میں تمہارے من میں اتر چکا ہوں۔ میرے بیر تمہارے شریر میں ہیں۔ بیر اور شریر کا یہ کھیل بڑا دلچسپ ثابت ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ زندہ رہنے کی خواہش اور حسین زندگی پانے کا تصور ہر انسان کے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ میرا یہ اندازہ ہے کہ اب تم مجھے دھوکا نہیں دو گے۔"

"ٹھیک ہے..... اب یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔" میں نے کہا۔

"سب سے پہلے تمہیں میرا چیلا بن کر میری ہر بات کو ماننا ہو گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہاری بات مان لوں ہو گا۔"

"ہاں تم اب میری ہر بات مان لو گے۔ بولو کیا میں غلط کہتا ہوں؟"

"نہیں ٹھیک کہتے ہو تم۔"

"شام جی اپنے وچن کے مطابق میں یہ حسین لڑکی تمہیں دے چکا ہوں..... یہ اب تمہاری ہے..... تم اس کے ساتھ جس طرح دل چاہے رہ سکتے ہو پھر میں تمہیں کچھ جاپ بتاؤں گا اور تم ان پر عمل کر کے کچھ سے کچھ بن جاؤ گے۔ ابھی گرو کی حیثیت سے میں تجھے پہلا سبق دے رہا ہوں۔ دیکھو اس سنسار میں اگر کوئی کالا علم نہیں جانتا تو جاننے کی کوشش کرتا ہے' ہر طرح کے علم کالے ہوتے ہیں جو دوسروں کو اپنے کام کے لئے مجبور کر دیں۔ یہ زمین ایک دھوکا ہے اور انسان ایک دھوکے باز جانور' اگر تمہارے پاس طاقت ہے تو تمہاری زندگی میں خوشیاں ہیں اور اگر کمزور ہو تو ہر کوئی تمہیں کتے سے بھی بدتر سمجھے گا۔ اس سنسار میں سب اندھے ہیں اور کسی کی آنکھوں میں روشنی نہیں ہوتی' اگر تمہاری آنکھوں میں روشنی ہے تو تم سنسار کو نیچی نگاہوں سے دیکھو گے' کیونکہ دوسرے روشنی والے نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ایک دن تم دیوی دیوتاؤں کی شکتی

کے مالک بن جاؤ گے اور اپنی طاقت کے نشے میں مجھ سے بھی ٹکر لینے کی کوشش کرو گے۔ پر خیال رکھنا کہ استاد استاد ہوتا ہے اور شاگرد شاگرد ہی ہوتا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ مجھے دھرم وستو' تم مجھے اپنا چیلا بنانے پر کیوں ضد کر رہے ہو؟"

"نہیں یہ بتانے کی بات نہیں ہے..... ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے..... وقت تمہیں سب کچھ بتائے گا۔"

"تو پھر اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں یہاں کیا کروں..... کہاں جاؤں..... کیا کرنا ہے مجھے..... یہ ساری باتیں مجھے معلوم ہونا ضروری ہیں دھرم وستو۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں تمہیں ہر طرح کی آسانی دی جائے گی' تم بالکل فکر مت کرو..... یہاں سے اب تم کچھ دیر کے بعد کالی نگر جاؤ گے۔ کالی نگر میں میرا ایک بہت بڑا ساتھی پورن داس ملے گا۔ پورن داس تمہیں بتائے گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے وہ ساری جاپ تمہیں بتائے گا اور تمہیں اس کے لئے بھٹکنا نہیں پڑے گا۔"

"کیا میں اسے تلاش کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"ہاں راگنی تمہارے ساتھ جائے گی..... وہ تمہاری ہر مشکل کا حل ہے۔"

"مجھے وہاں کب جانا ہے؟"

"جب بھی تم آسانی سے جانا پسند کرو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' میں راگنی کو لے کر کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ جب ایک کام شروع کرنا ہے تو دیر کرنے سے فائدہ کیا۔"

"ٹھیک ہے' مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن تمہیں سب کچھ ہمت سے کرنا ہو گا۔ تم جس جگہ موجود ہو وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آج تک تمہارے سوا کسی اور کا گزر نہیں ہوا۔"

"لیکن میں یہاں تک پہنچا کیسے؟"

"یہ کوئی پوچھنے والا سوال ہے..... لیکن خیر تمہیں پتہ چل جائیں گی بہت سی باتیں..... تم چند روز کے لئے ابھی یہی قیام کرو..... میں سارا بندوبست کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

"جاؤ..... جیون دیکھو سنسار دیکھو' اس سنسار میں سب کچھ ہے' کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو منش کے بس سے باہر ہو۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ چلا گیا تو میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا' ان خالات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ سب سے زیادہ غم اس بات کا تھا کہ میں نے وہ پھل وغیرہ کھالئے تھے جن کی اصلی شکل میں نے بعد میں دیکھی تھی۔ گویا میرے وجود میں غلاظت اتر چکی ہے۔ اپنے آپ پر غور کرنے لگا تو احساس ہوا کہ اب میرے اندر کچھ ایسی کیفیتیں پیدا ہو گئیں ہیں جن کی وجہ سے میں اس شیطان کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنا تجزیہ کیا اور میرا دل چاہا کہ کوئی ایسا عمل کروں جو میرے ضمیر کو سکون دے۔ میں نے دروازہ بند کرلیا۔ جو کچھ کرنے جا رہا ہوں' اس کا نتیجہ کیا ہوگا' یہ مجھے معلوم نہیں تھا پھر میں اس کمرے سے منسلک غسل خانے میں داخل ہوا..... وضو کیا..... باہر نکلا اور دوزانو بیٹھ کر نماز کا ارادہ کر لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ دماغ پر کافی زور دینے کے باوجود مجھے نماز میں پڑھنے والی آیتیں یاد نہیں آ رہی ہیں لیکن میں نے دل میں عہد کرلیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے' میں ان آیتوں کو یاد کروں گا اور رفتہ رفتہ میری یہ مشکل حل ہونے لگی۔ میں نے بڑی دقت کے ساتھ نماز پڑھی اور بہت دیر تک دعا مانگتا رہا۔ میں نے کہا کہ معبود کریم جو کچھ ہو رہا ہے بحالت مجبوری ہو رہا ہے' انسان غلطیوں کا پتلا ہے' بھوک سے بے تاب ہو کر میں نے جو غلیظ غذا اپنے معدے میں اتار لی ہے' مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ معبود کریم اگر میرا ایمان میرے دل سے جانے والا ہو تو مجھے زندگی سے محروم کر دے' ایمان سے محروم نہ کر' اگر میرے لئے کوئی راستہ ہے تو میری راہنمائی کر۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میں خلوص دل سے یہ دعائیں مانگ رہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پشت پر کسی نے ہاتھ رکھا ہو۔ میں چونک پڑا ہاتھ کا وزن مجھے باقاعدہ اپنی پشت پر محسوس ہوا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں حیرت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ کا یہ وزن کس کا تھا..... کون تھا جس نے مجھے سہارا دینے والے انداز میں میری پشت پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا' مجھے ایسا لگا جیسے کوئی مجھ سے کہہ رہا ہو کہ یہ مجبوری ہے اور یہ سب کچھ جو تجھے کرنا ہوگا تیرے حساب کی کتاب میں درج نہیں ہوگا۔ ایک شیطانی بلا کو شکست دینے کے لئے جو کچھ کرنا پڑ رہا ہے وہ کیے جا..... ہاں ایسے گناہوں سے بچنا جن پر تیرا ضمیر تجھے ملامت کرے..... عورت زندگی میں بہت بڑی حیثیت رکھتی ہے' اپنے آپ کو اگر اس کی گرفت میں پائے تو فکر نہ کرنا لیکن کچھ راستے ایسے ہوتے

ہیں جو گناہ و ثواب کی صحیح نمائندگی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ گناہ کو گناہ سمجھنا اور ثواب کو ثواب' باقی تیری راہنمائی ہو گی' فکر مت کرنا۔ کلیجہ گز بھر کا ہو گیا تھا..... اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی تھی..... میں بہت زیادہ مطمئن ہو گیا تھا۔ راگنی کے سلسلے میں بھی مجھے اجازت دے دی گئی تھی کہ دھرم وستو کو صحیح ٹھکانے لگانے کے لئے راگنی اگر مجھ تک پہنچتی ہے تو میں اسے قبول کرلوں لیکن کچھ حدود کے ساتھ۔

پھر راگنی مجھے نظر آئی اور میں نے محسوس کیا کہ میرا ذہن مکمل طور پر اس کی طرف راغب ہے۔ اس نے جن نظروں سے مجھے دیکھا' ان میں بڑی کشش تھی' میں اس کے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں پہنچا' یہ کمرہ بھی انتہائی قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ راگنی نے کہا:

"وستو مہاراج نے یہ کمرہ آپ کے لئے منتخب کیا ہے' اب بتایئے کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"راگنی مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ماسوائے تمہارے۔" راگنی کے چہرے پر میرے ان الفاظ سے شرم کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ اور بھی خوبصورت نظر آنے لگی۔ اسے اس انداز میں دیکھ کر میں نے دل میں سوچا کہ افسوس راگنی کہ میرے اور تمہارے درمیان بہت بڑی بڑی دیواریں حائل ہیں۔ میں تمہیں دھوکا تو دے سکتا ہوں' اپنے قریب نہیں لا سکتا' کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم ایک گندی روح کی ساتھی ہو' دوسری بات یہ کہ تمہارا دھرم مختلف ہے۔ بہرحال اسے بیوقوف بنانا ضروری تھا کیونکہ اب سو فیصدی چالوں کا کھیل ہو رہا تھا۔ راگنی نے کہا:

"شام جی مہاراج میں اب آپ کو شام ہی کہا کروں گی۔"

"جو تمہارا دل چاہے کہو' بیٹھو باتیں کریں گے۔" پھر راگنی کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے میں واقعی اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ کئی دن تک ہم اس عمارت میں مقیم رہے۔ پھر دھرم وستو ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا:

"اور اب تمام انتظامات ہو گئے ہیں' تم آرام سے کالی نگر جاؤ' پورن داس مہاراج تمہارا سواگت کریں گے اور تمہارے لئے تمام بندوبست کر دیں گے۔ اس کے لئے باقی کارروائی خود دھرم وستو نے ہی کی تھی اور میں راگنی کے ساتھ چل پڑا۔ پہلے ایک بیل گاڑی ہمیں لے کر ریلوے اسٹیشن تک پہنچی اور اس کے بعد ہم ٹرین میں بیٹھ کر کالی نگر

چل پڑے۔ یہ سب کچھ مجھے بہت عجیب لگ رہا تھا' اپنا دیش' اپنا وطن محسوس ہی نہ ہوتا تھا' بس یوں لگتا تھا جیسے میں کسی اجنبی دنیا میں موجود ہوں۔ ٹرین کالی نگر پہنچ گئی' پہاڑوں کے درمیان بسی ہوئی یہ آبادی اچھی خاصی وسیع تھی۔ یہاں خاص قسم کی مندر جیسی جگہیں بنی ہوئی تھیں۔ راگنی بہت زیادہ خوش تھی' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولی:

"مہاراج..... بلکہ شام جی مہاراج' میں نہیں جانتی کہ آگے ہمارا کیا ہوگا' پر ایک بات میرے من میں ہے' اگر میرا جیون سو بار مانگ لیا جائے تو میں سو بار یہ جیون دے دوں' اگر مجھے اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ اس کے بعد میں تمہاری ہو جاؤں گی۔" اس نے کہا' پھر ایک دم دانتوں میں زبان دبالی۔

میں نے اس کی کلائی پکڑ کر جذباتی لہجے میں کہا:

"اور راگنی میں....."

"جانتی ہوں..... جانتی ہوں..... پر ایک بات کہوں..... بڑی مشکل ہو جائے گی' دھرم وستو مہاراج کے دیئے ہوئے وچن سے منہ موڑنے کی کوشش کی تو ہم کبھی سکھی نہیں رہ سکے گے' دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی ہمارا جیون برباد کر دے گی۔"

پھر ہم چل پڑے تھے' ڈوبتے سورج کی کرنیں ہمیں ایک ایسی عمارت کی طرف نشاندہی کرنے لگیں' جو درختوں کے سائے میں نظر آ رہی تھی اور ہم وہاں پہنچ گئے۔ میں نے راگنی سے کہا:

"راگنی ایک بات بتاؤ' پورن داس مہاراج کو جانتی ہو تم؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"ایک بات اور بھی بتاؤ..... اگر کسی اور نے تمہاری طرف قدم بڑھائے تو؟"

"دیکھو شام' ایک پجارن ہونے کے سبب میرا فرض ہے کہ دیوتاؤں اور اس کے مہان پجاریوں کی ہر آگیا کا پالن کروں..... ایک بات ذہن میں رکھنا..... کبھی ایسا راستہ نہ اختیار کرنا جس سے تمہیں کوئی پریشانی ہو۔"

"کیسی بات کرتی ہو' یعنی ایک طرف تو تم میری ہو اور دوسری طرف....."

"نہیں ایسی بات بالکل نہ کہو' میں صرف اور صرف تمہاری ہوں۔"

❄ ❄ ❄

باب نمبر 28

ہم اس عمارت کے قریب پہنچے ہی تھے کہ چند افراد ہمیں اپنی طرف آتے نظر آئے۔ یہ گردن سے لے کر ٹخنوں تک کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ان کے حلیئے بہت عجیب تھے' ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا:

"کیا آپ شام کمار جی ہیں اور یہ راگنی جی۔"

"ہاں۔"

"آیئے ہم آپ کے سواگت کے لئے آئے ہیں۔ پورن داس مہاراج نے ہمیں بھیجا ہے۔"

"ٹھیک ہے..... ہمیں پورن داس مہاراج کے پاس ہی جانا ہے۔" میرے بجائے راگنی نے جواب دیا اور پھر ہم دونوں ان کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ہمارے آگے آگے جا رہے تھے۔ خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا اور اس کے بعد ہم اس عجیب و غریب جگہ پہنچ گئے جو مندر بھی نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن تھی مندروں جیسی ہی۔ پہاڑی ٹیلے تراشے گئے تھے اور عجیب و غریب سر بنے ہوئے تھے' کہیں کسی سونڈ والے انسان کا سر' کہیں بارہ بارہ ہاتھوں والی کالی مائی کا سر' پہاڑوں کو تراش تراش کر یہ جگہ بنائی گئی تھی اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ بڑے بڑے ٹیلوں میں دروازے بھی بنے ہوئے تھے' ان دروازوں سے پجاری اندر آ جا رہے تھے۔ میرا سر گھومنے لگا' آخر یہ کونسا علاقہ ہے؟ کالی نگر..... یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوشیدہ دنیا ہو' ایسی دنیا جس کے بارے میں حکومت کو معلوم نہ ہو اور یہ پراسرار لوگ یہاں اس انداز میں اپنا کام کر رہے ہوں۔ یقینی طور پر یہ کالی دنیا تھی۔ پجاری قسم کے لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ہمیں دیکھا اور آپس میں اشارے کر کے باتیں

کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہم ایسے ہی ایک پہاڑی ٹیلے کے پاس پہنچ گئے۔ جس میں اندر جانے کا دروازہ بنا ہوا تھا اور باہر کالی قبر۔ ہمیں یہاں لانے والوں میں سے ایک نے کہا:

"آپ اندر چلے جائیے مہاراج شام کمار۔"

"آؤ راگنی۔" میں نے کہا۔ لیکن جس شخص نے مجھے اندر جانے کے لئے کہا تھا' وہی ہمارے راستے میں آتا ہوا بولا:

"نہیں مہاراج آپ کو اکیلے ہی جانا ہوگا۔"

"لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ دھرم وستو مہاراج نے راگنی کو بھی میرے ساتھ بھیجا ہے۔"

"معلوم ہے مہاراج' لیکن کیا انہوں نے آپ سے یہ کہا ہے کہ جب آپ پہلی بار پورن داس مہاراج سے ملیں تو راگنی جی آپ کے ساتھ ہی ہوں؟"

"جب میرے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے تو پھر الگ سے یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی مہاراج..... ضد نہ کریں..... راگنی دیوی ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم ان کا بڑی عزت کے ساتھ سواگت کریں گے اور انہیں بڑے آرام سے رکھیں گے..... آپ اندر جائیے۔" میں نے ایک لمحے کے لئے راگنی کی طرف دیکھا تو راگنی نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ مقصد یہ تھا کہ میں اندر چلا جاؤں۔

میں اندر چلا گیا..... سب سے پہلے میری نظر جس آدمی پر پڑی وہ ایک انتہائی قد آور اور زبردست شخصیت کا مالک تھا۔ دیکھنے میں وہ کوئی پہلوان نظر آتا تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے وہ باقاعدہ ورزش کرتا رہا ہو۔ میں نے اس کے اس ورزشی بدن کو بغور دیکھا' وہ خود بھی خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا اس طرح جائزہ لے رہے تھے جیسے ایک دوسرے کی طاقت اور ہمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں کس طبیعت کا انسان ہوں۔ اس کے رعب میں آتا ہوں کہ نہیں اور میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرا یہ نیا میزبان بذات خود کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آخر کار اس کی آواز ابھری:

"مہاراج دھرم وستو نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے شام اور اب میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں..... جواب دو گے؟"

"کیا تم مجھے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہو گے..... پورن داس۔"

"نہیں یہاں دیوی کا استھان ہے اور ہم دیوی کے پجاری دیویوں کے منظور نظر ہوتے ہیں ہمارے سامنے آ کر کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی کیونکہ اس طرح دیویوں کی توہین ہوتی ہے؟"

"ٹھیک ہے..... آگے کہو۔"

"دھرم وستو مہاراج نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں پوجا پاٹ سکھاؤں۔ جاپ اور منتر بتاؤں وہ تمہیں کالی شکتی دینا چاہتے ہیں..... امر شکتی۔"

"ہاں میں ایسا ہی کام کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا:

"ہمت رکھتے ہو اتنی کہ پیروں بیروں اور شکتوں کے ساتھی بن سکو؟"

اس ہمت کا اظہار کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"جاپ..... بہت سے جاپ..... اپنے آپ کو ایک طاقتور اور بہادر انسان ثابت کرنا ہوگا تمہیں' کیونکہ جو کچھ تم کرنے جا رہے ہو وہ معمولی بات نہیں ہے۔"

"کتنا عرصہ لگے گا مجھے یہ جادو منتر پڑھنے میں؟" میں نے سوال کیا اور پورن داس کرخت نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا' پھر بولا:

"اس طرح کہہ رہے ہو تم شام جی مہاراج جادو منتروں کے باروں میں' جیسے چنے مٹر بھوننے کا ارادہ رکھتے ہو۔ مہاراج تمہیں دھرم وستو مہاراج نے بھیجا ہے اور لازمی بات ہے کہ دھرم وستو نے تمہارے اندر کچھ دیکھا ہی ہوگا' جس کی وجہ سے انہوں نے تمہیں اس کام کے لئے منتخب کیا ہے۔ بہت بڑا کام ہے یہ معمولی نہیں ہے۔ اس کے لئے تمہیں بہت سے امتحان دینا ہوں گے۔ جتنا مشکل یہ کام ہے' تم سمجھ نہیں سکتے ویسے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میری باتوں کو پسند نہیں کر رہے اور کچھ ناراض ہو رہے ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے اور اس کے لئے ٹھنڈے دل سے کچھ امتحانات دینا پڑتے ہیں۔ جو عمل تمہیں کرنے ہیں اس کے لئے تمہارا اپنے من میں شانت ہونا ضروری ہے۔"

"تو تم میرا امتحان لے رہے ہو ابھی تک۔"

"دیکھو مہاراج دھرم وستو نے تمہیں بھیجا ہے' ہم ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ میرا نام

پورن داس ہے اور یہاں سارا کالی نگر میری بڑی عزت کرتا ہے۔ اکیلے میں تو کوئی بات نہیں ہے لیکن دوسروں کے سامنے اگر تم نے مجھے اس طرح مخاطب کیا تو وہ تمہاری تکہ بوٹی کر کے رکھ دیں گے' میرا یہاں ایک مان ہے' احترام کیا جاتا ہے میرا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری بے عزتی نہیں کرنا چاہتا مگر ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو پورن داس مجھے صرف اپنے کام سے غرض ہے..... باہر تمہارے پجاریوں نے میری ساتھی لڑکی راگنی کو روک لیا ہے' حالانکہ تمہیں اس بات کا علم ہو گا کہ راگنی کو بھی دھرم وستو نے ہی یہاں بھیجا ہے اور وہ میری ساتھی ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی تم پر فرض ہے..... مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"بس تھوڑا صبر کرو' اس کے بعد میں تمہیں جاپ بتاؤں گا اور تمہیں ایک پرانے کھنڈر میں بیٹھ کر یہ جاپ کرنا ہو گا۔ اس دوران تم کسی سے بھی نہیں مل سکو گے۔"

"کیا بالکل اکیلے رہنا ہو گا مجھے..... راگنی بھی میرے ساتھ نہیں ہو گی؟"

"نہیں راگنی کیا کوئی راگ بھی تمہارے ساتھ نہیں ہو گا' اکیلے رہو گے تم اور اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے' بلکہ الٹا مصیبتوں میں پڑ جاؤ گے۔" میں نے چند لمحات کے لئے سوچا جب میں نے اس سلسلے میں دھرم وستو سے وعدہ کر لیا تھا اور اپنے طور پر ایک منصوبہ بندی بھی کر لی تھی تو مجھے ان لوگوں سے مکمل تعاون کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے' لیکن ایک بات کا خیال رکھنا پورن داس۔" پورن داس نے مجھے ناخوشگوار نگاہوں سے دیکھا اور بولا:

"خیر جو کچھ تم نے بکواس کرنی ہے کر لو..... بات دھرم وستو کی ہے..... برا کرو گے تو نتیجہ خود بھگتو گے' بکو کیا بکنا چاہتے ہو۔"

"راگنی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے..... اگر اسے کوئی تکلیف ہوئی تو اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ....."

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے....." پورن داس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو پھر میری طرف سے بھی ٹھیک ہے..... میں تیار ہوں۔"

"ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا' جو جاپ تم کرو گے' جو منتر تم پڑھو گے' اس کو

پڑھنے کے دوران بہت سے ایسے خوفناک واقعات پیش آئیں گے کہ تم دہشت زدہ ہو جاؤ گے لیکن اگر تمہیں خوف کا احساس ہوا تو سمجھ لو گونگے بہرے ہو جاؤ گے۔ تمہاری پانچوں حسیں کام کرنا چھوڑ دیں گی..... نہ دیکھ پاؤ گے..... نہ سن پاؤ گے..... اور ایک بات اور....."

"میری طرف سے تم فکر مت کرو..... میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"آخری بات منش کو سارے سنسار میں ذلیل و خوار کرنے والی عورت کی ذات ہوتی ہے' اگر تم راگنی کا پیار اپنے منتر کے بیچ لاؤ گے' تو سمجھ لو کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔"

"اور کچھ؟"

"سب کچھ تمہیں بتانا میرا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر مجھے یہ جاپ کب سے شروع کرنا ہے؟"

"ابھی اس وقت آرام کر لو..... ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے..... وقت سے پہلے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔"

"لیکن میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

"ہاں ہاں..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... میں تمہیں بہت جلد اس جگہ پہنچا دوں گا' جہاں جا کر تمہیں یہ جاپ کرنا ہے..... اب جاؤ آرام کرو۔" اس نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ اس بارے میں مزید کوئی بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ میں وہاں سے پلٹ پڑا۔

اس حیرت انگیز دنیا میں' میں نے پورن داس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور میرے اس سلوک نے پورن داس کو جو حیران کیا تھا' وہ مجھے بڑا دلچسپ اور دلکش محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال باہر نکلا تو راگنی موجود نہیں تھی۔ البتہ دو افراد وہاں پر موجود تھے۔ راگنی کو نہ پا کر میں نے غصیلی آواز میں کہا:

"میری ساتھی لڑکی کہاں ہے؟"

"آپ کو ابھی اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا مہاراج..... یہاں تو اسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا وہ لوگ اسے لے گئے ہیں۔"

"تو چلو پھر مجھے اس کے پاس پہنچا دو۔"

"آیئے۔"

راستہ خاصا طویل تھا اور یہ راستہ طے کرتے ہوئے میں نے اپنا تجزیہ کیا۔ اس وقت میں دوہری کیفیت کا شکار تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں' ایک طرف دھرم وستو کا جال مجھ پر پڑ چکا تھا' حالانکہ میں نے اس سے سخت انحراف کیا تھا لیکن دھرم وستو نے میرے اوپر کچھ اس طرح سے جال ڈالا تھا کہ میں اپنے آپ کو اس جال میں پھنستا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ بہت سے احساسات دل سے مٹ چکے تھے۔ راگنی اب اپنے وجود کا ایک حصہ محسوس ہو رہی تھی مجھے اور میں اپنے آپ میں خاصی تبدیلی پا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ رفتہ رفتہ یہ احساس بھی ختم ہو جائے گا۔ بہرحال پورن داس کے آدمیوں نے مجھے ویسے ہی ایک اور ٹیلے کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مچھلی کا سر تھا اور اس میں اندر جانے کے لئے تین سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ تین سیڑھیاں عبور کیں اور اندر پہنچ گیا۔ سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ پہاڑی ٹیلوں کو مختلف صورتوں میں تراشنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے گئے ہوں گے۔ اندر غار میں راگنی موجود تھی۔ آرام و آسائش کی ہر چیز یہاں پہنچا دی گئی تھی۔ میں نے راگنی سے اس کی خیریت پوچھی اور اس کے بعد ہم پھل اور بھاجی ترکاری کھانے میں مصروف ہو گئے جو ہماری پہلی ضیافت کے طور پر یہاں لائی گئی تھی۔ کھانے کے دوران راگنی مجھ سے پورن داس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگی اور میں نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔ راگنی نے پراسرار انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"پورن داس کے بارے میں مجھے بھی بہت کچھ معلوم ہو رہا ہے..... ویسے وہ غلط نہیں کہہ رہے تھے کہ تمہیں اپنی تمام تر توجہ اس جاپ اور منتر کی طرف لگانی ہوگی اور اسی سے تمہیں تمہارا مقصد حاصل ہوگا۔"

"ہاں راگنی..... مجھے اب اپنا مقصد دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے لیکن اس دوران تمہارا کیا ہوگا..... کیا تم میرے بغیر پریشان نہیں رہو گی۔"

"نہیں میں تمہاری کوششوں کے پورا ہونے کا انتظار کروں گی۔"

"یہاں کا ماحول مجھے کچھ پسند نہیں ہے..... مجھے شبہ ہے کہ کہیں میری غیر موجودگی میں تمہیں پریشان نہ کیا جائے۔"

"اتنی ہمت نہیں ہو سکتی ان کی' کیونکہ ہم دھرم وستو کے بھیجے ہوئے ہیں۔"

"بس مجھے یوں لگتا ہے' جیسے یہاں میرے ساتھ کوئی دھوکا ہو رہا ہو۔"

راگنی نے پراسرار انداز میں گردن ہلائی' مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی:

"دیکھو میں جانتی ہوں' تم کون ہو اور یہ بھی جانتی ہوں کہ دھرم وستو مہاراج تم سے کیا چاہتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم دل سے دھرم وستو مہاراج کے پیروکار بننے کے لئے تیار نہیں ہو لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ کوئی ایک راستہ اختیار کرنے کا اگر فیصلہ کر لیا گیا ہو تو اس فیصلے کو پورا کرنے کے لئے کام کرنا چاہیے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دوں' میں بھی تمہارے لئے عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں اپنے دل میں۔ میں کیا ہوں یہ میں جانتی ہوں یا میرا بھگوان جانتا ہے اور اب کیا ہو گئی ہوں' اس کے بارے میں بھی کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ ہاں یہ ایک بات بڑی سچ ہے کہ کسی جاپ کے درمیان اگر کسی عورت کی قربت حاصل کی جائے یا کسی کی محبت کو دل میں بسا کر رکھا جائے تو جاپ پورا نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے اگر تمہارا جاپ پورا ہو گیا تو پھر مجھ جیسی لڑکیاں تمہارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔"

"ٹھیک ہے راگنی' اگر واقعی مجھے اس طرح سے کوئی قوت حاصل ہو گئی تو تمہارے علاوہ میں کسی اور کو اپنے پاس لانا پسند نہیں کروں گا۔"

راگنی خاموش ہو گئی' پھر کافی وقت گزر گیا۔ آخرکار مجھے پورن داس مہاراج نے طلب کر لیا اور جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا:

"بس یہ سمجھ لو پاتال بھیروی شروع ہونے والی ہے۔"

"پاتال بھیروی؟"

"ہاں تمہیں پاتال کا سفر کرنا ہوگا..... کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"کیا وہ جاپ کرنے کے لئے مجھے اس جگہ جانا پڑے گا؟"

"ہاں۔"

"کب جانا ہے وہاں۔"

"سمجھ لو اب سے کچھ دیر کے بعد۔" پورن داس نے جواب دیا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 29

یہ حقیقت ہے کہ دھرم وستو سے تمام تر انحراف کے باوجود میں غیر محسوس طریقے سے اب اس کے کہنے پر عمل کر رہا تھا۔ حالانکہ میں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ یہ کیا تھا کہ دھرم وستو کی بات اس انداز میں مانی جائے کہ وہ دھوکا کھا جائے اور میں اپنا دین خراب نہ کر سکوں۔ لیکن نہ جانے کیا ہو رہا تھا۔ اب شاید جو کچھ میں نے اپنے وجود میں اتار لیا تھا وہ اثر دکھا رہا تھا کہ میں غیر محسوس طریقے سے پورن داس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا تھا اور اب میرے دل میں یہی خواہش تھی کہ جلد از جلد یہ سب جادو منتر مکمل کر لوں اور اس کے بعد راگنی کو اپنی زندگی میں شامل کر لوں۔

پورن داس مجھے لے کر چل پڑا۔ اس وقت چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ پورن داس کے آگے آگے ایک پجاری لالٹین ہاتھوں میں اٹھائے چل رہا تھا۔ ہوا کی سائیں سائیں کی آواز گونج رہی تھی اور ہم کسی ویران راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ قرب و جوار میں بالکل خاموشی طاری تھی۔ بہت دور سے کسی آوارہ جانور کے بولنے کی آواز سنائی دے جاتی اور بس۔ اس طرح سے کافی فاصلہ طے ہو گیا۔ پاتال بھیروی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ کیا چیز ہوتی ہے۔ طویل ترین سفر کرنے کے بعد دھرم وستو کی آواز ابھری:

”شام اس وقت ہم ایک ایسے شمشان گھاٹ سے گزر رہے ہیں جہاں زندہ مردے ہر وقت گھومتے پھرتے رہتے ہیں یعنی وہ آتمائیں جو کہیں کسی طرح اپنا مان نہیں پا سکیں' راستے میں ملیں گی۔ کیا تم ایسی آتماؤں سے ڈرو گے؟“

”روحوں کے ہاتھ تو نہیں ہوتے پورن داس پھر وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ میں ملنا

چاہوں گا ان سے اور یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ جاپ کرتے ہوئے مجھے زندہ انسانوں سے دور کر دیا گیا ہے اگر مردے میرے آس پاس رہیں گے تو ذرا ان سے بات چیت ہو جائے گی اور میری تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔“

پورن داس خاموش ہو گیا پھر واقعی جلی ہوئی راکھ کے ڈھیر جگہ جگہ نظر آنے لگے۔ انسانی ہڈیاں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں اور کبھی کبھی میرے پاؤں سے کوئی کھوپڑی ٹکراتی اور فٹ بال کی طرح کھڑکھڑ کرتی ہوئی دور جا گرتی تو ایک عجیب سا احساس ہوتا۔ اس کے علاوہ ماحول میں جلے ہوئے گوشت کی بدبو بری طرح پھیلی ہوئی تھی لیکن میں چلا جا رہا تھا اور اچانک ہی ایک خیال میرے دل میں آیا:

”ایک بات پوچھوں پورن داس جی۔“

”ہاں پوچھو۔“

”دھرم وستو نے تو مجھے پاتال بھیروی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”تو پھر؟“

”مطلب کیا ہے تمہارا۔“

”مطلب تو تم مجھے بتاؤ' تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔“

”میرا مطلب صرف یہ ہے کہ کیا یہی وہ جگہ ہو گی جہاں مجھے جاپ کرنا ہو گا۔“

”ہاں۔“

”چلو ٹھیک ہے' لیکن کتنے عرصے ہو گا یہ جاپ؟“

”یہ تو جاپ کے بھیر ہی بتا سکیں گے یعنی وہ جنہیں تم اپنے قبضے میں کرو گے اور بعد میں تم مہان شکتی کے مالک بن جاؤ گے۔ اب وہ جگہ آ گئی ہے جہاں تمہیں جاپ کرنا ہے۔ اس نے کہا اور میں نے تاریکی میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ کیا یہی پاتال بھیروی ہے؟ میں نے دل میں سوچا۔ پاتال کے بارے میں تو مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ ہندی زبان میں زمین کی گہرائیوں کو کہتے ہیں۔ ہم نے اتنا فاصلہ تو طے نہیں کیا تھا کہ جو ناقابل یقین ہو۔ پورن داس کے انداز سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے دل میں بھی میرے لئے کوئی برائی چھپی ہوئی ہو۔ بہرحال اب جو کچھ بھی ہے جب اتنے خوفناک واقعات کو اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے تو پھر وقت کی زبان سننا ہو گی۔ وقت جو کچھ

بھی کہے۔ پھر ایک جگہ...... جہاں مجھے پہنچایا گیا تھا...... بیٹھ کر پورن داس مجھے جاپ کرنے کے طریقے بتانے لگا اور وہ بے تکے الفاظ بھی جو مجھے ادا کرنے تھے۔ میں نے ان الفاظ کو ذہن نشین کر لیا۔ ایسا خود بخود ہو رہا تھا۔ پورن داس نے ایک بار پھر کہا:

"سنو اس دوران تم صرف پھلوں پر گزارہ کر سکتے ہو۔ جاپ پورا کرنے سے پہلے اگر تم نے اس جگہ سے ہٹنے کی کوشش کی تو تمہیں سزا ملے گی۔ گندی آتماؤں سے تم اسی صورت میں بچ سکتے ہو کہ جاپ والے دائرے سے یعنی اس جگہ سے جہاں میں نے تمہیں بٹھایا ہے باہر نہ نکلو اور جب تم یہ جاپ مکمل کر لوگے تو سنسار کی ساری عورتوں پر تمہارا حق ہوگا۔ تم اپنی پسند کی ہر عورت کو اپنے جال میں پھانس سکتے ہو۔"

دل ہی دل میں میں نے اس کے ان جملوں سے نفرت کی تھی۔ میں نیکی اور بدی کے بارے میں جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ دھرم وستو یا پورن داس جیسے کالے علم کے پجاریوں کے لئے یہ بات برائی کی حیثیت نہیں رکھتی۔ شیطان کا ہر عمل ان کا عمل ہے۔ بہرحال اس کے بعد پورن داس وہاں سے چلا گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اپنی ان تمام تر قوتوں کو آواز دی جنہیں میں نے اپنے ساتھ منسلک رکھا تھا جو مجھے راستے بتاتی تھیں۔ میں نے اپنے لئے راہ طلب کی تو خاموشی سی طاری ہو گئی یعنی مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ میرا ذہن پھر اسی گرفت میں آ گیا۔ سہرحال میں نے وہ منتر شروع کر دیا اور جیسے جیسے میں منتر پڑھتا گیا' ویسے ویسے یہاں میرا دل لگتا رہا۔ میں عجیب و غریب طور پر خود اپنے ہی جال میں گرفتار ہونے لگا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے اوپر کوئی اور تہہ چڑھ گئی ہو۔ میرے وجود میں کسی نئے انسان نے زندگی پائی ہو۔ رفتہ رفتہ میں دین و دھرم کے رشتے بھولتا چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دو یا تین دن کے بعد ہی مجھ پر یہ غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اب نہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت رہتی تھی اور نہ ہی زندگی کی دوسری حاجت ہوا کرتی تھی۔ میری حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ جس دائرے میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں پر میرے لئے پھل وغیرہ بھی آ جایا کرتے تھے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ وقت گزرتا رہا' رات کی تاریکی میں اکثر گندی شکلیں اور ارواح میرے گرد رقص کرتی تھیں۔ کبھی مجھے یوں لگتا کہ وہ مجھے ہوا میں بلند کیے چلی جا رہی ہوں اور کبھی یوں لگتا کہ

جیسے زمین کی گہرائیاں مجھ پر مسلط ہو گئی ہوں اور میں زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہوں۔ کبھی آگ کے بڑے بڑے روشن دائرے نظر آتے اور کبھی جلتی ہوئیں مشعلیں جو میرے گرد رقص کرتی تھیں۔ ان کی بلندیوں پر بہت سارے چہرے اٹکے ہوا کرتے تھے۔ خونخوار درندوں کی خوفناک آوازیں میرے سامنے بلند ہوتیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اب میرا دل ان سے خوفزدہ نہیں ہوتا تھا۔ گویا میں طاقت کا وہ منصب حاصل کرتا چلا جا رہا تھا جو مجھے بتایا گیا تھا۔ کئی بار میں نے راگنی کو دیکھا جو حسین ترین لباس میں فضا میں تیرتی ہوئی مجھ تک آئی' مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن میرے ہاتھ اس کی جانب نہیں بڑھے۔ میں خاموشی سے اپنا منتر دہراتا رہا۔ اب میں یہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے صرف یہ منتر پڑھنا ہے اور اپنا مقصد پورا کر لینا ہے۔ پھر ایک بھیانک رات میں اپنے منتر کے آخری مراحل طے کر رہا تھا اور میرے اردگرد انسانوں کا ایک سمندر تھا لیکن ایسے انسان جن میں سے کسی کی گردن نہیں تھی' کسی کے ہاتھ پاؤں نہیں تھے' ننگ دھڑنگ مرد عورت میرے چاروں طرف گردش کر رہے تھے' رو پیٹ رہے تھے۔ ساری رات یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر جب صبح کی روشنی چمکی تو وہ سب کچھ غائب ہو گیا اور مجھے یوں لگا' جیسے میرے سامنے کچھ بھی نہ ہو یا پھر مجھے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا...... مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے میری عقل میرا ساتھ نہ دے پا رہی ہو...... میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو...... میں چاروں طرف بکھر گیا ہوں...... کچھ نظر نہیں آ رہا تھا...... کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کیفیت سے ایک دم خوفزدہ ہو گیا تھا کیا میری بینائی چلی گئی ہے میں نے سوچا تو میرا دل اندر سے گھبرانے لگا اور پھر محسوس ہوا جیسے میرا جسم بے پناہ بڑھ گیا ہو۔ مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے میں کسی پہاڑی ٹیلے کی شکل اختیار کر گیا ہوں۔ مجھے اپنے ہاتھ پاؤں بے حد وزنی محسوس ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اچانک مجھے یوں لگا' جیسے میری بینائی واپس آ رہی ہو۔ میں نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں اور پیروں کو دیکھا' زمین مجھے بہت نیچے نظر آ رہی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں اور جسم بے پناہ بڑھ گیا تھا۔ آپ یقین کریں میں اس وقت کوئی چالیس فٹ کا انسان بن چکا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ کیا ہوا...... بڑی خوفناک صورتحال ہو جائے گی یہ تو......

اس جسامت کے ساتھ بھلا دنیا میں میرا کیا گزر ہو گا...... لوگوں کے لئے ایک عجوبہ بن کر رہ جاؤں گا اور میں عجوبہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں اس کا کوئی حل پورن داس کے پاس موجود ہے یا نہیں یہ جاپ تو اس نے مجھے بتایا تھا اور جہاں تک میرا اندازہ تھا یہ جاپ پورا ہو چکا تھا۔ مجھے قوت حاصل ہو گئی تھی' بہرحال اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھے کرنا کیا چاہیے؟ مجھے اپنے وجود میں لاتعداد تبدیلیوں کا احساس ہوتا تھا' یوں لگتا تھا جیسے میں چٹانوں کو بھی ریزہ ریزہ کر سکتا ہوں مگر میری یہ جسامت...... اس کا کیا ہو گا...... میں چلتا چلا جا رہا تھا' پھر میں نے ایک پجاری کو دیکھا جو اسی طرف چلا آ رہا تھا' اس کے ہاتھوں میں کوئی چیز تھی۔ میں نے سوچا کہ اس سے اندازہ لگاؤں کہ اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ پجاری نے بھی مجھے دیکھ لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے تاثرات میں ایک حیرت تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا سامان نیچے رکھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا۔ پھر بولا:

"شام جی مہاراج آپ کا جاپ پورا ہو گیا۔"

"تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"مہاراج ہماری آنکھیں اتنی دور تک کہاں دیکھ سکتی ہیں؟"

"کیا محسوس کر رہے ہو تم میرا قد کتنا ہے۔"

"مہاراج جتنا تھا اتنا ہی ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ زمین جو مجھے فاصلے پر نظر آ رہی ہے' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میرا قد بڑھ چکا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ میرا علم میرا گیان بڑھ چکا ہے۔ پجاری کی ان باتوں پر یقین کرنے کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ سب سے پہلے مجھے پورن داس کے پاس ہی جانا چاہیے۔ پورن داس اس سلسلے میں مجھے آگے کی تفصیلات بتائے گا۔ ویسے مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میں واقعی پورن داس کا بتایا ہوا جاپ اس طرح پورا کر لوں گا اور مجھے ایسی قوتیں حاصل ہو جائیں گی۔

میں اس طرف بڑھ گیا جس طرف پورن داس کا قیام ہوتا تھا اور پھر میں پورن داس کو اطلاع دیئے بغیر اس کی پرائیویٹ رہائش گاہ میں پہنچ گیا...... میں اس کو سرپرائز دینا چاہتا تھا

لیکن وہاں کا ماحول میرے لئے ہی سرپرائز تھا...... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں نے اپنے احساسات' اپنے افکار و خیالات میں جو تبدیلی پیدا کی اور راگنی جیسی لڑکی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنایا وہ ایسی نکلے گی۔ راگنی نے تو میرے ساتھ زندگی گزارنے کے بہت سے عہد و پیمان کیے تھے اور اس وقت تک میں اس کے بارے میں اچھے ہی روپ میں سوچتا رہا تھا۔ لیکن جو میں نے دیکھا' اس نے میرے تمام وجود کو خاکستر کر دیا...... راگنی اور پورن داس جس حالت میں وہاں موجود تھے وہ میرے لئے ناقابل یقین تھی...... میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا...... میرے تیور بڑے خوفناک ہو گئے تھے...... میں نے غصیلی آواز میں راگنی کو پکارا...... میری آواز شاید اس قدر بھیانک تھی کہ وہ دونوں کچھ لمحات کے لئے پتھرا سے گئے...... پھر راگنی تڑپ کر اٹھی اور اس نے اپنے بدن کو چادر سے ڈھک لیا...... اِدھر پورن داس بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن میں نے پورن داس کی جانب توجہ نہیں دی اور راگنی کی طرف منہ کر کے بولا:

"بات کچھ نہیں ہے راگنی' بہت معمولی سی بات ہے...... بزرگ یہ کہتے چلے آئے تھے کہ عورت اس کائنات کا سب سے بڑا فریب ہے لیکن میں نے بھی یہ دیکھا کہ بزرگوں کی باتیں سننے کے باوجود مرد عورت کے فریب میں گرفتار ہوتا رہا ہے۔ مجھے بھی تم پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن کر بیٹھا اور اب مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ بزرگوں کی کہی ہوئی بات کتنی مناسب ہوتی ہے۔"

راگنی کی آنکھوں میں رحم والے تاثرات تھے۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ رحم کی التجا کسی بجھتے ہوئے چراغ کی لو کی مانند ٹمٹماتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اِدھر پورن داس جو اپنے خوف کے احساس سے نکل آیا تھا اور اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کون ہے اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا پھر اچانک ہی اس کی آواز ابھری:

"شام ہوش میں آؤ...... تمہیں معلوم ہے تم کس کے سامنے یہ بکواس کر رہے ہو۔"

میں اس کے ان الفاظ سے اور چراغ پا ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر غصیلے لہجے میں کہا:

"پورن داس تم تو مہاتما ہو...... بھگوان ہو...... تم اپنے پجاریوں کے درمیان بھگوان ہو کر یہ سب کچھ کرتے ہو؟"

"تمہیں یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے...... تم ہو کیا چیز کیا...... تم اپنے آپ کو بھول گئے...... میں کہتا ہوں کہ تم میری اجازت کے بغیر یہاں تک آئے کیسے...... تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں میں صحیح وقت پر یہاں پہنچا' تمہاری گندی سیرت اور اس لڑکی کی گندی شخصیت دونوں میرے علم میں آ گئے اور یہ بھی شاید اسی طاقت کا کرشمہ ہے جو میرے بدن میں پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے صحیح وقت پر مجھے صحیح جگہ بھیج دیا ہے اور اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے وہ کرنا چاہیے جو مجھے ملنے والی طاقت کا پہلا کرشمہ ہو گا۔"

"دیکھو دھرم وستو مہاراج نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے' مہمان ہو تم میرے اور ان کے کہنے پر میں تمہیں سب کچھ آسانیاں دیتا رہا ہوں لیکن میں بھی دھرم وستو مہاراج کا غلام نہیں ہوں...... اگر میں بگڑ گیا تو تمہارے لئے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں ایسا سنبھالوں گا پورن داس کہ تو سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کمینے چار دن میں ایک جاپ کیا ہے تو نے اور اپنی شکتی پر اتنا گھمنڈ کر رہا ہے...... تجھے نہیں معلوم کہ پورن داس کیا چیز ہے...... سن اب میں تجھے بتاتا ہوں کہ راگنی اب میری ملکیت ہے...... خبردار تو نے کبھی دل میں اس کے بارے میں خیال تک پیدا کیا۔ جا دھرم وستو مہاراج کے نام پر چھوڑ دیتا ہوں میں...... چلا جا یہاں سے ورنہ اس کے بعد میں بھول جاؤں گا کہ تجھے کس نے بھیجا ہے۔"

"بات اصل میں بہت چھوٹی سی ہے پورن داس...... بہت معمولی سی...... وہ یہ کہ میں راگنی کو پسند کرتا ہوں۔ اس وقت دو طاقتوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ اپنی انا اپنے مان کے ٹوٹ جانے کا کھیل ہے۔"

"کوئی کھیل یہاں نہیں چل سکتا شام' بے شمار سندر ناریاں تیرے چرنوں میں آ کر تجھ سے چرنوں کی دھول مانگیں گی...... میں تیرا استاد ہوں...... جا چلا جا استاد اور شاگرد کا فرق درمیان میں رکھ۔"

"کتے جس روپ میں میں نے تمہیں دیکھا ہے اس میں تجھے انسان کہتے بھی شرم آئے گی مجھے' تو اپنے آپ کو میرا استاد کہتا ہے۔" میرے ان الفاظ پر پورن داس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اس کی آنکھوں سے خوفناک شعلے ابلنے لگے اور پھر وہ مجھ سے مقابلہ

کرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن دشمن کو سنبھلنے کا موقع دینا دانشمندی کے خلاف ہے...... افضال کے ساتھ جو وقت گزرا تھا اس میں ایسی باتیں بھی ہم دونوں نے اپنے ذہن میں سوچی تھیں...... چنانچہ دوسرے لمحے میں نے پورن داس کے پیٹ پر ایک لات ماری اور پھر اس کی گردن پر اپنی کلائی کا وار کیا۔ پورن داس اچھل کر زمین پر جا گرا تھا۔ نیچے گرتے ہی ایسی مکھی کی طرح گھورنا شروع کر دیا جو الٹی ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کی تمام جسمانی قوت ایک عجیب و غریب کیفیت پیش کر رہی تھی وہ مجھے اس طرح گھورتا رہا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اب اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ اچانک ہی میں نے اسے اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے دیکھا اور یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ اچھل کر وہ زمین پر نہیں آیا تھا بلکہ چھت تک پہنچ گیا تھا' اب وہ کسی پرندے کی مانند ہی اس کمرے کی فضا میں چھت سے نیچے اور اونچا ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے نیچے جھک کر ایک لات میری گردن پر ماری' میں ایک لمحے کے لئے میں بیٹھ سا گیا تھا۔ ورنہ یہ لات اگر پوری قوت سے پڑی ہوتی تو یقینی طور پر میں اپنی گردن کی ہڈی سے محروم ہو چکا ہوتا۔ اچانک ہی ایک مدھم سی آواز میرے کانوں میں گونجی:

"کیوں ڈر رہے ہو اس سے...... تمہاری اپنی شخصیت ہے...... ایک ایسی شخصیت ہے تمہارے اندر جو تمہیں اس دھرم کے کسی شخص کے سامنے جھکنے نہیں دے گی...... بے دھڑک اس سے مقابلہ کرو' یہ تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے' کیونکہ جو طاقت تم نے حاصل کی ہے وہ بیشک شیطانی طاقت ہے لیکن تمہیں کچھ اور بھی دیا گیا ہے' اسے نہ بھولنا۔" یہ جملے میرے لئے مشعل راہ تھے۔

میں ایک دم چونک سا پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب تک میں جن باتوں کو نظرانداز کرتا رہا ہوں اس وقت وہ میرے وجود میں جاگ اٹھی ہیں۔ لیکن یہ وقت سوچنے کا نہیں تھا کیونکہ پورن داس میرے مقابلے پر ڈٹ گیا تھا۔ وہ پھر فضا میں نیچے اترا اور اس نے اس بار پھر اپنا پاؤں میرے منہ پر مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا پاؤں پکڑ لیا اور اس کے بعد میں نے اسے پوری قوت سے گھمانا شروع کر دیا۔ پورن داس اس کیفیت کے لئے تیار نہیں تھا...... میں نے اسے الٹا گھمایا اور چھوڑ دیا...... پھر وہی ہوا جو میرے ذہن میں تھا۔ پورن داس دیوار سے ٹکرایا اور اس کا بھیجہ باہر نکل پڑا۔ زمین پر گر

کر وہ تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا اور اس کے بعد سرد ہو گیا۔ اس کے خون سے زمین سرخ ہو رہی تھی۔ میں نے راگنی کی طرف دیکھا اور سرد لہجے میں کہا:

"راگنی مجھے تجھ پر اتنا غصہ آ رہا ہے کہ میں تیرے لئے کوئی بدترین سزا تک نہیں سوچ پا رہا سمجھ میں نہیں آ رہا تجھے کیا سزا دوں۔ ایک ایسی سزا جو میرے دل و دماغ کو سکون بخشے' ایسی سزا دینا چاہتا ہوں میں تجھے راگنی۔"

"معاف کر دیجئے...... مجھے معاف کر دیجئے...... آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں کہ یہ سب میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔ میں اس کی شکتی کے سامنے کچھ بھی نہیں تھی..... مجبور ہو گئی تھی..... معاف کر دیجئے مجھے..... ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے۔" جواب میں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس سے کہا:

"راگنی یقین کر میں نہیں جانتا کہ مجھے یہاں تک لانے میں کس کا ہاتھ ہے۔ میں واقعی بالکل نہیں جانتا' میرا دین' میرا دھرم آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا لیکن یہ بھی ایک بہت بڑا سچ ہے راگنی کہ تیری وجہ سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ واقعی بڑا نقصان اٹھایا ہے میں نے۔ لیکن خیر کم از کم اگر مجھے کوئی قوت حاصل ہوئی تو اس سے یہ فائدہ تو پہنچا مجھے کہ میں نے تیری حقیقت کو جان لیا..... راگنی میں نے تیری حقیقت کو اچھی طرح پہچان لیا۔ اب تو خود اپنے لیے فیصلہ کر' کیا سلوک کروں میں تیرے ساتھ؟"

"معاف کر دیں مجھے شام معاف کر دیں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی:

"زندگی چاہتی ہے؟"

"ہاں میں مرنا نہیں چاہتی..... میں مرنا نہیں چاہتی۔" وہ گڑگڑا کر بولی:

"پھر بتا میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کیسے ہو؟"

"شام ایک بات کہوں میں تم سے..... برا تو نہیں مانو گے' دیکھو تم سے پہلے میں دھرم وستو مہاراج کے پاس تھی' اس وقت تم میری دنیا میں نہیں تھے شام' پھر مجبوری نے مجھے یہاں پورن داس کے چرنوں میں لا ڈالا۔ ایک عورت کسی طاقتور مرد کے مقابلے میں کیا کر سکتی ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ تم یہ جاپ کر کے واپس آؤ گے بھی یا نہیں' ایک دو بار میں نے پورن داس مہاراج سے پوچھا تو انہوں نے بھی کچھ نہیں بتایا' بس

مسکرا کے خاموش ہو جاتے تھے میں یہ سمجھتی تھی کہ انہوں نے تمہیں موت کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اب تم اس سنسار میں جیتے نہیں ہو تم مجھے بتاؤ..... نہ تو تمہارے جانے کے بعد مجھے دھرم وستو مہاراج نے پوچھا اور نہ ہی تمہارا کوئی ٹھکانہ ملا' ایسی صورت میں میں پورن داس سے اپنا بچاؤ کیسے کر سکتی تھی۔ مجبور تھی میں..... مجھے نردوش سمجھو..... میں دوشی نہیں ہوں..... یقین کرو میں دوشی نہیں ہوں۔"

"میں کچھ دیر سوچتا رہا..... پورن داس تو خیر اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا تھا' میں نے اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ معمولی سی عورت میرے مقابلے میں کچھ نہیں تھی..... مارا جائے تو کسی ایسے کو جو جواب میں کچھ کر سکے' اسے مارنے سے کوئی فائدہ نہیں..... میں نے حقارت سے اسے دیکھا اور اس کے بعد واپس اس جگہ سے باہر نکل آیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس دوران میری شخصیت عجیب و غریب رخ اختیار کر چکی تھی۔ میں کچھ فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ میں کون ہوں.....؟ کیا ہوں؟

یہاں سے ایک دم دل بھر گیا تھا۔ کالی نگر میں آنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ میں چلتا رہا..... بس مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ دنیا ایک مکمل دھوکہ ہے..... سب کچھ بیکار ہے..... بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ میں کسی ایک مقصد کے لئے خود کو زندہ رکھے ہوئے تھا' میرے کچھ دوست تھے' کچھ شناسا تھے' کوئی کام تھا ایسا جو مجھے سرانجام دینا تھا لیکن اب یہ کام میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں سو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ مجھے شام کہہ کر پکارتے تھے۔ ماضی میں میرا نام کیا تھا.....؟ ایک بار ایک ویران اور اجاڑ جگہ بیٹھ کر میں نے یہی سوچا اور میرا دل چاہا کہ میں اپنا سر پھوڑ لوں..... آہ..... ماضی کہاں سو گیا۔ میں تو دھرم وستو سے جنگ کرنے کے لئے نکلا تھا لیکن یہ کیا ہو گیا وہ آواز مجھ سے کیا کہہ رہی تھی' ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی' میں نے سوچا انسانوں سے دوری اختیار کروں۔ کوئی ایسا عمل کروں جو سمجھ میں نہ آئے..... لیکن وہ کیا عمل ہو..... بس ایک عجیب سی خواہش تھی۔ اس وقت میں ایک ویران جگہ زمین پر لیٹا ہوا تھا اور میرا ذہن نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔ کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں اسی طرح لیٹا رہا' مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ میرے چاروں طرف جنگلی

جانوروں پھر رہے ہیں۔ کہیں لکڑ بگھوں کی آواز سنائی دے رہی تھی دور کہیں گیدڑ بھی رو رہے تھے۔

میں خاموشی سے ایک عجیب سی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک ہی مجھے ایک خوشبو کا احساس ہوا..... مجھے یوں لگا جیسے ایک سایہ سا میرے قریب سے گزر گیا ہو اور یہ خوشبو اسی سے اٹھ رہی ہو..... میں نے جلدی سے اپنے اطراف کا جائزہ لیا' مگر میرے سوا وہاں کوئی نہ تھا..... ہر طرف ہو کا عالم تھا..... ہر شئے سے ویرانی ٹپک رہی تھی..... میں نے پھر سیدھا ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ خوشبو کا وہی جھونکا پھر میری ناک سے ٹکرایا اور مجھے یونہی محسوس ہوا کہ جیسے کوئی میرے قریب سے گزر گیا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا' پھر میں نے زور سے آواز دی:

"کون ہے..... جو کوئی بھی ہے میرے سامنے آئے..... میں کہتا ہوں میرے سامنے آؤ۔" لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر میری گردن زور سے دبا دی ہو..... میرا دم گھٹنے لگا..... میں نے ان نادیدہ کلائیوں کو پکڑنے کی کوشش کی جو میری گردن دبا رہی تھیں لیکن میرے ہاتھ کچھ نہیں آیا' یہاں تک کہ میرے حواس گم ہو گئے۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 30

جب میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے چھت سے لٹکتے ہوئے اس فانوس کو دیکھا جو انتہائی خوبصورت اور بہت بڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کون سی جگہ پر ہوں۔ گزرے واقعات یاد کئے کہ میں ایک ویران علاقے میں زمین پر لیٹا ہوا تھا لیکن یہ جگہ کون سی ہے..... پھر ایک اور جانی پہچانی چیز کا احساس ہوا..... یہ چیز وہ خوشبو تھی جسے میں نے وہاں محسوس کیا تھا..... میں نے حیرانی سے اپنے چاروں طرف دیکھا..... میرے بدن کے نیچے ایک بستر تھا۔ یہاں فانوس خالی چیز نہیں تھی بلکہ اطراف میں اتنا شاندار ماحول تھا کہ دیکھ کے حیرت ہوتی تھی۔ ایک طرف بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ فطری جبلت سے مجبور میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آئینہ کی جانب بڑھ گیا' ایک حیران کن بات اور تھی کہ میرے بدن پر سلک کا گون تھا' جس کی ڈوریاں بندھی ہوئیں تھیں..... میرا چہرہ..... آہ..... نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے..... اس دوران جب میں نے جاپ کیا تھا شیو نہیں بنائی تھی اور مجھے احساس تھا کہ میرا چہرہ بری حالت میں ہے لیکن اس وقت میں بالکل صاف و شفاف تھا۔ میرے بال سنوارے ہوئے تھے اور شخصیت ایسی تھی کہ جیسے میں کوئی بہت ہی شاندار انسان ہوں۔ دیر تک میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اپنے آپ کو تکتا رہا پھر میں نے سوچا کہ یہ ہوا کیا ہے..... آخر یہ کیا ہوا ہے..... نہ جانے کیوں میرے ذہن میں دھرم وستو آگیا اور میں نے سوچا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دھرم وستو نے مجھے دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ ابھی میں انہیں سوچوں میں تھا کہ عقب سے چھن چھن کی آواز سنائی دی اور وہ آواز جس کسی کی بھی تھی اتنی دلکش' اتنی حسین تھی کہ انسان اس میں گم ہو کر رہ جائے۔ اس آواز نے مجھے مخاطب کیا:

"شام!"

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا..... کوئی نظر نہیں آ رہا تھا..... آواز پھر آئی:

"شام میری آواز نہیں سن رہے۔"

"کون ہو تم؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے پہچانو..... پورنی ہوں تمہاری..... اپنی پورنی کو نہیں جانتے۔" وہی آواز کمرے میں گونجی:

"کون پورنی..... کیسی پورنی؟ میرے سامنے آؤ۔"

"تم نے جاپ کیا ہے نا شام میرے لئے..... میں داسی بن گئی ہوں تمہاری..... سامنے کیسے آؤں میں، تمہارے بالکل سامنے تو موجود ہوں میں۔ مجھے دیکھنے کی کوشش کرو..... ذرا غور سے دیکھو۔"

مجھے محسوس ہوا جیسے میری نظروں کے سامنے سے چادر سی ہٹ گئی ہو۔ اب میں اپنے سامنے کھڑے اس خوبصورت سے وجود کو بخوبی دیکھ رہا تھا۔ ایک آفاقی چہرہ میرے سامنے تھا، جس کی صحیح تعریف الفاظ میں نہیں کی جاسکتی تھی۔ دراز قامت..... پہاڑی ندی کے چشموں کی طرح پاکیزہ..... خوبصورت رنگ..... کسی سنگ تراش کے تراشے ہوئے پتھر کے مجسمے کی طرح صحت مند جسم..... آنکھوں میں آسمانوں کی نیلاہٹیں گھلی ہوئیں..... ہونٹ گل لالہ کی طرح سرخ لمبے..... ٹخنوں کو چھوتے ہوئے..... حسین بال..... راگنی تو اس کے قدموں کی خاک بھی نہیں تھی۔ اس نے ایک خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ میرے سارے وجود میں ایک مدھم سی نشہ آور کیفیت دوڑ گئی۔ اِدھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی اور مسہری کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔

"تم نے بتایا نہیں تم کون ہو؟" میں نے کرخت لہجے میں کہا اور وہ بے اختیار مسکرا دی۔ میں نے کہا:

"تم بہت حسین ہو لیکن اگر تم پورن داس یا دھرم وستو کی بھیجی ہوئی ہو تو میں ایک بات تمہیں بتائے دے رہا ہوں کہ تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکو گی..... میں دھرم وستو کو ٹھیک کر دوں گا..... بولو کون ہو تم؟"

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں..... یہ شاید تمہارے علم میں نہیں کہ وہ جاپ جو پورن داس نے تمہیں بتایا تھا، اس نے وہ جاپ نہیں کیا ہوا تھا۔ اگر پورن داس اپنے من سے وہ جاپ کر کے مجھے اپنے قبضے میں کر لیتا تو میں تمہاری نہیں اس کی داس ہوتی۔ ہم ان جاپوں کے زیر اثر ہوتے ہیں..... تم مجھے پورنی کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو..... میں تمہاری داسی ہوں..... سنسار کا ہر وہ کام جو تم مجھ سے کہو گے، میں تمہارے لئے کر دوں گی۔" اس کا لہجہ انتہائی نرم اور انداز بے حد حسین تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ مسکرائی اور آہستہ سے بولی:

"تمہاری داسی تمہیں جیون کا ہر سکھ دینے کے لئے تیار ہے..... میں جانتی ہوں کہ تم راگنی سے پریم کرنے لگے تھے لیکن راگنی غلام تھی کسی اور کی..... کچھ نہیں کر سکتی تھی وہ..... میں صرف تمہاری پورنی ہوں..... اس وقت اگر کوئی بڑے سے بڑا دیوتا آکاش سے اتر کر دھرتی پر آ جائے تو تمہارے خلاف مجھے نہیں بھڑکا سکتا..... میں تمہارے لیے ہوں..... صرف تمہارے لیے۔" اس نے مجھے دیکھا اور میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے۔

مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی مقناطیسی کشش مجھے کھینچ کر اس کے قریب لے جا رہی ہو۔ اس نے میرے قریب آنے پر مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا، پھر آہستہ سے بولی:

"میرے اور تمہارے درمیان جیون کے تمام رشتے موجود ہیں۔ تم یہ سمجھو کہ اس وقت سنسار میں مجھ سے اور تم سے زیادہ قریب اور کوئی نہیں ہے..... میں تمہاری ہر خوشی پوری کروں گی..... میرا سارا وجود تمہارا ہے..... تم اگر چاہو تو میرے شریر کے مالک بن سکتے ہو، میں ہر طرح سے تمہیں اپنا پریم دوں گی..... سمجھ رہے ہو نا۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں..... ایک بات بتاؤں تمہیں پورنی، میں تمہیں اس حیثیت سے اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا، جس حیثیت سے ایک مرد ایک عورت کو اپنی قربت میں لاتا ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے اور تمہارے درمیان ایک دیوی اور پجاری کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے اور پجاری اپنی دیوی کی صرف پوجا کرتا ہے، اسے اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بنا سکتا۔" وہ حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا:

"یہ بات میرے لئے اور زیادہ حیرت ناک ہے، یقین کرو تمہارے ان الفاظ نے میرے

من میں تمہارے لئے ایک عجیب سا پریم پیدا کر دیا ہے۔ تم مجھے بڑے عجیب لگ رہے ہو اور سنسار واسی ہر عجیب شئے میں دلچسپی لیتے ہیں..... چلو ٹھیک ہے اب میرے اور تمہارے درمیان یہ رشتہ قائم ہو گیا' اگر تم میرا شریر نہیں حاصل کرنا چاہتے تو نہ کرو..... یہ تو صرف تمہاری داسی ہونے کی حیثیت سے میں نے خود تمہیں پیشکش کی تھی..... جیسے من چاہو جیون بتاؤ..... میں ہر طرح سے خوش ہوں..... چلو بیٹھو باتیں تو کرو میرے ساتھ..... میں تمہیں سنسار کی ہر بات بتاؤں گی اور تمہیں تمہاری منزل حاصل کرنے کے لئے راستہ دوں گی۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ایک عجیب سا احساس میرے دل میں مچل رہا تھا..... کیا واقعی یہ حسین لڑکی میری غلام ہے اور میں اس سے دل کی ہر بات کر سکتا ہوں۔ میں سوچ رہا تھا اور وہ مجھے میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا:

"ہاں ایسا ہی ہے..... میں تمہارے من کی ہر بات سمجھ رہی ہوں..... دیکھو شام تم نے اپنی محنت سے مجھے اپنے قبضے میں کیا ہے' اب میں تمہاری ہوں..... میرا شریر تمہارا ہے..... میرا من تمہارا ہے..... ہر چیز تمہاری ہے شام۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں کسی بھی طرح تم سے دور نہیں جا سکتی' چاہے میں کتنی بھی کوشش کیوں نہ کروں کیونکہ اب تم نے جاپ کر کے مجھے حاصل کیا ہے۔ تم ویرانوں میں جیون بتانے جا رہے تھے..... نہیں شام نہیں..... سنسار تو بہت خوبصورت جگہ ہے' اس سنسار میں اپنے من کی شانتی تلاش کرو۔ جیون چند دن کے لئے ہی تو ملتا ہے۔ اس جیون میں رکھا ہی کیا ہے' سوائے اس کے کہ اگر موقع ملے تو من شانت کر لو۔ باقی تو سب ایسے ہی ہے۔ تمہاری شکتی تمہارے کام آئے گی' جو بات منہ سے نکالو گے' وہ پوری ہو گی..... اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تمہیں؟"

"جو بات میں منہ سے نکالوں گا وہ پوری ہو گی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تو اور کیا پورن داس نے تمہیں جو جاپ بتایا تھا' اس کا مقصد تو کچھ اور تھا لیکن پاپی اپنی ہی برائی کا شکار ہو گیا۔ دیکھو جیون کے دو رخ ہوتے ہیں جس طرح صبح شام..... دھوپ چھاؤں..... چاند سورج..... کالا سفید..... ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب انسان کو سکون دیتا ہے' جو ان راستوں کے بیچ بھٹکتے رہتے ہیں وہ بے سکون ہوتے ہیں۔ تم بھی

سکون اسی طرح پا سکو گے کہ کوئی ایک راستہ منتخب کر لو' ایسا کرو۔ اب اس سنسار میں نکلو ایک نئے انسان کی حیثیت سے سنسار باسیوں سے ملو اور ان کے من میں اپنا سکہ بٹھاؤ..... کیا سمجھے؟"

"ہاں بات تو اچھی ہے' غور کیا جا سکتا ہے..... سوچا جا سکتا ہے..... اچھا اب ایسا کرو کہ مجھے دھرم وستو کے پاس لے چلو میں اس سے جنگ کر کے سب سے پہلے اس کا وجود مٹا دوں گا۔"

"میں تمہیں ضرور وہاں لے جاؤں گی مگر ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔"

"میری خواہش ہے کہ تم دھرم وستو کو اپنے من سے نکال دو..... دھرم وستو سے جھگڑا کر کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ بس ایسا کرو من سے یہ ساری چیزیں نکال کر جیون کا لطف حاصل کرو' کیا فائدہ ان ساری باتوں سے' چلو میں تمہیں ایسی جگہ لیے چلتی ہوں جہاں تمہیں اچھا لگے گا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولی:

"آنکھیں بند کرو۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں' اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور میں اس کے نرم انداز سے بہت ہی متاثر ہو رہا تھا۔ پھر وہ بولی:

"اب آنکھیں کھولو۔"

میں نے آنکھیں کھولیں تو جگہ تبدیل ہو چکی تھی۔ ایک خوبصورت مکان میرے سامنے تھا' اس کا بڑا سا گیٹ کھلا ہوا تھا اور میں اس وقت ایک شاندار قیمتی کار میں موجود تھا۔ آگے ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا اور کار آہستہ سے اس گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ منظر کے اس طرح تبدیل ہو جانے سے میں ششدر رہ گیا تھا اور بڑی حیرانی سی قرب و جوار کا ماحول دیکھ رہا تھا۔ کار اس بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوئی' چوکیدار نے مجھے سیلوٹ کیا تھا۔ وہ شاید کوئی ریٹائرڈ فوجی تھا۔ کار پورچ میں رک گئی' ڈرائیور جلدی سے نیچے اترا اور دروازہ کھول دیا وہ اس طرح مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا' جیسے چاہتا ہو کہ میں نیچے اتر آؤں۔ میں بادل ناخواستہ نیچے اترا تو ایک انتہائی اچھی شکل و صورت کا مالک شخص

میرے قریب آگیا اور گردن خم کر کے بولا:

"نمستے شام جی مہاراج!"

میں نے اس کے نمستے کا بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ یہ میری فطرت کے خلاف تھا۔ سارے کا سارا کھیل دوسرا ہو گیا تھا لیکن وہ سب کچھ اب بھی میرے وجود میں بسا ہوا تھا جس میں شاید میری اصلیت پوشیدہ تھی۔ میں اس شخص کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مکان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وسیع و عریض کمرے..... روشن راہداریاں..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی رئیس کا محل ہو..... وہ شخص مجھے لئے ہوئے ایک کمرے تک پہنچ گیا اور اس نے کہا:

"شام کمار جی آپ اس گھر کو دیکھ لیجئے' یہاں جو کچھ بھی کمی ہو گی اس کو پورا کر دیا جائے گا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اسے آپ کے شایان شان بنایا جا سکے۔" میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی جو بیڈروم مجھے دیا گیا تھا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جب میں بیڈروم کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو مسہری کے گوشے پر میں نے پورنی کو بیٹھے ہوئے دیکھا' وہ بہت ہی خوبصورت لباس زیب تن کیے بیٹھی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ میں اس کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ہونے کی حیثیت سے میرے قدموں میں لرزش پیدا ہو جانے کے امکان بہت زیادہ تھے لیکن خود کو سنبھالنا ہی تو انسانیت ہوتی ہے۔ میں آگے بڑھا تو وہ محبت بھرے لہجے میں بولی:

"یہ سب تمہارے داس ہیں..... یہ تمہیں شام کمار کہیں گے' کیونکہ انہیں یہی بتایا گیا ہے..... گیارہ ملازم ہیں اس گھر میں..... چار عورتیں اور سات مرد..... سب تمہارے احکامات کی پابندی کریں گے' یہ تمہاری طرح انسان ہیں شام اور سنو جیون کا مزا جس طرح چاہے لے لو تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ جو تمہاری پیشانی نظر آ رہی ہے' یہ انسان کے جیون کا اصل رخ ہوتا ہے۔ اپنی سادہ پیشانی پر جتنے چاہو ستارے سجا لو یہ تمہارے اپنے ہاتھ کی بات ہوتی ہے انسان کے من کو شانتی ملتی ہے لیکن اس شانتی کو حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اپنے من کو اندر سے ٹٹولو' من تمہیں سچی بات بتائے گا اور وہ سچی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوتی..... مجھ سے کہو میں رکوں یا جاؤں یہاں سے؟"

"پورنی تم تو بہت مہربان ہو میرے اوپر؟"

"نہیں یہ سب تمہارا حق ہے..... میں نے کچھ نہیں کیا..... یہ سمجھ لو ان دیوتاؤں نے کیا ہے تمہارے لئے جنہیں تم نے جاپ کر کے آواز دی ہے اور جنہوں نے مجھے پورنی دی تھی۔"

"ٹھیک ہے..... اب یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"جیون میں جو خیال من میں آئے اسے پورا کر ڈالو۔"

"ٹھیک ہے اب میں اپنے خیال کو آواز دوں گا اور میرے خیال نے جو کچھ بھی مجھ سے کہا میں وہی کروں گا۔" اور پورنی ہنس پڑی' پھر کھڑے ہوتے ہوئے بولی:

"میں جاؤں؟"

"ہاں میں تمہیں سچ سچ بتاؤں..... تمہیں دیکھ کر میرے دل میں ایک مرض جاگ اٹھتا ہے..... بے اختیار میرے دل میں آرزو پیدا ہوتی ہے کہ میں تمہیں حاصل کروں لیکن نہ جانے کیوں میرا دل اندر سے یہ نہیں چاہتا کہ خوبصورت پھولوں کو ڈالیوں سے توڑ کر مسل دوں..... پھول تو ڈالیوں پر ہی خوبصورت لگتے ہیں..... جاؤ پورنی میں اپنے اس مؤقف سے ہٹ نہیں سکتا۔"

اس کی پیشانی پر ایک بھی شکن نمودار نہیں ہوئی بلکہ وہ اس طرح مسکراتی رہی جیسے میرے اس عمل کو اس نے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہو..... جیسے وہ میری اس بات کو دل سے پسند کرتی ہو۔ اس کے جانے کے بعد میں مسہری پر بیٹھ گیا۔ یہ سب کچھ جو میری نگاہوں کے سامنے تھا واقعی میرے لئے اس کائنات کی سب سے حیرت ناک چیز تھی۔ کیا میں ان سب چیزوں کے قابل ہوں۔ میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا' دیر تک لیٹا رہا اور پھر سو گیا..... دوسری صبح جاگا..... ایک ملازمہ میرے پاؤں کے نزدیک بیٹھی میرے پاؤں سہلا رہی تھی۔ نوجوان لڑکی تھی..... نرم و گداز بدن کی مالک..... چہرے کے نقوش بھی اچھے تھے..... میں نے جلدی سے پاؤں سیکڑ لیے تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کون ہو تم؟"

"داسی ہوں آپ کی مہاراج' آپ کو جگا رہی تھی۔"

"اس طرح پاؤں سہلا کر؟"

"ہیرا لال جی نے مجھے یہی بتایا تھا۔"

"کون ہیرا لال؟"

"اس عمارت کے مینیجر۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... کل سے ایسا نہ کرنا..... مجھے آواز دے دیا کرنا۔"

"جو حکم مہاراج۔" لڑکی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی' اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات تھے۔

میں نے ہنستے ہوئے سوچا کہ دل تو ہر ایک کے سینے میں ہوتا ہے..... اب یہ معصوم سی لڑکی یہاں ملازمت کرتی ہے..... اگر میں اس کے وجود کو پامال کر دوں تو بخوشی اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی لیکن خود اس کا اپنا مستقبل کیا رہ جائے گا..... یہ سوچنے کی بات ہے..... ایسی کچی کلیوں کو مسلنا اچھی بات نہیں ہے جو کبھی پھول نہ بن سکے۔ نہا دھو کر باہر نکلا تو ایک اور ملازمہ موجود تھی۔ غالباً جن چار ملازموں کا تذکرہ مجھ سے کیا گیا تھا' یہ ان میں سے دوسری تھی۔ اس نے گردن جھکا کر کہا:

"ناشتہ لگا دیا گیا ہے شام کمار جی آیئے۔"

میں اس کے ساتھ ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔

مجھ اکیلے کے لئے ناشتے کی میز جس طرح بھری ہوئی تھی اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا:

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"کومل۔"

"کومل یہ ناشتہ میرے لئے ہے؟"

"تو اور کیا مہاراج۔"

"اسے تو دس آدمی کھا سکتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن آپ جیسی شخصیت کے مالک ہیں مہاراج' ان کے سامنے اس سے کم ناشتہ بھلا کیا لگایا جائے۔"

"اب جو بچے گا' اس کا کیا کرو گے۔"

"مہاراج وہی جو ہوتا ہے..... بڑے آدمیوں کے دستر خوان سے جو بچتا ہے نوکر ہی کھاتے ہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

پھر کومل میری مدد کرتی رہی..... میں نے ناشتے میں اسے شریک نہیں کیا تھا..... بہرحال کچھ آداب ہوتے ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ مینیجر ہیرا لال آگیا۔ اس نے ادب سے گردن خم کر کے پوچھا:

"شام جی کوئی حکم ہے ہمارے لئے؟"

"ہاں بیٹھ جاؤ..... ہیرا لال تم نے ناشتہ کر لیا۔"

"نہیں شام جی مہاراج۔" ہیرا لال نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں اپنے کمرے میں چلتا ہوں' ناشتہ کر کے میرے کمرے میں آجانا۔"

"جو حکم!"

ناشتے کے بعد ہیرا لال میرے کمرے میں آیا تو میں نے اس سے اپنے معاملات کے بارے میں پوچھا:

"شام کمار جی آپ کے لیے سنسار کی ہر چیز یہاں موجود ہے' لاکھوں روپے کا بینک بیلنس..... یہ رہائش گاہ..... تین کاریں..... گیارہ ملازم..... بس آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو آپ مجھے بتا دیا کریں..... یہاں سب کچھ موجود ہے۔"

"میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"صرف اتنا کہ آپ ہمارے مالک ہیں..... ہمیں کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ ہم آپ کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ کریں اور آپ کا کوئی بھی حکم جو آپ کے منہ سے نکلے اور ہم پورا کر سکیں وہ پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"اور یہ ہدایت تمہیں کس نے دی ہے؟"

"ٹیلی فون پر ہمیں بتایا گیا ہے..... ٹیلی فون پر ہی ہماری ملازمت پکی کی گئی ہے اور سال بھر کی تنخواہ ایڈوانس دے دی گئی ہے ہم سب لوگوں کو..... شام کمار جی جب دینے والے ایسے دھرماتما ہوں تو پھر منش گردن جھکا کر کام کیوں نہ کرے۔"

میں نے گہری سانس لی اور دل میں سوچنے لگا کہ سارے کام پکے ہیں۔

میں نے اپنی اس حویلی کا جائزہ لیا اوپر کی منزل سے آخری حصے کو دیکھا تو پیچھے ایک

چھوٹی سی نہر گنگناتی ہوئی گزرتی تھی۔ ایسی صاف شفاف نہر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔
میں نے ہیرا لال سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا:

"اصل میں یہ نہر کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے نہیں ہے' یہ اس شہر کے گرد ہالہ بناتی ہوئی گزرتی ہے اور اس نہر کو بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا ہے۔ اس کے کنارے سبزہ زار پر لوگ چہل قدمی کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ علاقہ بہت ہی دولت مند لوگوں کے لئے ہے۔ آپ یہاں سے دیکھئے یہ کوٹھیاں دائیں اور بائیں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ رئیس ترین لوگوں کی کوٹھیاں ہیں۔ عام طور پر لوگ یہاں کم رہتے ہیں' بس ہفتے کے اختتام پر سیرو سیاحت کے لئے یہاں آ جاتے ہیں۔"

"واقعی بہت خوبصورت جگہ ہے۔" میں نے اس عقبی حصے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا:

"آپ اگر چاہیں تو شام کو سورج چھپنے کے بعد یہاں چہل قدمی کے لئے آ جایا کریں' عام دنوں میں یہاں کوئی نہیں ہوتا' بس چھٹی کے دنوں میں رش ہوتا ہے۔ یہاں بے حد سکون ملتا ہے۔ نہر کے ساتھ چھو کے چلنے والی ٹھنڈی ہوائیں جب بدن کو چھوتی ہیں تو سارے بدن میں گدگدی ہونے لگتی ہے۔"

"تم تو شاعری کرنے لگے ہو ہیرا لال جی۔"

"نہیں شام کمار جی' یہ الفاظ ہیں جو اس جگہ کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔"

سورج ڈھلے میں اسے کچھ بتائے بغیر اس کوٹھی کے عقبی حصے میں آ گیا اور نہر کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کرنے لگا۔ واقعی ہیرا لال نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ یہاں کا ماحول بے حد خوشگوار اور پر سکون تھا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نہر کے کنارے بچھی ہوئی گھاس پر ننگے پاؤں چہل قدمی کر رہا تھا۔ ذہن میں سوچیں آ رہی تھیں..... سوچوں سے چھٹکارا پانا ہی بہادری کی علامت ہوتی ہے..... میں ان سوچوں سے ہی نجات پانا چاہتا تھا۔ سوچیں جو بے کل اور بے چین کر دیتی ہیں...... سوچیں جن میں زندگی کا کرب چھپا ہوتا ہے۔ پھر میرے دماغ کے سوتے اس طرح بند ہو گئے تھے کہ ماضی یاد ہی نہیں آتا تھا۔ بس ایک چیز دل میں پھڑپھڑاتی رہتی تھی۔ آرزو ہوتی تھی کہ مجھے وہ سب کچھ یاد آ جائے جو میں بھول گیا ہوں۔ جس کی خواہش میں نہ جانے کب سے تڑپ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ذہن کا کوئی ایسا خلیہ بند ہو گیا ہو' جس میں ماضی کے ایک حصے کی

داستان پوشیدہ ہو' ایک عجیب سی کیفیت تھی اس وقت۔ انہیں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دور سے میں نے ایک سائے کو دیکھا' نہر کے کنارے کنارے چلا آ رہا تھا..... کسی کوٹھی سے کوئی شخص نکل آیا ہو گا..... میں نے دل میں سوچا اور اسے دیکھتا رہا..... مجھے یوں لگا جیسے کوئی بے چینی کے عالم میں کچھ سوچ رہا ہو اور سوچتا ہوا نہر کے کنارے کنارے چل رہا ہو۔ پھر اچانک ہی میں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے بے اختیار کر دیا۔ نہر کے کنارے کنارے چلنے والا اچانک ہی نہر میں کود گیا تھا' اس وقت اگر کوئی نہر میں کود کر نہانے کی کوشش کر رہا ہے تو اس سے زیادہ بیوقوفی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ نہر کے بہنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ وقت بھی ایسا تھا کہ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے بہتے ہوئے انسانی جسم کو اس طرح پانی کے ساتھ بہتے ہوئے دیکھا' جیسے وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ آہستہ آہستہ وہ میری ہی جانب آ رہا تھا۔ میں سخت ہیجان کا شکار ہو گیا اور پھر بے اختیار ہو کر پانی میں کود پڑا۔ میں نے اس انسانی جسم کو پکڑا تو وہ مجھ سے لپٹ گیا..... ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا کہ وہ کوئی نسوانی جسم ہے..... میں لرز گیا تھا..... لیکن اس وقت ہر احساس سے زیادہ یہ احساس میرے وجود میں حاوی ہو گیا کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے اور مجھے اس کی جان بچانی ہے۔ دوسرے لمحے میں نہر کے باہر تھا۔ کس نے مجھے اٹھا کر یہاں تک پہنچایا' یہ بات میں نہیں جانتا تھا' میرے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ سایہ جو اب ایک حسین نوجوان عورت کی شکل میں میرے شانے پر موجود تھا' اس کے جسم سے بھی پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اسے لے کر اپنی رہائش گاہ کے دروازے سے اندر داخل ہو جاؤں۔ کوئی ملازم بھی اس طرف موجود نہیں تھا جس سے مدد مانگ لیتا۔ لیکن بڑی انوکھی اور دلچسپ بات ہوئی..... میں نے اتنا سوچا ہی تھا کہ میں اپنے کمرے میں تھا۔ بہرحال مجھے جو قوتیں حاصل ہوئی تھیں' میں نے ابھی تک ان کے استعمال کا صحیح طریقہ ہی نہیں سیکھا تھا۔ حالانکہ پورنی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جو کچھ سوچوں گا وہ ہو جائے گا لیکن مجھے سچی بات یہ ہے کہ اس پر یقین نہیں تھا کہ انسان جو بھی سوچ لے وہ ہو جائے۔ اس طرح تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

میں نے اس انسانی جسم کو پلنگ پر لٹا دیا اور ایک لمحے کے لئے میری آنکھیں بند سی ہو

گئیں..... اتنا سڈول..... اتنا مکمل جسم تھا کہ دیکھ کر ذہن میں شیطان ناچ اٹھے۔ لباس پانی میں بھیگا ہوا تھا اور اس کا رنگ بھی ایسا تھا کہ جسم چھپنے کی بجائے اور نمایاں ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ نوجوان لڑکی بے ہوش ہو گئی تھی' اس کا جسم بھرپور تھا لیکن چہرے پر غم کے تاثرات اب بھی نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ لرز رہے تھے۔ میں نے جھک کر اس کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی:

"مار ڈالے گا وہ مجھے..... زندہ نہیں چھوڑے گا..... میں جانتی ہوں وہ مجھے مار ڈالے گا۔" رحم کا جذبہ ہر جذبے پر حاوی آ گیا۔ میں نے دوسرے پلنگ سے ایک موٹی چادر اٹھائی اور اس کے جسم پر ڈال دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی ملازمہ کو بلا کر میں اس کا لباس تبدیل کرانے کی کوشش کروں کہ اسے ہوش آ گیا۔ وہ کچھ لمحے تک دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی..... اسے اپنے وجود کا احساس ہوا اور اس نے جلدی سے اپنے بدن کو ڈھکنے کی کوشش کی..... موٹی چادر کو محسوس کر کے اس نے جلدی سے اس چادر کو اپنے گرد لپیٹ لیا اور خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی..... میں اس کی حرکات سے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا..... تب میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی کہ اس کی آواز ابھری:

"نہیں بھائی نہیں..... کچھ مت کرنا میرے ساتھ..... کوئی برا سلوک مت کرنا..... تمہیں اللہ کا واسطہ بھائی..... میرے ساتھ کوئی برا سلوک مت کرنا میں بہت مظلوم ہوں..... میں تو خود وقت کی ستائی ہوئی ہوں..... زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلی تھی..... تم نے شاید مجھے بچا لیا ہے..... تمہیں اللہ کا واسطہ دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" ایک قدم آگے بڑھا تو وہ سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے لگی۔ میں نے کہا:

"سنو کیا کہا ہے تم نے مجھے..... بھائی کہا ہے نا۔"

"ہاں بھائی اللہ تیری بہن کی عزت و آبرو قائم رکھے..... اللہ تیری بہن کو کبھی ایسی مشکل کا شکار نہ ہونے دے جیسی مشکل کا شکار میں ہوں بھائی..... بھائی کہا ہے میں نے تجھے..... بھائی تو بہنوں کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں۔"

"تم نہر میں کودی تھیں جان دینے کے لئے' میں تمہیں وہاں سے نکال کر یہاں تک لایا

ہوں۔ اپنے بدن پر جو چادر دیکھ رہی ہو' میں نے یہ چادر تمہیں اڑھائی ہے۔ تم نے میرے لئے صحیح الفاظ استعمال کیے' بھائی بہنوں کے جسموں کو نہیں دیکھتے بلکہ ان کے بدن چادروں سے ڈھک دیا کرتے ہیں۔ تم یہاں رکو میں تمہارے لئے لباس کا بندوبست کرتا ہوں۔ جانے کی کوشش مت کرنا' بھائی کہا ہے تو بھائی کی بات بھی ماننا۔ ابھی آتا ہوں میں۔ یہ کہہ کر میں باہر نکل آیا۔

ملازمائیں اپنے اپنے کمروں میں تھیں اور سرونٹ کوارٹر سامنے ہی بنے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ملازمہ کے کمرے کے پاس جا کر دستک دی تو ملازمہ نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر بولی:

"جی سرکار ہمیں بلایا ہوتا' آپ یہاں کیوں آئے؟"

"سنو مجھے اپنا کوئی لباس دو..... ذرا اچھا سا لباس..... بلکہ یہ لے کر میرے ساتھ آ جاؤ۔"

"جی۔" ملازمہ حیرت سے بولی۔ پھر وہ ایک لباس نکال کر میرے پیچھے پیچھے چل پڑی اور میں اسے ساتھ لیے ہوئے اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ وہ لڑکی بدستور چادر اوڑھے ہوئے زمین پر بیٹھی تھی اور خوفزدہ نظر آ رہی تھی پھر اس نے میری قیمتی مسہری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"تمہارا قیمتی بستر خراب ہو گیا ہے' معافی چاہتی ہوں میں تم سے..... بھائی معافی چاہتی ہوں۔"

میں نے ملازمہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کا جسم خشک کرو اور یہ لباس پہننے کے لئے دو' میں اس وقت تک باہر موجود ہوں۔ یہ کہہ کر میں کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔

میں کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا اور اس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے دل میں ذرہ برابر اس کے لئے کوئی برائی نہیں ابھر رہی تھی۔ حالانکہ جس وقت وہ بھیگی ہوئی بستر پر لیٹی تھی تو اس کا وجود اس قدر ہیجان انگیز نظر آ رہا تھا کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا' ذہنی کرب کا شکار ہو جاتا اور نہ جانے کیا قدم اٹھا بیٹھتا لیکن بہرحال میں نے انسان بن کر سوچا تھا اور انسانیت کا ہی عمل کیا تھا۔ اس سے جتنا فائدہ مجھے پہنچا تھا' مجھے اس کا اندازہ

تھا۔ میں ان سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی۔ ملازمہ باہر نکل آئی اور بولی:

"انہوں نے کپڑے پہن لئے ہیں۔"

"تم جلدی سے گرم چائے اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آ جاؤ..... معاف کرنا ناوقت تکلیف دے رہا ہوں۔"

"نہیں سرکار ہم تو آپ کے حکم پر جان دینے کو تیار ہیں' یہ تو معمولی سا کام ہے۔" ملازمہ نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے پہلے دروازے پر دستک دی اور پھر کہا:

"بہن میں اندر آ سکتا ہوں۔"

"آیئے بھائی۔" وہ بولی۔

میں اندر داخل ہوا' وہ ملازمہ کا لباس پہنے قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"آپ نیچے کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟"

"یہ سب کچھ بہت قیمتی ہے۔ بستر پہلے ہی میرے گندے کپڑوں سے خراب ہو چکا ہے۔"

"اچھا دیکھئے مجھے ایسی بات کہنے پر مجبور نہ کیجئے جن پر خود مجھے شرمندگی ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے مجھے بھائی کہا ہے۔ ایک بہن کا بھائی کے گھر پر پورا پورا حق ہوتا ہے یہ تو بہت معمولی سی چیزیں ہیں' اس گھر پر اب آپ کا پورا پورا حق ہو گیا ہے' جس چیز کو چاہیں مجھ سے مانگے بغیر لے لیں۔ بیٹھئے برائے کرم صوفے پر بیٹھ جایئے۔" اس نے احسان مندی کی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولی:

"دنیا میں یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے..... آپ یقین کریں بھائی دنیا نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے..... میں آپ کو کیا بتاؤں انسانیت اور شرافت سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔"

"اس کی کوئی وجہ بھی ہو گی۔" میں نے کہا اور اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں وجہ کے بغیر بھلا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں؟"

"بھائی میرا گھر مجھ سے چھن گیا..... ہے میری چھت مجھ سے چھن گئی ہے۔"

"کسی دشمن نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔"

"آہ...... کسے دشمن کہوں' کسے دوست..... اگر کوئی دشمن ہی ہوتا تو مجھے ملال نہ ہوتا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس نے میرے ماں باپ سے مجھے مانگا اور مجھے حاصل کرنے کے بعد بدل گیا...... شوہر ہے وہ میرا' جان کا دشمن ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے میرے کردار پر شبہ ہو گیا ہے بھائی۔ میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو' ہندو ہو یا مسلمان' جو کوئی بھی ہو خدا یا بھگوان کو ضرور مانتے ہو گے۔ میں اپنے خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میرا کردار بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے زندگی بھر اپنے شوہر سے وفا کی ہے۔ لیکن..... لیکن.....

"تو پھر وہ تمہارے کردار پر شک کیوں کرتا ہے؟"

"ایک شیطان نے اسے بہکا دیا ہے وہ شیطان اس کا سگا بھائی ہے۔ اس نے اپنے بھائی کے کہنے میں آ کر مجھے گناہگار تصور کر لیا ہے۔ بھائی میں گناہگار نہیں ہوں بلکہ اس بے غیرت انسان نے اپنی ہوس کاری میں ناکام ہو کر اپنے بھائی کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ سجاد اپنے بھائی کی بات بہت مانتا ہے وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس کا بھائی بدکار ہے۔ جواد اس کے بڑے بھائی کا نام ہے اور وہ مجھ پر بری نگاہیں ڈالتا تھا اور مجھے گناہوں کی طرف راغب کرتا تھا..... آخر کار میں نے ایک دن اس کی بے عزتی کر دی تو مجھ سے بدلہ لینے کے لئے اس نے سجاد کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ ایسا جادو کیا اس پر کہ وہ میرا دشمن ہو گیا ہے۔ ایک ہفتے سے اس نے مجھے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ میں تمہیں اپنے جسم کے زخم نہیں دکھا سکتی..... اتنا مارا ہے اس نے مجھے کہ بھائی تم سوچ نہیں سکتے' بھوکا پیاسا رکھا ہے مجھے..... آج اتفاق سے مجھے موقع مل گیا اور میں نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اسی لئے تم نہر میں کودی تھیں؟"

"تو اور کیا کرتی۔"

"اس دنیا میں تمہارا اور کوئی نہیں ہے؟"

"ماں ہے صرف میری avr وہ بھی معذور ہے..... کوئی سہارا نہیں ہے میرا..... میں نے

پانی کی آغوش میں سہارا لینے کی کوشش کی تھی حالانکہ میں جانتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے لیکن اب میرے اندر وہ ظلم برداشت کرنے کی قوت نہیں رہی تھی...... مجبور ہو گئی تھی میں...... اس کے ہاتھوں مرنا ہی ہے تو میں نے سوچا ایسے کیوں نہ مرجاؤں وہ تو مجھے تڑپا تڑپا کر مارے گا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے...... اب تمہیں ایک بھائی مل گیا ہے...... میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔ فکر نہ کروں میں تمہیں واپس اس کے گھر پہنچاؤں گا۔"

"نہیں خدا کے لئے نہیں..... وہ بہت ظالم ہے وہ مجھے قتل کر دے گا اور اب تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ میں ایک بدکردار عورت ہوں۔"

"فکر مت کرو میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔ تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے' آرام سے یہاں بیٹھو میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔" تھوڑی دیر کے بعد ملازمہ چائے وغیرہ لے کر آگئی وہ تکلف کرنے لگی تو میں نے کہا:

"تم نے اپنے منہ سے مجھے بھائی کہہ کر غلطی کی ہے' اب اس غلطی کی سزا بھگتو۔ بہنوں کی طرح ہی بھائی کے گھر کھاؤ پیو' ورنہ اپنے الفاظ واپس لے لو' کیا سمجھی۔" اس نے گردن جھکا لی تھی' پھر میں نے کہا:

"میں یہاں ساری زندگی تمہیں رکھ سکتا ہوں بہن' کیا نام ہے تمہارا؟"

"شکیلہ؟"

"ہاں میں تمہیں ساری زندگی یہاں رکھ سکتا ہوں شکیلہ' لیکن اگر زیادہ وقت گزرا تو تمہارے شوہر کا ذہن خراب ہوگا۔ میرا خیال ہے تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں ابھی لے کر چلوں گا۔"

"بھائی وہ تمہاری بھی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔"

"مجھے اپنے دشمنوں سے جان بچانا اچھی طرح آتا ہے۔" میں نے کہا اور اس کا پتہ معلوم کرنے لگا۔

اس دوران یہاں رہتے ہوئے میں نے اپنے ڈرائیور سے ڈرائیونگ بھی سیکھ لی تھی اور اب میں پورے اعتماد کے ساتھ گاڑی بھی چلا سکتا تھا۔ عورت کو میں نے بڑی مشکل سے تیار کرایا اور گاڑی میں بیٹھا کر چل پڑا۔ اصل میں میں نہیں چاہتا تھا کہ شکیلہ کسی

مشکل کا شکار ہو لیکن وہ راستے میں بھی مجھ سے التجا کرتی چلی آئی تھی۔

"بھائی میں نے تو اپنی زندگی کھونے کی کوشش کی تھی تم نے مجھے ناکام بنا دیا لیکن اب تم جو خطرہ مول لینے جا رہے ہو وہ بہت زیادہ ہے..... سجاد دیوانہ آدمی ہے..... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے...... تم نے میرے اوپر جو احسان کیا ہے' اس کے بعد میں تمہیں کوئی نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"فکر مت کرو' میں تمہیں اپنی بہن کہہ چکا ہوں۔ بھائی بہنوں کے لئے ہر طرح کی تکلیف اٹھانا جانتے ہیں۔" وہ خاموش ہو گئی لیکن پھر اس کا ذہنی بحران اسے زبان کھولنے پر مجبور کرنے لگا اور راستے بھر وہ مجھے اپنے بارے میں اور اپنے شوہر کے مظالم کے بارے میں بہت ساری باتیں بتاتی رہی۔ اسے مکمل اعتماد ہو گیا تھا مجھ پر اور وہ مجھے اپنا بھائی سمجھ کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔ میں اس کے بارے میں اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ نہایت نیک' شریف اور اعلیٰ کردار کی مالک عورت تھی۔ بہرحال میں نے اس بے کس و مجبور عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر ہم اس کے گھر پہنچ گئے۔ کار تھوڑے فاصلے پر کھڑی کر کے میں جب اس کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دونوں آوازیں مردانہ تھیں۔ ہم نے کان لگا کر سنا:

"تم نے تو کبھی میری بات پر یقین نہیں کیا سجاد بھائی۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ تم ایک ہوس پرست عورت کو گھر لے آئے ہو وہ کسی طور تمہارے قابل نہیں ہے۔"

"میں کہتا ہوں وہ چلی کہاں گئی؟ بس مجھے اس کا پتہ چل جائے۔"

"میں نے تو آپ سے کہا تھا بھائی صاحب وہ تھی ہی آوارہ۔"

"ہو سکتا ہے وہ اپنے گھر چلی گئی ہو۔"

"کیا کرے گی وہ اپنے گھر جا کر اور اگر چلی بھی گی تو وہ معذور بڑھیا کہاں سے کھلائے گی پلائے گی وہ تو خود فقیر لوگ ہیں۔"

"تم نے اگر پہلے مجھے تفصیل بتا دی ہوتی جواد تو میں اسے زندہ ہی دفن کر دیتا۔" دوسری آواز آئی جو یقیناً سجاد کی تھی۔

"میں تو بس ایک بات سوچتا ہوں بھائی جان۔"

"کیا؟"

"لوگوں کو جب خالات کا پتہ چلے گا تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔"

"میں خودکشی کرلوں گا۔"

"نہیں آپ کیوں خودکشی کریں، ہم اسے ہی کیوں نہ ختم کردیں۔"

"مگر وہ ملے تو سہی کہیں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کے گھر جا کر پتہ کروں، اس کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتی وہ...... ماں کے علاوہ اس کا ہے ہی کون؟"

"اس وقت تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"تو پھر؟"

"صبح کچھ کریں گے۔"

میں نے دروازے پر دستک دی، دروازہ کھلا ہوا تھا، چنانچہ میں اندر داخل ہوگیا اور وہ دونوں چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ دونوں حیران رہ گئے تھے لیکن پھر سجاد کی آنکھوں میں خون کے آثار نظر آئے اور دونوں بھائی مجھے گھورنے لگے۔ سجاد نے غرائی ہوئی آواز میں کہا:

"کون ہو تم اور تمہیں میرے مکان میں بلااجازت داخل ہونے کی ہمت کیسے ہوئی؟"

"مجھے شام کہتے ہیں۔ ادھر سے گزر رہا تھا کہ تم لوگوں کی تیز تیز آوازیں سنائی دیں اور میں اندر چلا آیا۔"

"کسی پاگل خانے سے بھاگے ہوئے ہو کیا، کسی کے گھر میں اگر کچھ آوازیں آ رہی ہوں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان اندر چلا آئے۔"

"ارے بھائی جان کیا بات کر رہے ہیں آپ..... پکڑیں سالے کو کوئی چور لگتا ہے۔ اب جب اس نے ہمیں دیکھا تو یہ ڈرامہ کرنے لگا۔ پکڑیں اسے پولیس کے حوالے کرتے ہیں۔" چھوٹے بھائی جواد نے کہا۔

"ٹھہرو...... زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ حشر کروں گا کہ دنیا دیکھے گی..... میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا ہو، اصل میں بات یہ ہے کہ میں تمہاری اصل شکل تمہیں دکھانا چاہتا ہوں، بلکہ تمہیں نہیں تمہارے بھائی کو...... چلو یہ سجاد تم بتاؤ کیا تم اس وقت اپنی بیوی کے بارے میں باتیں نہیں کر رہے تھے؟"

"اوہ....." سجاد کا منہ خیرت سے کھل گیا۔

"ارے بھائی یہ چالاک چور ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چوری کی نیت سے ہمارے گھر میں داخل ہوا تھا اور جب دیکھا کہ ہم دو موجود ہیں اور جاگ رہے ہیں تو اس نے ڈرامہ کرنا شروع کر دیا۔"

دفعتاً میری نظر جواد پر پڑی اور میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ میرے علم کی طاقت نے مجھے بتایا تھا کہ جواد مسلمان ہونے کے باوجود کچھ کالے منتر ہاتھ میں رکھتا ہے اس کا پتہ بھی چل گیا کہ یہ کالے منتر اس کے ہاتھ میں کہاں سے آئے ہیں۔ اس نے کسی ہندو جوگی سے بڑی رقم دے کر یہ کالے منتر سیکھے تھے اور جوگی اس کا سرپرست تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

واہ تو یہ بات ہے..... ویسے جواد کیا میں تجھے دنیا کے سامنے لے آؤں..... کیا میں تیرے بھائی کو بتا دوں کہ تو کیا چیز ہے...... سن سجاد تو اندھا ہے تو نے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، خون کے رشتے کو تو نے اول حیثیت دی اور انسانیت کے سارے رشتوں کو بھول گیا۔ کیا سمجھتا ہے تو...... یہ تیرا بھائی نہیں شیطان ہے..... یہ تیری پرسکون دنیا میں آستین کے سانپ کی طرح رہتا ہے۔ اسی کے کارن یہ سب کچھ ہوا ہے اس نے اپنی بھابھی پر جو الزامات لگائے ہیں، میں ان کی اصلیت جان چکا ہوں اور تمہیں بھی بتانا چاہتا ہوں۔ جواد اس نے اس معصوم لڑکی کے کردار پر جو داغ لگایا ہے، اس سے اس کا ہی منہ کالا ہونے والا ہے۔ یہ اُسے اپنی گندی خواہشات کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا رہا تھا اور وہ ہمیشہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اس سے انکار کرتی رہی تھی اور کہتی رہی تھی کہ وہ اسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی ہے اور جب اس نے مکمل طور پر اس بات سے انکار کر دیا تو اس نے بدلہ لینے کے لئے اس پر بہتان لگایا اور تیرے کان بھرے۔" سجاد کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے رنگ آ گیا تھا اِدھر جواد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو جواد نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا اور میری طرف رخ کر کے بولا:

"تمہارے پاس ان باتوں کا کیا ثبوت ہے؟"

"تم ثبوت چاہتے ہو؟" میں نے سجاد سے کہا۔

"ثبوت تو دینا ہوگا، ظاہر ہے اس کے بغیر تمہاری بکواس کیسے مان سکتا ہوں میں؟"

"تو پھر یہ سمجھ لو کہ میں تمہیں ثبوت دے سکتا ہوں لیکن میری بھی ایک شرط ہو گی۔"

"کیا؟"

"تمہاری بیوی یا بھائی میں سے جو بھی مجرم ثابت ہو' تم اسے جوتے مار کر گھر سے نکال دو گے اور پھر کبھی اس کی ناپاک صورت نہیں دیکھو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" سجاد نے جواب دیا۔

"بھائی جان آپ اس چالاک چور کی باتوں میں کیوں آ رہے ہیں؟"

"بکواس بند کرو اور خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لو۔" اس بار سجاد کا لہجہ بدلہ ہوا تھا اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میری باتوں سے متاثر ہوا ہے۔ میں نے ان دونوں سے مڑ کر دروازے کا رخ کیا اور کہا:

"شکیلہ بہن اندر آ جاؤ۔" شکیلہ ڈرتے ڈرتے اندر آئی۔ سجاد نے اسے دیکھا' غصے سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ جبکہ جواد بدستور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ میں شکیلہ کی بے گناہی کا ثبوت دے سکوں گا۔ شکیلہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد سجاد نے کہا:

"ہاں بولو کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"دیکھو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ شخص تم سے جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے ایک کالے علم کے ماہر جوگی سے تعویز لے کر تمہیں تمہاری بیوی کے خلاف بھڑکایا ہے اور اگر تم یقین نہیں کرنا چاہتے تو میں خود تمہیں یقین دلانے کی کوشش کرتا ہوں۔" پھر میں نے جواد کو مخاطب کیا۔

"جواد میری طرف رخ کر کے میری آنکھوں میں دیکھو اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو ہمیشہ کے لئے اندھا ہو جائے گا۔ میں تجھ سے تیری بینائی چھین لوں گا۔"

"اچھا تو گویا آپ بہت بڑے دیوتا ہیں..... شام جی پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ گھر صرف میرے بھائی کا نہیں' میرا بھی ہے۔ اس پر میرا بھی پورا پورا حق ہے اور میں اس حق کی بنا پر تم سے کہتا ہوں کہ ایک لمحے کے اندر یہاں سے باہر نکل جاؤ۔ اس مکار عورت کو تو ہم دیکھ لیں گے جس نے نہ جانے کتنے عاشق پال رکھے ہیں۔ بھائی جان میں دعوے سے کہتا

ہوں کہ یہ شخص ہماری نام نہاد بھابھی کا عاشق ہے۔ میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے ایک دو بار یہ ہمارے گھر کے آس پاس چکر لگاتا ہوا نظر آیا ہے اور یقینی طور پر یہ ان محترمہ سے ملنے ہی آتا ہو گا..... ہمیں دیکھ کر واپس چلا جاتا ہو گا لیکن جب موقع ملتا ہو گا......" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' میں نے کہا:

"تم نے دیکھا سجاد یہ پہلا ثبوت' جب اسے اس بات کا اندازہ ہوا کہ میں اس کا کچا چٹھا کھول دوں گا اور حقیقت سامنے آ جائے گی تو اس نے مجھ پر یہ الزام لگایا' جب کہ اس سے پہلے یہ صرف مجھے چور کہتا رہا ہے۔ ایک چالاک چور جو یہاں چوری کی نیت سے آیا تھا لیکن اب جب اس نے دیکھا کہ بات ختم ہو گئی اور شکیلہ بہن میرے ساتھ ہے تو اس نے فوراً پینترا بدل دیا۔"

"یہ تم شکیلہ کو بار بار بہن کیوں کہہ رہے ہو..... شاید میرے بھائی کو بیوقوف بنانے کے لئے..... جواد نے پھر ایک پینترا بدلا اور میں ہنس پڑا۔" میں نے کہا:

"جواد جو کہتے ہو وہ میری آنکھوں کی طرف دیکھ کر کہو۔" جواد نے ایک لمحے کے لئے ھ پر نظر ڈالی تھی اور اسی لمحے میں نے دل میں یہ خواہش کی کہ جواد اب سچ بولے...... صرف سچ۔ وہ ایک دم سحر زدہ سا ہو گیا تو میں نے کہا:

"دیکھو جواد کوئی عامل اگر کسی کو اپنے قابو میں لا کر حکم دیتا ہے تو وہ حکم ہر صورت ں مانا جاتا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جو حقیقت ہے بیان کرو..... صرف سچ بولو...... ں اس کے علاوہ میں اور کوئی حکم نہیں دیتا تمہیں..... بولو سچ بولو گے۔"

"ہاں میں سچ بولوں گا۔"

' اس عورت کا نام کیا ہے؟"

"شکیلہ۔"

"کون ہے یہ تمہاری؟"

"بھابھی۔"

"بھابھی کا رشتہ کیا ہوتا ہے؟"

"ماں کی طرح ہوتا ہے۔"

"کیا اس عورت نے تم سے یہ کہا تھا کہ وہ تمہیں اپنا بھائی سمجھتی ہے؟"

"ہاں۔"

"خود تمہارے دل میں کیا تھا؟"

"میں اسے پسند کرتا تھا اور اسے اپنی خواہشات کے لئے تیار کرنا چاہتا تھا۔"

"پھر؟"

"اس نے انکار کر دیا۔"

"اس کے بعد؟"

"میں نے اپنے بھائی کے دل میں اس کے لئے شکوک پیدا کر دیئے۔"

"کیا تم نے کسی ہندو جوگی سے کوئی علم سیکھا ہے؟"

"ہاں۔"

"اس علم کو میں نے بھابھی پر آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔"

سجاد پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواد کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا اور پھر اچانک اس نے جواد پر حملہ کر دیا اور اسے زمین پر گرا کر اس کی چھاتی پر چڑھ گیا۔ اس نے اس کی گردن پکڑلی تھی اگر مجھ سے ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو سجاد کے ہاتھوں مارا جاتا لیکن میں نے آگے بڑھ کر سجاد کو جواد سے علیحدہ کر دیا اور بولا:

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے صرف گھر سے نکالو گے اور دوبارہ کبھی اس کی صورت نہیں دیکھو گے۔"

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اس کمینے نے میری بیوی پر جو بے بنیاد الزام لگائے ہیں' اس کے نتیجے میں میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں قسم کھاتا ہوں میں......"

"دیکھو میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا کہ اس ناپاک شخص کو دنیا سے ☆ ختم کر دو لیکن یہ مناسب نہیں ہے۔ شکیلہ کو تمہاری ضرورت ہے اگر تم نے اس ناپاک شخص کو مار ڈالا تو خود بھی گرفتار ہو جاؤ گے اور شکیلہ بیچاری اپنی معذور ماں کی کفالت تک نہیں کر سکے گی"۔ سجاد نے میری بات سنی اور نفرت بھرے انداز میں جواد سے بولا:

"جا جواد چلا جا یہاں سے.... میں سمجھتا تھا کہ ہمارے جسموں میں دوڑنے والا خون ایک ہے...... تو میرا بھائی ہے...... لیکن تو بھائی نہیں ہے..... جا چلا جا اور اپنی یہ ذلیل صورت کبھی نہیں دکھانا مجھے ورنہ زندہ دفن کر دوں گا..... جاتا ہے کہ نہیں۔" سجاد نے ایک

طرف پڑا ہوا پتھر اٹھایا اور جواد نے باہر دوڑ لگا دی۔ سجاد خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتا رہا پھر اس نے مجھے دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے قریب پہنچ گیا اور اس نے کہا:

"تم ہندو ہو یا مسلمان مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے..... میری بیوی کو تم بہن کہہ رہے ہو' تم نے مجھے دو بار نئی زندگی دی ہے..... ایک میری پاک دامن بیوی کو واپس کر کے' دوسری مجھے قتل جیسے بھیانک جرم سے روک کر...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔"

"صرف شکریہ ادا کرنے سے کام نہیں چلے گا سجاد' تمہیں میرے اس احسان کا صلہ بھی دینا ہو گا۔" سجاد نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولا:

"میں بہت غریب آدمی ہوں' کیا کر سکوں گا صلے کے طور پر؟"

"ایک وعدہ۔"

"صرف وعدہ۔"

"ہاں۔"

"بولو!"

"اس کے بعد تم کبھی میری بہن پر کوئی شک نہیں کرو گے' سمجھے..... کبھی اس کے کردار پر کوئی شبہ نہیں کرو گے..... اسے کوئی تکلیف نہیں دو گے...... اس کی معذور والدہ کو اپنے گھر لے آؤ گے اور جس طرح بھی ہو سکا اس کی خدمت کرو گے وہ آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا' میں نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل آیا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 31

انسان کو نیکی کا کوئی بھی کام کر کے اس کا صلہ اپنے ضمیر کی طرف سے ملتا ہے اور وہ صلہ کائنات کی ہر دولت سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے' کوئی اگر اسے سمجھے تو اندازہ ہو۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ' مجھے لطف آ رہا تھا۔ زندگی بیشک تنہا تھی لیکن اگر میں ایسے کام کرتا رہوں تو زندگی کی یہ تنہائی بڑی عمدگی سے دور ہو سکتی ہے۔ مجھے جو قوتیں حاصل ہوئیں ہیں' ان کا اس سے بہتر استعمال اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ دل میں یہ خیال پروان چڑھنے لگا کہ جیسے بھی بن سکے' جو قوت میں نے حاصل کی ہے' اس سے انسانوں کو فائدہ پہنچاؤں۔ اس شاندار اور قیمتی مکان میں رہ کر اگر زندگی گزار دی تو یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ کوئی ایسا عمل ہونا چاہیے جس سے کوئی انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ بہت غور کرنے لگا اور پھر طبیعت پر کچھ ایسا بوجھ سوار ہوا کہ اسی وقت وہاں سے نکل آیا۔ میں اپنا گھر چھوڑ کر چل پڑا تھا وہ عیش و آسائش' وہ پورنی جو میری دیوانی تھی' سب کچھ چھوڑ دیا تھا میں نے اور ذہن میں بس یہ خیال تھا کہ کسی کے لئے کچھ کیا جائے اور پھر میں نہ جانے کتنا دور نکل آیا۔ بہت ہی عجیب سی کیفیت تھی میری۔ قرب و جوار کا ماحول بھی بڑا اجنبی اجنبی لگ رہا تھا۔ کافی دیر تک پیدل چلتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی مجھ پر ایک غشی سی طاری ہو گئی۔ میں حیران رہ گیا تھا لیکن یہ غشی تھوڑی ہی دیر تک طاری رہی اور اس کے بعد جیسے آنکھ کھل گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ جیسے میں ایک عظیم الشان غار میں موجود ہوں اور میرے سامنے نارنجی رنگ کا ایک غبار دیوار کی طرح کھڑا ہوا ہے۔ نارنجی رنگ کے اس غبار کے اندر سے اچانک ایک انسانی جسم نمودار ہوا اور میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا..... یہ دھرم وستو تھا۔ نارنجی رنگ کا جوگیا لبادہ اوڑھے ہوئے سر پر ایک اونچا سا تاج پہنے ہوئے' گردن میں انسانی

کھوپڑیوں کی مالا پڑی ہوئی' چہرے پر غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تبھی میرے عقب سے پورنی برآمد ہوئی اور پورنی نے آگے بڑھ کر مہاوستو کے سامنے گردن خم کرتے ہوئے کہا:

"جے مہاوستو!"

"اور تو اپنے بارے میں کیا کہتی ہے پورنی؟" مہاوستو نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اور پورنی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا اس نے مہاوستو کو گھورتے ہوئے کہا:

"کالی کے گھر میں تمہیں عزت دی جا رہی ہے مہان وستو' مگر تمہیں بھی ہمارے آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"کالی چنڈولی اپنی سرحدوں کا خود خیال نہیں کر رہی' بہت آگے بڑھ گئی ہے تو۔"

"کوئی بھول ہوئی مجھ سے۔" پورنی نے کہا۔

"بھول سی بھول' تو نے دھرم وستو کی پیٹھ میں خنجر مارے ہیں۔"

"کیسے؟"

"تیرا انت کیا ہے جانتی ہے؟"

"نہیں جانتی۔"

"پورن پاٹھ کیے ہیں تو نے؟"

"دیکھ دھرم وستو تو بڑا ہے..... تیری شکتی مہان ہے..... ہم تیرا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن ہمیں ہماری بھول تو بتا۔"

"تو جانتی ہے کہ یہ ایک مسلمان ہے اور ہم نے اس سے اس کا دھرم چھینا ہے۔ دھرم چھین کر ہم اسے اپنے راستے پر لائے ہیں' کیا تو جانتی ہے کہ یہ کتنا بڑا کام ہے؟ اس کا دھرم بھرشٹ کرنے کے لئے ہم نے کیا کیا جتن نہیں کیے لیکن تو نے اس سے پریم کر کے اس کی نیکیاں اسے واپس لوٹا دیں۔ یہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر نیکیوں کے راستے پر چل پڑا ہے۔ بول کیا یہ تیری وجہ سے نہیں ہوا؟"

"نہیں یہ اس کے اندر کی بات ہے۔"

"میں جو تجھے بتا رہا ہوں وہ سچ ہے یا تو جو بکواس کر رہی ہے وہ سچ ہے؟"

"دیکھ دھرم وستو پھر کہہ رہی ہوں' تیرا گیان بڑا ہے مگر میں بھی پورنی ہوں تو میرا مسلسل اپمان کر رہا ہے۔ میرے بھیرا سے اچھا نہیں سمجھ رہے۔"

"تیرے بھیر..... تیرے بھیر کیا کر سکیں گے میرا؟" دھرم وستو نے پیلے کپڑے کی ایک جھولی میں ہاتھ ڈال کر ماش کی دال نکالی اور اسے زمین پر دے مارا۔ پورنی نے زمین پر بکھرے ہوئے دال کے دانوں کو دیکھا جو پھولتے جا رہے تھے اور پھر ہر دانے سے پیلے رنگ کی ایک عجیب و غریب مخلوق نمودار ہو گئی۔ ننھے ننھے عجیب و غریب جانور جو چاروں طرف پھیل گئے تھے اور اب ہر طرف اپنی چھ ٹانگیں اٹھائے ہوئے سیدھے کھڑے ہوئے چل رہے تھے۔ پورنی نے انہیں دیکھا اور دال نکالی اور پہلے کے سے انداز میں زمین پر پھینک دیا۔ خوفناک جانوروں کا پورا کھیت اُگ گیا تھا۔ انہوں نے وہاں موجود ہر چیز چاٹنا شروع کر دی اور چاروں طرف سوراخ ہونے لگے۔ یہ سارے کام بڑے خوفناک انداز میں ہو رہے تھے۔ چنانچہ پورنی نے ان جانوروں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے تو شکتی مان ہے۔ دھرم وستو تو شکتی مان ہے لیکن یہ بھی جانتا ہے تو کہ ہم بھی مہا کالی کی شکتی رکھتے ہیں۔"

"بڑا گھمنڈ ہے تجھے اپنی شکتی پر؟" دھرم وستو بولا۔

"تیرے سامنے نہیں مہان وستو..... پر تیرے بل پر تو ہو سکتا ہے.... کیا سمجھا۔"

"سن تو غلط راستوں پر لے گئی ہے اسے 'غلط راستے ہیں تیرے؟"

"تو پھر مجھے بتا مہان وستو کہ میں کیا کروں؟"

"اس کے من سے یہ نیکیوں کا بھس نکال دے' اسے اپنے راستے پر لگا یہ تیرے شریر میں بھی دلچسپی نہیں لے رہا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کرنا کیا چاہیے..... کیا کروں میں؟"

"پہلے اسے اپنے شریر کے جال میں پھانس۔"

"ٹھیک ہے دھرم وستو میں ایسا ہی کروں گی۔"

"یاد رکھ اسے نیکیوں کے راستے پر نہیں چلنا چاہیے۔" دھرم وستو نے کہا اور پھر اس نارنجی چادر سے اندر چلا گیا۔

دھرم وستو تو چلا گیا لیکن میرے ذہن میں وہ ایک خوفناک طوفان برپا کر گیا تھا۔ کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ..... کس انداز میں کہہ رہے ہیں..... واقعی انہوں نے مجھ سے میرا ایمان چھین لیا۔ ارے یہ کیا ہوا' میں تو کسی اور ہی راستے پر نکلا تھا..... میں تو دھرم وستو کو شکست

دے کر اپنا عمل خود ہی کرنا چاہتا تھا..... اپنے راستوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا..... یہ کون سے راستے میرے سامنے آ گئے..... آہ یہ تو بہت برا ہوا..... میں نے تو نیکی کے راستوں پر چلنے کا فیصلہ کیا تھا' بدی کی یہ قوتیں مجھ پر کس طرح غالب آ گئیں اور اب ان قوتوں سے میں کیسے نکلوں گا..... میرے ذہن میں لاتعداد منصوبے تھے..... ان منصوبوں کا اب کیا ہو گا..... یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ سارا ماحول میرے سامنے سے اوجھل ہو گیا پورنی بھی گم ہو گئی تھی' جس نے مجھے ان راستوں پر بھٹکایا تھا اب میں ہوش و حواس کے عالم میں اس غار میں موجود تھا' جس کے بارے میں بالکل نہیں معلوم تھا کہ کہاں واقع ہے؟

میں نے دل میں سوچا کہ جو برائی میرے دل میں پیدا ہو گئی ہے' اسے دور ہونا چاہیے۔ میں یہاں سے نکلوں گا' جاؤں گا کہیں اور اس کے بعد میں اس غار سے باہر نکل آیا۔ میرے دل میں اب ایمان کی آگ روشن ہو گئی تھی' سب کچھ چھوڑ آیا تھا میں نیکیوں کے سہارے چلتے ہوئے اور اس وقت تک چلتے رہنا چاہتا تھا' جب تک نشان منزل نہ مل جائے۔

باہر آسمان پر تیرتے ہوئے کالے بادلوں کے ٹکڑے آپس میں جڑ گئے اور گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی پھر کچھ ننھی ننھی بوندوں نے پیشانی آنکھ اور ناک پر اپنی موجودگی کا احساس دلا کا خوفزدہ کرنا چاہا لیکن اس وقت جو احساس دل پر حاوی تھا وہ ہر طرح کی چیزوں کو نظرانداز کرنے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔ مجھے بس اچانک ہی یہ احساس ہوا تھا کہ یہ ہو کیا گیا..... ایسا کیسے ہوا...... دھرم وستو نے مجھ سے میرا دین چھین لیا..... مجھے اس طرح میرے دین سے دور کر دیا گیا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ بہت سے کردار آئے تھے اس دوران بہت سے عجیب و غریب ماحول پیدا ہوئے تھے' میں بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ بڑا پریشان تھا میں' میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیال آ رہے تھے' چلتے چلتے بہت سا فاصلہ طے ہو گیا اور میں پریشان پریشان سا آگے بڑھتا ہوا آخر کار تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو میرے سامنے ایک عجیب و غریب ماحول نمایاں ہو گیا۔ کوئی میرے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگا۔ تمہارا نام شام نہیں شامی ہے..... احتشام احمد ہے تمہارا نام..... تم ہندو نہیں مسلمان ہو...... گندے علوم کے ماہر نہیں ہو تم بلکہ تمہارے وجود میں نیکیاں ہیں۔ بھٹکا دیا گیا تھا تمہیں' نیکیاں کرنا چاہتے ہو تو جاؤ رام چرن کو دیکھو جو کیکئی کے جادو میں گرفتار تھا' کیکئی جو شیطان کی مادہ ہے۔ رام چرن کون ہے؟ کیکئی کون ہے اور پھر مجھے بہت سی ایسی جگہوں کے بارے

میں بتایا گیا۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں ہانڈی کی طرح پک رہیں تھیں اور میں ایک انوکھی کہانی سے دوچار ہو رہا تھا۔ ایک انتہائی انوکھی کہانی جس کا تعلق میری ذات سے نہیں تھا لیکن جو اس طرح میرے ذہن میں اتر گئی تھی' جیسے میں اس ماحول سے پورا پورا واقف ہوں۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی یہ تو بہت ہی خوفناک بات تھی۔ مجھ سے میرا ایمان چھن گیا تھا۔ مذاق ہی مذاق میں' جبکہ میں نے ہر طرح اپنے اس ایمان کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور جب بارش ختم ہوئی تو میں ایک بستی میں تھا۔ ایک شخص نے مجھے مخاطب کر کے کہا:

"بھائی صاحب آپ کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں' کہیں پانی میں گر گئے تھے آپ؟"

"نہیں بارش میں بھیگ گئے ہیں۔"

"جی!" وہ حیرت سے بولا۔

"بارشوں کا یہ موسم کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں لیکن راستے میں بارش ہوئی تھی' تم دیکھ لو میرے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ ویسے بھائی یہ کونسا شہر ہے' بتا سکتے ہو؟"

"رام نگر ہے اس کا نام۔" اس نے کہا۔ بہرحال میں آگے بڑھتا رہا' بھوک سے بدن سوکھا جا رہا تھا' ایک ایسی جگہ نظر آئی جہاں تندور لگا ہوا تھا۔ سامنے کچھ دیگچے رکھے ہوئے تھے۔ تندور کے پیچھے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا:

"بھائی کھانا مل سکے گا؟"

"ہاں ہاں' کیوں نہیں..... کھانا کھاؤ گے......؟ بیٹھ جاؤ۔" اس شخص نے میرا حلیہ دیکھتے ہوئے کہا۔ پتہ نہیں کیسا حلیہ ہو رہا تھا' مجھے خود یہ احساس ہو رہا تھا کہ جو عیش و عشرت میں چھوڑ کر آیا ہوں' اس میں میرا ایمان جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔ فکر و فاقہ کی یہ زندگی تو اس سے بہت بہتر ہے۔ کم از کم آرام تو ملے گا میری روح کو' کچھ کرنے کا موقع تو ملے گا اور خاص طور سے رام چرن جس کی کہانی مجھے سنائی گئی تھی میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔ تندور والے نے مجھے کھانا دیا اور میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ تب میں نے اس سے پوچھا:

"بھائی ایک آبادی ہے جس کا نام راجن پور ہے' کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟"

"لو بھائی راجن پور کے بارے میں نہیں جانیں گے' ہماری بیٹی بیاہی ہے وہاں۔ کیا تم

راجن پور جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں وہیں جا رہا ہوں۔"

"تو پھر چلے جانا ہم ایک رقعہ دیں گے تمہیں' ہماری بیٹی کے میاں کو دے دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تم روٹی کھاؤ ہم ذرا اپنی بیوی سے کہیں کہ وہ رقعہ لکھ دے۔ اصل میں ہمیں تو پڑھنا آتا نہیں ہے' وہی بس ایک پڑھ لیتی ہے بھاگوان۔" وہ شخص اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد رقعہ لے کر واپس آ گیا وہ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ اس نے اپنے خاندانی معاملات بتاتے ہوئے کہا:

"میرا بڑا بھائی شروع سے وہیں رہتا ہے' اسی کے بیٹے سے میری بیٹی کا بیاہ ہوا ہے۔ آپ بھی جاتے رہتے ہوں گے وہاں؟"

"لو گھر آنگن ہے ہمارا وہ تو' دو چار مہینے میں چکر لگ جاتا ہے۔"

"وہاں ایک رام چرن جی ہوا کرتے تھے' بہت بڑے رئیس تھے وہاں کے؟"

"ان رئیسوں کی کیا پوچھو' بس عیاشیوں میں سب کچھ کھو بیٹھے اور پھر رام چندر نے تو حد ہی کر دی ہے' ایک ڈائن گھر میں لا ڈالی ہے' بڑی کہانیاں سنی ہیں بھائی صاحب اس کی' کیکئی نام ہے اس کا' سارا راجن پور اس کے خوف سے کانپتا ہے۔ بڑی عجیب و غریب صورت حال ہے۔"

"کیا اس کے خلاف کسی نے کچھ کیا نہیں؟"

"عزیزم بس گندگی اور برائی سے سبھی خوفزدہ ہوتے ہیں..... تو یہ رقعہ آپ وہاں ہماری بیٹی کے میاں کو دے دیجئے' بڑی مہربانی ہو گی۔"

میں وہاں سے چل پڑا اور راستے طے کرتا ہوا' آخر کار راجن پور میں داخل ہو گیا۔ راجن پور پہنچ کر میں نے تندور والے کی بیٹی کا گھر تلاش کیا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر رقعہ اندر بھیجا' ان لوگوں نے میری بڑی مہمان نوازی کی' میں زندگی میں ایک نئے دور سے گزر رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے طور پر رام چندر کی رہائش گاہ کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچ گیا۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 32

وہاں پہنچنے کے بعد میں نے رام چندر سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو ایک اور شخص سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے کہا:

"کیا کام ہے مہاراج رام چندر سے؟"

"بہت ضروری کام ہے' تم انہیں خبر کر دو۔"

"ہمیں حکم ملا ہے کہ حویلی میں کسی نئے آدمی کو نہ آنے دیں' خبر کرنا بیکار ہے۔"

"مگر مجھے بہت ضروری کام ہے؟"

"معافی چاہتے ہیں' ہم وہ کر سکتے ہیں جو ہم سے کہا گیا ہے۔" ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی سامنے سے آتی دکھائی دی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کی شکل میرے لئے شناسا ہو وہ میرے پاس آ گئی اور مجھ سے کہنے لگی:

"ارے شام جی مہاراج آپ؟"

"تم مجھے جانتی ہو؟"

"لیجئے آپ کو نہیں جانوں گی' آپ نے تو بہت بڑا کام کیا ہے ہمارے مہاراج کے لئے۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور یہ غور کرنے لگا کہ وہ کونسا کام ہے جو میں نے ان کے لئے کیا ہے۔ بہرحال تفصیل تو نہ معلوم ہو سکی۔ میں نے اس لڑکی سے کہا:

"خیر میں نے اگر کوئی کام کیا ہے تمہارے لئے تو یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ مجھے اندر جانے کے لئے کیا کرنا چاہیے۔"

"ارے آنے دو انہیں' یہ تو مہاراج رام چرن کے خاص آدمیوں میں سے ہیں۔"

اس نے کہا اور پھر مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک اس نے راستہ بدل دیا اور کہنے لگی:

"اِدھر سے آ جایئے مہاراج' سیدھے جانا ٹھیک نہیں ہے۔" میں ٹھٹکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگی:

"یہ ہمارا علاقہ ہے' میں یہیں رہتی ہوں' جلدی جایئے کوئی دیکھ نہ لے۔"

"مگر لڑکی تم!" میں نے تعجب سے کہا۔

"نام سنجوگتا ہے۔ کیا تم میرا نام بھی بھول گئے؟"

"نہیں سنجوگتا لیکن حالات عجیب عجیب سے ہو رہے ہو۔"

"شام آؤ اندر چل کر باتیں کریں گے' وہ سامنے ہی تو میرا ٹھکانہ ہے۔" چھوٹا سا گھر تھا۔ تین کمرے بنے ہوئے تھے' اس نے مجھے ایک کمرے میں بٹھایا اور بولی:

"اب جی بھر کر باتیں کریں گے۔"

"تم یہاں رہتی ہو؟"

"زیادہ تر تو حویلی میں رہتی ہوں' جب چھٹی ہوتی ہے تو یہاں آ جاتی ہوں' ویسے پتہ نہیں کیکئی دیوی کہاں ہے؟"

"تمہیں نہیں معلوم اس کے بارے میں؟"

"تم لے لو' مجھے کیا پتہ' بس اس دن اس کے غار کا دروازہ دیکھا تھا' اس سے پہلے اس کے بعد کبھی نہیں دیکھا' ہائے رام وہ دن یاد کرتی ہوں تو جان نکل جاتی ہے' اگر شام جی تم میری مدد نہ کرتے تو میرا کیا ہوتا؟"

"سنجوگتا تم مجھے کچھ بتاؤ گی؟"

"کس بارے میں؟"

"میں تم سے تمام تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیکئی کیا ہے؟"

سنجوگتا کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر کہنے لگی:

"تم نے پہلے بھی مجھ سے پوچھا تھا مہاراج' ہم نوکرانیاں ہیں' اسی محل میں پیدا ہوئے ہیں' اسی میں جوان ہوئیں اور اسی میں مرجائیں گی' پر ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو گا' جو کہا

جاتا ہے' ہم کرتے ہیں تم نے ہم پر احسان کیا تھا اس دن ورنہ نہ جانے کیا ہوتا ہمیں' پہلے تو پتہ ہی نہیں تھا مگر اب پتہ ہے کہ کیکئی نے جیسا کہا ویسا کیا' پھر اس نے جلدی سے زبان دانتوں میں دبالی اور خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

میں اس کے انداز پر چونک پڑا اور اسے غور سے دیکھنے لگا وہ اور گھبرا گئی اور پھر کہنے لگی:

"ہم نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہہ دی ہے؟"

"بس سچ بولا ہے تو نے اور کچھ نہیں کہا ہے سنجوگتا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں مہاراج..... ہاں..... اس نے سچ ہی کہا ہے۔ دوسرا سچ میں آپ کے سامنے کہوں گا۔" اچانک دروازے سے ایک عجیب و غریب شکل کا آدمی نظر آیا اور میں اسے دیکھنے لگا۔ ایک لمبی چوڑی شخصیت کا مالک تھا' رنگ گہرا کالا اور بدن پر بہت قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا تو جا سنجوگتا..... باہر جا۔" اور سنجوگتا گردن جھکائے واپس چلی گئی۔

"ہمارا نام ہری راج ہے' ہری راج کو تو آپ جانتے ہی ہیں مہاراج۔" میں نے اپنے دل میں غور کیا اور مجھے یاد آ گیا کہ ہری راج یہاں کا دیوان ہے۔ آہ ایک ایسا کام میرے سپرد کیا گیا تھا' جس کی مجھے کچھ تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔ رام چرن' کیکئی' سنجوگتا اور اب یہ ہری راج۔ راجن پور میں مجھے کیا کرنا تھا یہ تو اللہ ہی جانتا تھا لیکن میری جون بدل رہی تھی۔ میں نے جو گناہ کر کے اپنے ضمیر کو کانٹے لگائے تھے اب وہ کانٹے ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر اس نے کہا:

"یہ سب آپ کو شام کہہ رہے ہیں مہاراج حالانکہ آپ کا نام احتشام ہے۔ یہی ہے نا' آپ تو مسلمان ہیں' آپ نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا دھرم چھوڑ دیا تھا مگر اب دھرم دیس میں واپس آ گئے ہیں آپ۔"

"ہاں ایسا ہی ہے مگر اب یہ بتاؤ کہ رام چرن کہاں ہے؟"

"وہ تو بعد میں بتا دیں گے ہم لیکن آپ کے لئے ایک سندیس ہے مہاراج۔"

"بولو؟"

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"کیکئی کہاں ہے؟"

"وہ آپ سے ملاقات کریں گی وہ آپ کے لئے پریشان ہیں لیکن آپ کو ان کی شکتی کا اندازہ نہیں ہے مہاراج' وہ بہت بڑی ہیں۔ آیئے آیئے میرے ساتھ چلئے۔"

میں اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا' وہ مجھے پرانی حویلی کی طرف لے جا رہا تھا اور پرانی حویلی کے بارے میں تھوڑے بہت خیالات میرے ذہن میں تھے وہ مجھے پرانی حویلی کے عقبی حصے میں لے گیا۔ یہاں ایک ویران اور سنسان برآمدہ نظر آ رہا تھا' اس نے وہ بند دروازہ کھولا اور مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہو گیا لیکن اندر قدم رکھتے ہی ایک عجیب سی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی محسوس ہوئی۔ سبز رنگ کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں ایک وسیع و عریض باغ نظر آ رہا تھا لیکن ایک لمحے کے اندر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ باغ مصنوعی ہے۔ انتہائی اونچے درخت جن کی شاخیں اور پتے ایک دوسرے میں اوپر جا کر اس طرح الجھے ہوئے تھے کہ آسمان کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا گویا ایک چھت بنی ہوئی تھی اور سب کچھ اس چھت کے نیچے تھا۔ انگوروں کی بیلیں ان میں جھولتے سیاہ اور سبز انگوروں کے خوشے تھے خوش رنگ پھول' چہچہاتی چڑیاں اور دوسرے ننھے پرندے' جگہ جگہ فوارے' بعض جگہ فواروں کے گرد بنی ہوئی غونچیوں پر خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں شوخی اور لگاوٹ تھی۔ ہری راج میری راہنمائی کرتا ہوا ایک اور عمارت کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گیا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا:

"کیکئی آپ کا انتظار کر رہی ہیں مہاراج۔" میں نے دروازے سے اندر قدم رکھا۔ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں' پندرہ سولہ سیڑھیاں اترنے کے بعد میں ایک بہت ہی شاندار کمرے میں پہنچ گیا' جس کا فرش سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ دیواریں بھی سنگ مرمر سے بنی ہوئی تھیں۔ عین درمیان میں ایک خوبصورت تخت جیسی چیز رکھی ہوئی تھی اور اس پر ایک انتہائی خوبصورت عورت نیم دراز تھی۔ ایک عجیب و غریب شکل و صورت کا مالک شخص اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہ تھا۔ عورت نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی' اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی

مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ بڑے احترام کے ساتھ بولی:

"آیئے مہاراج آپ کے سامنے میں اس تخت پر نہیں بیٹھ سکتی' آپ نے پورنی کے جاپ کیے ہیں اور آپ کے پاس مجھ سے بڑی شکتی ہے۔"

"تم کیکئی ہو؟"

"ہاں۔"

"اور یہ اشتت مہاراج۔" اس نے کہا۔

"کیکئی میں نے جو جاپ کئے تھے' میں ان سے تائب ہو چکا ہوں وہ ایک شیطانی عمل تھا اور تم ضرور یہ بات جانتی ہو گی کہ میں مسلمان ہوں۔ چند لمحوں کے لئے تو مجھ سے میرا ایمان چھن گیا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں واپس اپنی اصلیت میں آ گیا' حالانکہ میں نے تو گناہ عظیم کیے ہیں لیکن نہ جانے کیوں میرے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا گیا اور اب یہ سمجھ لو کہ میں کالی طاقت سے نفرت کرتا ہوں' میں اس ناپاک جگہ پر نہیں بیٹھ سکتا' سمجھ رہی ہو نا تم۔" کیکئی کی مسکراہٹ سکڑ گئی لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال کر کہا:

"تو پھر بتلایئے شام جی مہاراج' میں آپ کا سواگت کیسے کروں؟"

"پہلی بات تو یہ کہ میرا نام شام نہیں بلکہ احتشام ہے' دوسری بات یہ کہ میں یہاں کھڑا ہوا ہوں' بس اتنا ہی کافی ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر ہم اس تخت کو بیچ سے ہٹا ہی دیتے ہیں۔" اس نے مڑ کر اس خوبصورت تخت کو دیکھا اور دوسرے لمحے وہ تخت میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ کیکئی پھر میری جانب متوجہ ہو گئی۔ اس نے کہا:

"تو احتشام جی مہاراج بہت سی باتیں بڑے سے بڑے گیانی کی سمجھ میں نہیں آتیں' آپ ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے میرے پاس آئے ہیں جس کی کوئی اہمیت نہیں' اگر پورنی کا داس سمجھ کر آپ کی سیوا کروں تو بڑی بات ہے لیکن اگر ایک عام آدمی کی حیثیت سے آپ سے ملاقات کروں تو مجھے بتایئے کہ اس سے کیا فائدہ ہو گا مجھے؟"

"یوں سمجھ لیجئے کیکئی جی کہ بس کچھ خاص باتوں کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں مہاراج' پورنی کے داس کی حیثیت سے تو آپ کا ایک مقام تھا لیکن اگر آپ نے اپنا مقام چھوڑ دیا ہے تو آپ ایک عام سے آدمی ہوئے اور اس

کے بعد ظاہر ہے میں آپ کے ساتھ کیا کر سکتی ہوں۔"

"میں تو تیرے ساتھ کچھ کرنے کے لئے آیا ہوں کیکئی' تو اپنے جادو کو ختم کر دے' کیونکہ تیرا یہ جادو انسان دشمنی ہے اور مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں انسانوں کو تیرے چنگل سے نجات دلاؤں۔ بہت سے لوگ تیرے جادو کی وجہ سے مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ تیرا شوہر رام چندر بھی تیری وجہ سے مشکل میں پڑا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ چھوڑ دے اپنے آپ کو ختم کر لے..... کیکئی اپنے شیطانی عمل کو ختم کر دے۔"

"شرم نہیں آتی تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے' جیون کے اتنے سکھ اٹھا لیے ہماری شکتی سے اور آج ایمان دھرم کی بات کر رہے ہو۔ واہ رے واہ تمہارا ایمان دھرم' اتنا کچھ حاصل کر ہم سے جیون کے سارے مزے لے لئے اور اب چلے ہو دھرماتما بننے کے لئے۔ یہ چال چلتر کسی اور کو دکھانا ہمارے سامنے نہیں چلے گی تمہاری۔ تم دھرم وستو مہاراج کو جانتے ہو' انہوں نے سب کچھ بتا دیا ہے تمہارے بارے میں ہمیں..... کیا سمجھے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں' سب مانتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ اپنے مذہب سے ہٹ گیا تھا' اپنے دین سے دور ہو گیا تھا' میں نہیں جانتا کہ جو غلاظت میرے وجود میں پہنچ چکی ہے اس کی وجہ سے مجھے معاف بھی کیا جائے گا کہ نہیں لیکن معافیاں مانگتا رہوں گا' ہو سکتا ہے کوئی ایسا لمحہ آ جائے جب مجھے معافی مل جائے' البتہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے اسے ضرور سرانجام دوں گا۔"

"دیکھو مجھ سے دشمنی مت لو' نقصان اٹھاؤ گے' میں نے بھی جیون بھر چنے نہیں بھونے' بولو کیا کہتے ہو؟"

"تجھے ختم ہونا پڑے گا کیکئی۔" میں نے کہا اور وہ ہنستی ہوئی اپنے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مڑی اور کہنے لگی:

"اشتت' ذرا اسے اس کی شکتی کا مزا تو چکھا دے' میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ واپسی کے لئے مڑی۔ پھر اچانک مجھے اپنے عقب سے کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دیں' میں نے گھوم کر دیکھا تو سنگ مرمر کی ان دیواروں میں سوراخ نمودار ہو گئے تھے اور ان میں سے پانی کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں یہ دھاریں اس تیزی سے پانی نیچے برسا رہی تھیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر بے پناہ پانی جمع ہو گیا اور میں نے خوفزدہ انداز میں پلٹ کر

دیکھا۔ اب جو میں نے ادھر دیکھا تو یہاں کچھ بھی نہیں تھا' نہ وہ اشت نامی شخص تھا' نہ کیکئی' بس میں تھا اور سنگ مرمر کی یہ زمین ایک کنوئیں کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ پانی اس طرح نکل رہا تھا جیسے کسی دریا کا رخ اِدھر موڑ دیا گیا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی بھرنے لگا اور میں بدن میں جھرجھری سی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ پانی ٹخنوں سے گزر کر گھٹنوں اور گھٹنوں سے گزر کر رانوں اور پھر کمر تک پہنچ گیا اور اچانک ہی میں نے پانی میں ایک مچھلی سی تیرتی ہوئی دیکھی۔ میں نے حیرت سے دیکھا کہ وہ پانی کی سطح پر تیرنے والی شخصیت کیکئی کی ہے' اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا اور وہ بڑی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی یعنی اس کا چہرہ تو کیکئی کا تھا اور بدن مچھلی کا' یہ بہرحال ایک سنسنی خیز احساس تھا اور اسے محسوس کرنا بہت ہی اہمیت کا حامل' پانی کے تھپیڑے میرے قدم اکھاڑے دے رہے تھے میرے دل میں ایک عجیب سا جذبہ ابھرا اور میں نے سوچا کہ کالی جادو کی دنیا سے نکل کر اب ایمان دھرم کی بستی میں آیا ہوں تو جو بھی مشکل ہو دیکھ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اگر میری حفاظت کرنا چاہے گا تو کر لے گا' ورنہ جو اس کا حکم۔ اس احساس کے ساتھ ہر خوف میرے دل سے نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ کائنات میں آنکھ کھولنے والے ہر نومولود کے بارے میں ہم کچھ اور کہہ سکتے ہوں یا نہ کہہ سکتے ہوں' یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بالآخر یہ ایک دن ضرور مر جائے گا۔ موت برحق ہے اور اس کا یقین کرنے والا حق ہے اور حق سے نجات ممکن نہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ کوئی تدبیر نہیں کروں گا میں۔ اسی وقت اچانک شور تھم گیا اور ایک دم سناٹا پھیل گیا۔ میں چونک کر اِدھر دیکھنے لگا' میں نے پانی میں قلیلیں کرتی ہوئی کیکئی کو دیکھا جو بے چینی سے اچانک رک گئی تھی۔ اس کا مچھلی کا بدن پانی میں جنبش کر رہا تھا۔ دفعتاً فرش میں ایک بڑا سوراخ نمودار ہو گیا اور پانی دہشت ناک آواز کے ساتھ اس سوراخ میں داخل ہونے لگا۔ کیکئی نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کم ہوتے ہوئے پانی میں ایک سوراخ کی طرف لپکی' اس کا بدن اچانک ہی ایک لمبی چمکدار لکیر کی شکل اختیار کر گیا اور یہ لکیر تڑپ کر ایک سوراخ میں داخل ہو گئی اور وہ غائب ہو گئی۔ پانی اس برق رفتاری سے سوراخ میں غائب ہوا تھا کہ چند لمحوں میں زمین صاف ہو گئی۔ سوراخ چونکہ بلندی پر تھے اس لئے اب ان میں سے کوئی پانی نہیں گر رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے عقب میں اشت کو

دیکھا۔ اشت ایک لمبے سانپ کی شکل میں موجود تھا' حالانکہ اس سے پہلے میں نے اسے نہیں دیکھا تھا لیکن اس بار میں دیکھ رہا تھا کہ اشت ان بلند سوراخوں کی طرف لپک رہا ہے وہ بار بار سنگ مرمر کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے مگر ہر بار پھسل کر نیچے گر جاتا۔ آخر کار وہ میری طرف لپکا لیکن مجھ تک نہیں پہنچ سکا' تب میں نے خود آگے قدم بڑھائے اور جھک کر پھن سے پکڑ لیا۔ اشت کا چہرہ بھی اس کا اپنا چہرہ تھا اور باقی بدن سانپ' وہ میری کلائی سے لپٹ گیا اور میں نے پہلی بار قریب سے اسے دیکھا' اس کا چہرہ سانپ کے بدن کی مناسبت سے چھوٹا ضرور ہو گیا تھا لیکن اصل ہی تھا اور وہ بے حد خوفزدہ نظر آ رہا تھا پھر اس کی آواز ابھری:

"جیا ہو تیری مہاتما' مجھے چھوڑ دے...... میرے محسن مجھے چھوڑ دے...... میرا کوئی قصور نہیں ہے' میں تو بس کیکئی کا غلام تھا۔ مجھے چھوڑ دے مہاراج...... میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"اشت بس تجھ سے کچھ معلومات چاہئیں...... کیکئی کا جادو ختم کرنا چاہتا ہوں میں...... اس نے جتنے لوگوں کو اپنے سحر میں گرفتار کیا ہے' انہیں آزادی دلانا چاہتا ہوں...... نہ میری تجھ سے دشمنی ہے نہ کسی اور سے۔"

"بہت مشکل کام ہے دیوتا' بہت مشکل کام ہے' پر میں آتما ہوں۔ مجھے تو چھوڑ دے۔"

"وہ کہاں چلی گئی ہے سوراخ میں گھس کر۔"

"میں نہیں جانتا' مجھے نہیں معلوم...... ہو سکتا ہے کالی کنڈ چلی گئی ہو...... اس کا کالا جادو تجھ پر اثر نہیں کر سکا' ڈر کر بھاگی ہے تجھ سے۔ اس کے تو ہزاروں ٹھکانے ہیں دھرتی پر تجھ سے نہ بچ سکی تو پاتال میں چلی جائے گی۔ مارے تو ہم گئے...... ہمیں چھوڑ دے۔"

اشت ایک بار پھر چیخا:

"یہ کالی کنڈ کون سی جگہ ہے اشت مجھے وہاں لے چل؟"

"ارے دیا رے دیا' اگر ہم تمہیں وہاں لے گئے تو وہ ہمیں کہاں چھوڑے گی۔"

"وہ مار دے گی مجھے؟"

"ہاں۔"

"تو ٹھیک ہے اِدھر میں تجھے مار دوں گا۔"

"مر گئے...... ہم تو مر گئے...... ہائے اب ہم کیا کریں!"

"راستہ بتا مجھے کالی کنڈ کا...... راستہ بتا۔"

میں نے اس دروازے کا رخ کیا جس سے گزر کر یہاں آیا تھا۔ باہر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ ہری داس کا بھی وہاں پتہ نہیں تھا۔ میں نے اشت سے پوچھا:

"ہری داس کہاں گیا؟"

"ہری داس وہ تو گند ہے' اس کی تھوک ہے' ہری داس کوئی الگ تھوڑی ہے جو کیکئی ہے وہ ہری داس ہے۔"

میں نے چاروں اور دیکھا' اب اس خوبصورت ماحول کا شائبہ بھی نہیں تھا' جس سے گزر کر میں یہاں تک پہنچا تھا جب کہ یہ اسی ٹوٹی حویلی کی ایک راہداری تھی جو سخت گندی پڑی ہوئی تھی۔ درختوں کے پتے کوڑا کرکٹ اور اس پر دوڑتے ہوئے چوہے' پہلے جو کچھ دیکھا تھا فریب نظر تھا' یہ اصل جگہ تھی' اس راہداری کا دوسرا سرا حویلی سے باہر نکلتا تھا۔ میں اس راہداری میں چلتا ہوا باہر نکل آیا۔

"ہاں اشت اب بول کدھر چلنا ہے؟"

"ہائے مروا دیا ہم کو تو مہارانی کیکئی نے...... سیدھے چلتے رہو مہاراج۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولا اور میں نے قدم آگے بڑھا دیے۔

اشت اب میری گرفت میں تھا' کچھ دیر کے بعد اس نے گھٹی ہوئی باریک آواز میں کہا:

"مہاراج میری گردن تو چھوڑ دیں' میں انسان کی جون میں آ جاؤں گا وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کالی کنڈ لے جاؤں گا۔"

"نہیں اشت' ہمارے دھرم میں سانپ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہائے میری گردن...... میری گردن...... کہیں دم گھٹنے سے مر ہی نہ جاؤں۔"

"نہیں میں جانتا ہوں' تم ایسے نہیں مرو گے۔ میں اس وقت تمہیں اسی طرح جھکائے رکھوں گا' جب تک کالی کنڈ میرے سامنے نہیں آ جائے گا۔"

"سیدھے ہاتھ مڑ جاؤ۔" وہ مردہ لہجے میں بولا اور میں اس کی ہدایت کے مطابق آگے

بڑھتا رہا' پھر ایک غار کے سامنے وہ رک گیا اور بولا:

"چلو...... اندر چلو۔" میں اس کی ہدایت پر غار میں داخل ہوا تھا۔ اندر گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا' اچانک ہی اس نے مردہ سے لہجے میں کہا:

"مہاراج وار ہو گیا ہے آپ پر...... زمین پر بچھو رینگ رہے ہیں۔ راستہ بند کر دیا گیا ہے۔"

میں ایک دم رک گیا۔ میری آنکھوں نے زمین پر انتہائی ننھی ننھی سرخ چنگاریاں متحرک دیکھیں اور پھر جب غور کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دو دو انچ کے سائز کے بچھو ہیں' جو اپنا کالا ڈھنگ اٹھائے میری طرف لپک رہے ہیں۔ ننھی ننھی سرخ چنگاریاں ان کی آنکھیں تھیں' وہ میرے اتنے قریب آ گئے کہ ان سے بچنا مشکل ہو گیا میں خاموشی سے آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ بچھو میرے پیروں پر چڑھے' انہوں نے شاید ڈنک بھی مارنے کی کوشش کی لیکن مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ تھوڑی دیر تک میرے پیروں پر حملہ آور رہے اور پھر کوئی حل نہ پا کر وہاں سے غائب ہو گئے۔" اشت کی آواز پھر ابھری:

"مہاراج یہ کالے بچھو ہیں' پتھر پر ڈنک مارے تو پانی بن جائے مگر یہ ناکام رہے ہیں۔ آگے بڑھو تم نے اسے شکست دے دی ہے۔" میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک اور دھانہ نظر آیا' جس کے دوسری طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی جوں ہی میں نے دھانے سے اندر قدم رکھا' اچانک تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ لاتعداد پتھر نیچے گرے۔ پتھر کیا چٹانیں تھیں پوری' جن میں سے کچھ براہ راست میرے بدن پر گری تھیں۔ بس ایسے ہی لگا تھا جیسے روئی کے گولے ہوں لیکن یہ گولے نیچے گر کر ریزہ ریزہ ہو گئے اور مٹی کا بادل فضا میں بلند ہو گیا۔ میں رک گیا اور اس وقت تک خاموش کھڑا رہا جب تک کہ یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گیا' لیکن میرا دل ایمان کی روشنی سے منور ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیے' اس سے زیادہ اور کیا مل سکتا ہے' جس نے اپنی پوری زندگی غلاظتوں میں گزار دی ہو اسے اس قدر تحفظ ملے' یہ بہت بڑی بات تھی۔ بہرحال میں اور آگے بڑھا اور میں نے اندر نگاہ ڈالی' ہاتھ کی لکیریں اِدھر سے اُدھر دوڑ رہی تھیں۔ شائیں شائیں کی آوازیں آ رہی تھیں اور ہاتھ کی لکیروں کے پس منظر میں کوئی وجود موجود تھا وہ وجود واضح ہوتا چلا گیا۔ یہ کیکئی ہی تھی لیکن اب اس کا حلیہ بدلتا جا رہا تھا۔ اس کے جادو کو شکست

دی تھی میں نے' تو اس کے چہرے پر نمایاں تبدیلی ہوتی جا رہی تھی۔ شاید وہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو رہی تھی اور یہ اصلی شکل بے حد بھیانک تھی۔ اس کی کوئلہ جیسی سیاہ آنکھیں' گہرے سرخ ہونٹ اوپر نیچے ابھرے ہوئے تھے' لمبے لمبے دانت جھانک رہے تھے۔"

"تو یہاں بھی آگیا پاپی۔ میں ہار نہیں مانوں گی تجھ سے..... بھسم کر کے رکھ دوں گی.... کچا چبا جاؤں گی.... کچا کھا جاؤں گی تجھے۔" اس کی زبان باہر نکل آئی اور بڑھنے لگی۔ ایک فٹ..... دو فٹ..... تین فٹ..... آنکھیں بھیانک انداز میں پھیل گئیں۔ بدن پر بال جھولنے لگے وہ بھیانک بلا کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی' پھر اس نے اتنی ہولناک چنگھاڑ منہ سے نکالی کہ پورا غار لرز کے رہ گیا۔ اس چنگھاڑ کے ساتھ ہی وہ فضا میں بلند ہوئی اور دوڑتی ہوئی مجھ پر آئی' وہ کسی چمگادڑ کی طرح مجھ پر پرواز کر گئی تھی۔ کچھ دور جا کر وہ پھر پلٹی' میں نے رخ تبدیل کر لیا تھا۔ بس میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا ہوتا ہے اچانک یوں لگا جیسے اس کا پرواز کرتا ہوا بدن کسی ٹھوس دیوار سے ٹکرایا ہوا' اچھا خاصا دھماکا ہوا تھا اور وہ نیچے گر پڑی تھی' لیکن نیچے گرتے ہی وہ لوٹتی ہوئی دور تک چلی گئی اور اس کا بدن پتلا ہوتا چلا گیا۔ اچانک ہی اس نے ایک سانپ کی شکل اختیار کر لی اور اس کے منہ سے شعلے نکلنے لگے' اس نے خوفناک پھنکار ماری اور میری کلائی سے لپٹے اشت کے بل کھل گئے' اشت اب میری مٹھی سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اور کیکئی مسلسل پھنکاریں مار رہی تھی۔ اچانک ہی میں نے غار کے کونے کھدرے سے بے شمار سانپوں کی آوازیں سنیں اور پھر میں نے دیکھا' کالے رنگ کے لاتعداد سانپ غصے سے پھنکارتے ہوئے باہر نکل کر مجھ پر لپکے تھے۔ میں تو خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب تک تو کیکئی کے تمام حملوں سے بچتا چلا آیا تھا۔ بھلا میں کیا اور میری اوقات کیا' میری محافظ قوتیں میرا تحفظ کر رہیں تھیں' لہراتے ہوئے سانپ میرے قریب نہیں پہنچ پائے' اچانک ہی میں نے اشت کو دوسرے سانپوں پر اچھال دیا اور خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ کیکئی بری طرح چکرا رہی تھی اور پھر اس نے اپنا پھن کھڑا کیا۔ چند لمحات جھومتی رہی اور اس کے بعد اس نے اپنا پھن زمین پر ڈال دیا۔ سارے سانپ اس پر دوڑ پڑے اور میں نے دیکھا کہ وہ اسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہے ہیں' پھر وہاں سے بھاگ گئے اور انہیں بلوں میں جا گھسے۔ کیکئی اب

انسانی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی' اس کے منہ سے گہرا سیاہ خون ابل رہا تھا اور اس کا سر ایک دائرے کی شکل میں گھومتا جا رہا تھا' پھر اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس کا بدن اذیت سے تڑپنے لگا' کچھ دیر کے بعد وہ ساکت ہو گئی۔ میں آگے بڑھ کے اس کے قریب پہنچا' دیکھا تو وہ مر چکی تھی۔ پتہ نہیں اس غار میں کیا الا بلا موجود تھا۔ ہر چیز سمٹتی جا رہی تھی' پھر وہاں خالی غار کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا تھا' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کیکئی اپنے جادو سمیت فنا ہو چکی ہے۔ میرا دل مسرت سے سرشار ہو گیا اور میں بڑی خوشی محسوس کرنے لگا۔

مجھے جس مقصد کے لئے یہاں بھیجا گیا تھا' اس کی تکمیل میں میری مدد کی گئی تھی اور جس طرح میری مدد کی گئی تھی' یہ بہت بڑی بات تھی۔ بہرحال بہت انوکھا کھیل ہوا تھا یہ' مجھے جو حکم ملا تھا میں نے اس کی تکمیل کر ڈالی تھی۔ ایک ایسی ناپاک روح کو ختم کیا تھا میں نے' جس کے بارے میں مجھے ہدایات ملی تھیں۔ اس کے بعد یہاں رکنا بے مقصد ہی تھا' میں نہیں جانتا تھا کہ آگے میرے لئے کیا احکامات ہیں۔ اگر کوئی اور اسی قسم کا کام میرے سپرد کیا جاتا تھا تو میں ان پر بھی اسی انداز میں عمل کرنا چاہتا تھا' جس انداز میں اب تک عمل کیا تھا۔ یہ کایا پلٹ بڑی تعجب خیز تھی لیکن میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا' میں انتظار کرتا رہا' میرے کرم فرماؤں نے..... مجھ سے محبت کرنے والوں نے ان انصاف پسندوں نے مجھے مایوس کیا' جنہوں نے اب تک میری راہنمائی کی تھی۔

❄ ❄ ❄

باب نمبر 33

میرے لئے ایک امتحانی پرچہ ترتیب دیا گیا' مجھے طلب کیا گیا اور جب میں اس ٹوٹی مسجد میں پہنچا جو ایک ویرانے میں بنی ہوئی تھی اور جہاں تک میری راہنمائی نہایت پراسرار طریقے سے کی گئی تھی تو سب سے پہلے دو افراد نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس گہرے کنوئیں سے پانی نکالوں اور غسل کروں۔ وہ کنواں جس سے مجھے پانی نکالنے کے لئے کہا گیا تھا' اتنا گہرا تھا کہ شاید انسان تصور بھی نہ کر سکے۔ ایک بڑا سا برتن اس کے کنارے رکھا گیا تھا اور میں نے کنوئیں میں ڈول ڈال دیا تھا۔ رسی کا وہ گھٹر جو میرے قد کے برابر تھا' کنوئیں میں ڈوبتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔ مجھے لگا جیسے ڈول پانی سے بھر گیا ہو' پھر میں نے اسے کھینچنا شروع کیا اور شاید ساری زندگی کی مشقت ان چند لمحات میں ہو گئی۔ ایک ڈول پانی کو اس کنوئیں سے کھینچتے ہوئے مجھے چکر آ گئے تھے' یہاں تک کہ مجھے وہ برتن بھرنا تھا اور جب برتن میں پانی لبالب بھرا تو میرے اندر کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ میں ڈول کو ایک طرف ڈال کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تو مجھے اپنے کانوں میں آواز سنائی دی:

"یہ ان گناہوں کا کفارہ ہے جو تم نے کیے ہیں وہ عیش و آسائش اٹھا کر جو تمہیں گندے علوم نے بخشے تھے۔ یہ پانی تمہیں پاکیزگی دے گا' کیونکہ اس میں تمہاری مشقت ہے۔"

میں نے غسل کیا' لباس تبدیل کیا اور امتحان گاہ میں آ گیا' نامعلوم اور نامانوس آوازیں میرا تجزیہ کر رہی تھیں اور میرے نمبر لکھے جا رہے تھے اور پھر مجھے کامیاب قرار دیتے ہوئے کہا گیا:

اور جس وقت نیکیوں کے راستے اس کی نگاہوں کے سامنے کھلے تو اس نے آسائشیں چھوڑ کر نیکیوں کا رخ کیا اور گناہ نادانستگی میں ہوئے تھے اور اسے پاک قرار دیا جاتا ہے اور یہ آئینہ انعام میں دیا جاتا ہے لیکن یہ اس کے مستقبل کا آئینہ ہے وہ میلا بھدا اور ناتراشیدہ آئینہ میرے سامنے آ گیا اور میں نے اسے حیرانی سے دیکھا' بس ایک بھدا سا آئینہ تھا' یہ میری عمر بھر کی کاوشوں کا انعام تھا' مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن آئینے کا مقصد میرے علم میں تھا۔ آئینہ وہ چیز ہوتی ہے جس میں انسان کو اپنا عکس نظر آتا ہے' شاید اس میں میرے مستقبل کا کوئی عکس بھی ہو' میں نے آئینہ اپنے چہرے کے سامنے کیا اور میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ مجھے جو میری کاوشوں کا انعام اس شکل میں دیا گیا ہے' اس کا مقصد اور استعمال کیا ہے۔ آئینے میں مجھے ایک تحریر نظر آئی اور یہ تحریر اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہو گا کہ میری تمام تر زندگی کی کاوشوں کا بھرپور ترین صلہ تھی۔ ایسا صلہ جس کا کبھی کسی نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا گیا ہو گا۔ گندے علم انسان کو بہت سی قوتیں بخش دیتے ہیں' ان سے انہیں کچھ حاصل بھی ہو جاتا ہے لیکن جو حاصل ہوتا ہے وہ جائز نہیں قرار دیا جا سکتا' وہ ایک غلاظت کی دین ہوتی ہے لیکن اگر نیکیوں کا صلہ اس انداز میں مل جائے تو اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آئینے کی تحریر میں درج تھا:

"زندگی کی ان خواہشوں کو جو تمہارے دل میں پیدا ہوں' اپنے ذہن میں لاؤ اور آئینے میں دیکھو کہ ان میں کہاں تک جائز ہیں' کہاں تک ناجائز۔ یہ آئینہ تمہارے ضمیر کی عکاسی کرے گا اور ضمیر کی آواز ہمیشہ سچ ہوتی ہے اور اس سچ کو اگر تم حاصل بھی کرنا چاہو گے تو تمہاری خواہشوں کی تکمیل ہو گی۔ یہ دنیاوی انعام ہے اور اس کے بعد بھی اگر انعام کے طلبگار ہو تو خود اپنے دل میں جھانک کر دیکھنا اور پوچھنا کہ کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب۔" میں نے ان الفاظ کو اس مفہوم کو پڑھا اور میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا' وہ مل گیا تھا مجھے جو شاید ہی کبھی کسی کو ملا ہو اور اس پر یقین کرنا ایمان تھا' بجائے اس کے کہ میں مشکوک ہوتا یہ ان کی دین تھی' جو دنیا ترک کر چکے ہوتے ہیں اور قرب الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں اور مجھے دنیا سے الگ نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ دنیا کا ہی ایک حصہ بنا رہنے دیا گیا تھا اور صحیح معنوں میں یہی تو انعام تھا زندگی کا' وہ غلیظ دور جو لامذہب کی حیثیت سے

گزارا تھا' بلاشبہ اس طرح کا تھا جیسے کسی گندے جوہڑ میں زندگی گزاری جائے۔ راگنی اور اس کے علاوہ اور بہت سے کردار وہ تو سب غلاظتیں تھیں جو کالے دھرم کی دین ہوتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسان اپنے طور پر زندگی کی وہ آسائشیں حاصل نہ کریں جو حقیقی ہوتی ہیں تو بھلا زندگی کسی دلکشی کی حامل ہو سکتی ہے۔ اگر اس تحریر کے مطابق میں اپنے عمل شروع کروں تو واقعی زندگی کا رخ ہی بدل جائے۔ آئینے کو میں نے احتیاط سے اپنے لباس میں محفوظ کیا اور اس کے بعد ایسی آبادیوں کی تلاش شروع کر دی جہاں رہ کر میں ذہنی یکسوئی کے ساتھ فیصلہ کر سکوں کہ اب مجھے کہاں سے آغاز کرنا ہے۔

میں چلتا رہا اور بہت سے ذرائع سفر اختیار کیے۔ بیل گاڑی تانگہ اور اس کے بعد ریل میں بیٹھا تو یہ بات ذہن میں نہیں تھی کہ کہاں جا رہا ہوں اور کہاں جاؤں گا۔ بس بیٹھ گیا اور سفر کرتا رہا یہاں تک کہ ریل رک گئی۔ آخری سٹاپ آ گیا اور نیچے اترا تو حیرت سے دیکھا کہ یہ میرا اپنا شہر تھا وہ شہر جہاں میں نے زندگی کا آغاز کرنے کے بارے میں سوچا تھا۔ اسی شہر میں مجھے بہت سے ایسے کردار ملے تھے' جن سے میرا واسطہ رہا تھا اور میں ان کرداروں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ سرفہرست فیض اللہ صاحب تھے۔ میرے دل میں غم کے آنسو تیرنے لگے لیکن بہرحال اگر تقدیر نے مجھے اس شہر تک پہنچایا ہے تو ممکن ہے اس کا بھی کوئی پس منظر ہو اور میرا یہاں آنا کسی مقصد کے تحت ہی ہو۔ ایک چھوٹے سے جھونپڑا ہوٹل میں بیٹھ کر معمولی سی غذا کھائی اور اس کے بعد ایک ویران سی جگہ جا کر میں نے آئینے کو اپنے سینے کے قریب کے کپڑوں سے صاف کیا اور پھر دل میں سوچا کہ کیا زندگی کی آسائشیں حاصل کرنا میرے لئے مناسب اور ممکن ہے اور کیا ان آسائشوں کا اصول کسی غیبی ذریعے سے میرے لئے مناسب ہے۔ یہ تمام باتیں میرے دل میں سوچنے کے بعد میں نے آئینے میں دیکھا تو ایک بڑا سا لفظ لکھا نظر آیا:

"ہاں۔" اور دوسری چیز جو نظر آئی وہ لکھی ہوئی تھی "27 فضل روڈ' گرین ٹاؤن۔" بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہاں کے ساتھ 27 فضل روڈ گرین ٹاؤن۔ یہ بڑی حیران کن بات تھی' بہت دیر تک سوچتا رہا۔ فضل روڈ گرین ٹاؤن کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہیں تھیں لیکن جب معلومات حاصل کیں تو پتہ چل گیا اور اس کے بعد میں گرین ٹاؤن پہنچ گیا۔ بہت ہی دولت مند لوگوں کی آبادی تھی اور ایسے لوگ وہاں رہتے

تھے' جن کے بڑے بڑے عظیم الشان کاروبار تھے۔ گرین ٹاؤن کی کوٹھی نمبر 27 میں پہنچا جو فضل روڈ پر واقع تھی تو دروازے پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور پھر ایک دم اٹینشن ہو کر سلیوٹ کیا اور بولا:

"صاحب خیر تو ہے' آپ کدھر سے آ رہے ہیں اور یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے آپ نے۔"

چوکیدار کے الفاظ پر غور کیا۔ زندگی اس قدر پراسرار واقعات سے دوچار ہو چکی تھی کہ اب کوئی بھی بات ناقابل یقین نہیں لگتی تھی۔ چوکیدار کے ان الفاظ کو حیرانی سے تو بیشک سنا تھا' لیکن ناقابل یقین نہیں سمجھا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"چوکیدار تم مجھے پہچان گئے۔" چوکیدار ہنسنے لگا پھر بولا:

"صاحب مالک کا نمک کھاتے ہیں آٹھ سال سے' مالک کو نہیں پہچانیں گے؟"

"ٹھیک۔" میں اندر داخل ہو گیا۔ لگ رہا تھا اندر بہت سے ملازم موجود ہیں' کیونکہ یہ امداد غیبی تھی اِدھر میری راہنمائی کی گئی تھی' اس لئے مجھے آسانیاں نہ حاصل ہوتیں تو تعجب ہوتا۔ سارے کے سارے ملازم مجھے پہچانتے تھے۔ احتشام احمد ہی تھا میرا نام۔ بڑے سے ڈرائینگ روم میں ایک بہت ہی خوبصورت فریم میں میری بہت بڑی تصویر بھی لگی ہوئی تھی جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔ گویا یہ عطیہ تھا میرے لئے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بدل ماضی کی تمام آسائشوں سے کہیں زیادہ شاندار تھا۔ یہ کوٹھی' یہ ملازمین' یہ عیش و عشرت کوٹھی میں چار چار کاریں کھڑی ہوئیں دیکھی تھیں میں نے' یہ میری رہائش گاہ تھی' کمال ہے پتہ نہیں اس کا محل وقوع کیا ہوگا۔ کس طرح یہ وجود میں آئی ہوگی' کس کی ملکیت ہو گی' بس یہ غیبی باتیں ہیں جو اسرار و رموز کے پردوں سے ڈھکی رہتی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ چھان بین کرنا بے مقصد ہے۔ اول تو کوئی امکان نہیں ہے اس بات کا کہ اس رہائش گاہ کا کوئی اور دعوے دار منظر عام پر آئے گا۔ تصویر بھی میری ہی لگی ہوئی ہے' نام بھی احتشام احمد ہے۔ چنانچہ بیکار سی باتیں ہیں' یہاں آنے کے بعد میں بہت خوش تھا۔ انسانی فطرت سے الگ ہٹ کر کوئی بات کرنا میں سمجھتا ہوں عقل و دانش کی نشانی نہیں ہے۔ میری حیرتیں تمام تر ایمانی یقین کے باوجود قائم تھیں اور میں حیرانی سے سوچنے لگتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال وقت نے احساس دلایا کہ ایسا ہی ہے۔ ملازمین میری شخصیت سے باخوبی واقف تھے۔ مجھے شامی صاحب کہہ کر بھی مخاطب کیا جاتا تھا' یعنی وہ

سب کچھ جو ممکن ہو سکتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ حیرانی میری زندگی کا ایک حصہ تھی۔ مجھے اب دوسرے معاملات کے متعلق سوچنا تھا۔ اس دن میں اپنے پارک میں ٹہل رہا تھا کہ میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب ایک ٹیکسی بڑے گیٹ پر رکی۔ کسی نے نیچے اتر کر چوکیدار سے بات کی۔ میری نگاہیں اسی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور پھر میں نے افضال کو پہچان لیا۔ سو فیصد میرا دوست افضال ہی تھا' میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ ویسے تو افضال سے بہت ہی دوستی اور بڑی محبت رہی تھی' بچھڑ گیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی شخص میرا ایک بہترین ساتھی بھی رہا تھا۔ البتہ آئینے کے بارے میں مجھے اس سے کچھ کہنے سے پہلے اپنے لئے ہدایت لے لینا تھی' وہ اندر آیا تو میں نے گرمجوشی سے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"ابے باؤلے کہاں غائب ہو گیا تھا' کہاں چلا گیا؟"

"تو یہ عیش ہو رہے ہیں یاروں کے بغیر؟"

"تیرا پتہ ہی نہیں تھا مجھے۔"

"پھر پتہ کہاں سے لگا؟" افضال نے سوال کیا۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ افضال نے جو سوال کیا تھا اس کا مفہوم کچھ اور بھی ہو سکتا تھا' وہ خود ہی بولا:

"مگر تم نے پتہ خوب چلایا میرا۔ تمہارا ٹیلی فون ملنے پر مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ تم ہی ہو گے اور پھر یہ شاندار کوٹھی' یار ایک بات بتاؤ کہاں سے مار لیا یہ سب کچھ۔"

"بس افضال اللہ کی دین ہے' جائز اور ایماندارانہ طریقے سے ملے ہیں۔ ضمیر پر کوئی داغ قبول نہیں کیا میں نے۔"

"خیر وہ تو میں جانتا ہوں تم اس طرح کے انسان ہو ہی نہیں کہ ضمیر پر داغ لگا کر کوئی چیز حاصل کرو۔ میری طرف سے اس شاندار عیش و عشرت کی زندگی کے حصول پر مبارک باد قبول کرو۔ ویسے میرا ایک ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نوازتا ضرور ہے۔ اب یہ الگ بات ہے وہ اسے اپنی حماقتوں سے کھو دے یہ اس کی اپنی فطرت پر منحصر ہے۔"

"خیر چھوڑو تم کیا کر رہے ہو آجکل؟"

"وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے' جرم کی دنیا سے توبہ کر لی ہے کچھ

تھوڑی سی نیک ہدایتیں مل گئی ہیں۔ ایک چھوٹی سی فرم ہے' جس میں نوکری کر لی ہے۔ دال دلیا چل رہا ہے' کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ چھوٹی سی جھونپڑی ہے' جھونپڑی کی مالکہ ہر وقت لڑتی رہتی ہے۔ کرایہ بڑھانے کے لئے' اس کا بس چلے تو روزانہ کرائے میں اضافہ کر دے۔" افضال نے اپنی پوری داستان سنا ڈالی۔

"چلو ٹھیک ہے اس سے معذرت کر لو۔"

"اور یہاں آ جاؤں۔"

"ظاہر ہے..... کیوں...... نہیں آنا چاہتے کیا؟"

"یار یہ تو میں خود بھی کہنے والا تھا کہ یار کا گھر ہے پھر بھلا اس سے تکلف کیسا۔" میں ہنسنے لگا تھا۔ افضال کے آ جانے سے زندگی میں ایک اور خوشی کا احساس ہوا تھا لیکن میں ہر بات کے لئے محتاط تھا۔ میں نے افضال کی آمد کے سلسلے میں ہدایات لے لیں تھیں اور مجھ سے کہا گیا تھا کہ افضال کی آمد میرے لئے ایک اچھا شگون ثابت ہو سکتی ہے۔ افضال وہ تھا جسے میں نے زندگی کے ہر مرحلے میں ساتھی رکھا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ میرے بہت سے معاملات کا رازدار بھی تھا۔ میں نے اس سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپائی تھی لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو چھپانے کے لئے ہوتی ہیں۔ افضال نے ایک دن کھانے کے بعد خود ہی مجھ سے سوال کر دیا۔

"تمہاری زندگی کچھ محدود نہیں ہو گئی ہے شامی؟"

"محدود سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے' اتنا عرصہ تم نے میرے بغیر گزارا ہے' کہاں کہاں رہے' کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑا اور کون سے مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو' کم از کم کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"یار وہ جو ایک جملہ کہا جاتا ہے نا کہ آم کھانے سے مطلب پیڑ گننے سے کیا فائدہ؟"

"تمہارا کیا مطلب ہے' میں آم کھا رہا ہوں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا۔" افضال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہم دونوں آم کھا رہے ہیں۔" میں نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ بات کو میں نے بڑی خوبصورتی سے گول کر دیا تھا۔ افضال کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں بالکل ہی

محدود رہتا ہوں' نہ سیر و سیاحت میں دلچسپی لیتا ہوں اور نہ ہی باہر نکلتا ہوں۔ اس گوشہ نشینی کی وجہ کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی مناسب وقت افضال کو اس بات کا جواب بھی دے دوں گا اور پھر جواب کیا دینا تھا۔ میں نے خود بھی سوچا کہ باہر نکل کر تھوڑی سی سیر و سیاحت کی جائے۔ چنانچہ ہم نے باہر نکل جانے کا منصوبہ بنا لیا۔ شہر بہت خوبصورت تھا۔ ہمارے پاس زندگی کی آسائشیں تھیں۔ آج تک کبھی کسی نے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہم کون ہیں' اس کوٹھی سے ہمارا کیا واسطہ ہے۔ زر و جواہرات سے کوٹھی بھری پڑی تھی۔ کرنسی کی تعداد اتنی موجود تھی کہ زندگی بھر خرچ کیا جائے تو کم نہ ہو لیکن میں نے اپنے طریقہ کار میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں کی تھی۔

اس شام بھی ہم اپنی خوبصورت کار میں جا رہے تھے کہ راستے میں ہمیں ایک سنسان سڑک پر ایک پرانے طرز کی کار ملی' جو ذرا سا ٹکرا گئی تھی اور اس میں تین سواریاں بے ہوش پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ڈرائیور ایک عمر رسیدہ خاتون اور ایک نوجوان لڑکی۔ انسانی ہمدردی کے تحت ہم نے فوراً ہی ان کو ان کی کار سے نکالا' ہسپتال لے گئے۔ چوٹیں زیادہ نہیں تھیں لیکن بہرحال خواتین کی حالت خاصی خراب تھی۔ ہماری کاوشوں سے انہیں ہوش آیا۔ عمر رسیدہ خاتون اور نوجوان لڑکی نے ہم دونوں کا بے حد شکریہ ادا کیا تھا۔ پھر ہم ان کی تیمارداری کو جاتے رہے۔ لڑکی کا نام تصور تھا' خاتون ہما خانم کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ ہم لوگ خاصے بے تکلف ہو گئے' زیادہ تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ کچھ لوگ اور آنے جانے لگے تھے لیکن ان میں کوئی مرد نہیں تھا۔ میں نے معلومات حاصل کیں تو معمر خاتون نے کہا:

"نہیں ہمارے ساتھ کوئی مرد نہیں رہتا۔ میں ہوں' میری تین بیٹیاں ہیں۔" بہرحال ہم نے زیادہ چھان بین نہیں کی۔ تصور اور دوسری لڑکیاں جو تنویر اور رانا تھی' ہم سے کافی بے تکلف ہو گئی تھیں اور ان کی بے تکلفی میں بڑی بے حجابی پائی جاتی تھی۔ آخر کار وہ ٹھیک ہو گئیں اور ہم نے خود ہی انہیں تجویز پیش کی کہ ہم انہیں ان کے گھر چھوڑ کر آئیں گے۔ عمر رسیدہ خاتون نے ہچکچائی ہوئی نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے کہا کہ بیٹے ہمیں یہیں سے رخصت کر دو تو بہتر ہے' ورنہ تمہارا سارا اعتماد ختم ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب خالہ جان' آپ بتلائیں تو سہی۔" افضال نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' آؤ بہرحال حقیقتوں کو چھپایا نہیں جا سکتا۔" ان کی باتیں بڑی پراسرار تھیں۔ میں خود بھی حیران تھا لیکن جب خاتون ہمیں گائیڈ کرتی ہوئی اپنی رہائش گاہ پر پہنچیں تو سب کچھ سمجھ آ گیا۔ وہ طوائف تھیں اور اپنی اصلیت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہن کو جھٹکا تو لگا تھا لیکن اس دوران خاتون کا رویہ' ان لڑکیوں سے بے تکلفی ایسی رہی تھی کہ اب ایک دم دکھ ہوا تھا اس بات کا کہ ان سے ایک دم قطع تعلق کر لیا جائے۔ لڑکیاں بھی بڑی افسردہ نظر آ رہی تھیں۔ جب ہم وہاں سے چلنے تو معمر خاتون نے کہا:

"دیکھو بیٹے ہماری اصلیت ظاہر تو ہونا ہی تھی کسی نہ کسی وقت اور کسی نہ کسی دن' البتہ ایک بات تم سے کہنے کو دل ضرور چاہتا ہے وہ یہ کہ ہم برے لوگ ہیں' برائی ہماری ذات سے منسلک ہے لیکن تم یہاں آؤ گے تو یہ سوچ کر آ سکتے ہو کہ صرف ان اپنوں سے ملنے جا رہے ہو جو برے ہونے کے باوجود تمہارے حق میں برے نہیں ثابت ہوں گے۔ دل چاہے تو اس بات پر یقین کر لینا ورنہ تمہاری مرضی۔"

"خالہ جان ہم یہاں آتے رہیں گے' شام کے جھمگٹوں میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں۔" میں نے متاثر لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں کیوں دل ان لوگوں کی جانب راغب ہوتا تھا اور اس کی وجہ بھی ایک دن معلوم ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ میری سگی خالہ جان تھی۔ میری ماں کی سگی بہن۔ پرانے البم میں ایک دن تصویریں دیکھتے ہوئے میں نے اپنی ماں کی تصویر دیکھی' ایک ایسی ہستی جو میری پوری ذات پر محیط تھی۔ بھلا میرے لئے ناقابل شناخت کیسے ہوتی۔ میں لرز گیا تھا۔ ماں مجھے بتا گئی تھی اور مجھے پتا چل گیا تھا کہ میں کون ہوں۔ بہرحال میری جو کیفیت ہوئی وہ ناقابل بیان تھی اور میری اس کیفیت سے ہما خانم بہت پریشان ہو گئیں۔

"مجھے کچھ بتاؤ تو سہی بیٹے کیا ہوا' کیا بات ہے؟" تینوں لڑکیاں بھی میرے گرد جمع ہو گئیں تھیں۔ افضال اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ میں نے لرزتے ہوئے لہجے میں تصویر کی جانب انگلی اٹھا کر کہا:

"یہ کون ہیں؟" میرے سوال پر ہما خانم کے چہرے پر نمی آ گئی۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا:

"میری بہن ہے یہ؟"

"کہاں گئی؟"

"ایک شیطان کی شیطانیت کا شکار ہو گئی۔ اپنا آبائی کاروبار چھوڑ کر شرافت کی تلاش میں نکلی تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ وہی شریف زادے تو ہوتے ہیں جو یہاں آ کر تماشے کرتے ہیں اور اپنے گھروں میں واپس جا کر ان سے بھی بڑے تماشے کرتے ہیں۔ نام تھا اس شخص کا اختیار احمد۔ دھوکے دے کر اس نے میری بہن کو اپنے جال میں پھانسا۔ وہ ہم سب سے بغاوت کر کے چلی گئی۔ گھر چھوڑ کر شادی کر لی اور اس کے بعد کہیں اور جا بسی' بعد میں اس بدبخت نے اپنے خاندان میں ہی شادی کر لی۔

اب یہ یہیں رہتا ہے اسی شہر میں۔" میں نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ہاں جانتی ہوں اسے اچھی طرح سے' ان شریف زادوں کو سارے چوہے کھانے کے بعد پھر سے شرافت کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے اور یہ سرٹیفکیٹ ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔ اب یہ ایک نیک اور پارسا آدمی کی حیثیت سے یہاں رہتا ہے۔"

"کون ہے یہ اور کہاں رہتا ہے؟"

"اتنا کیوں پوچھ رہے ہو بیٹے اور تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی' مجھے بھی تو بتاؤ؟"

"خالہ جان میں ماہ نور کا بیٹا ہوں۔ ماں مر چکی ہے اور مجھے اس شخص کی تلاش ہے' جس نے میری ماں کو دھوکہ دیا۔" بس اس کے بعد جو رقت آمیز مناظر منظر عام پر آ سکتے تھے' وہ آئے۔ ہما خانم بے اختیار ہو گئی۔ ہم لوگ روتے رہے۔ ہما خانم نے بہت سی باتیں کیں مجھ سے۔ کہنے لگی: "بیٹے ہم لوگ خاندانی طوائف ہیں' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ماہ نور نے جو کچھ کیا' میں نے اس میں اس کا ساتھ دیا۔ میں نے سوچا کہ غلاظت کے جوہر سے میری بہن نکل رہی ہے تو کیوں نہ اسے اس کا موقع دیا جائے لیکن تجربہ اچھا ثابت نہیں ہوا۔ ہمیں اندازہ ہو گیا کہ یہی کوٹھے ہمارے لئے محفوظ ہیں۔ ہم یہیں جی سکتے ہیں' باہر جا کر ہماری بچیاں دربدر ہو جاتی ہیں۔ وہ لوگ اس دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے جو کسی کنول کو کیچڑ سے نکال کر عزت و احترام سے اپنے گھر کے ڈرائینگ روم میں سجا لیں۔ نہیں ہوتے ایسے لوگ اس دنیا میں' وہ صرف قصے اور کہانیوں میں پائے جاتے ہیں۔" میں نے کہا:

"خالہ جان خدا کے واسطے مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے' جو میرا باپ ہے اور جس کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ وہ اسی شہر میں رہتا ہے۔"

"ہاں بیٹے اس کا نام اختیار احمد ہے اور وہ ایک بڑا کاروباری ہے۔ اس کے بعد میرے وجود پر ایک اور تازیانہ لگا جو نام اور جو پتہ تفصیل سے مجھے بتایا گیا وہ میرے لئے بڑی حیرت کا باعث تھا۔ یہ احمد صاحب ہی تھے جن کے ہاں فیض اللہ صاحب نے مجھے ملازم کرایا تھا اور جن کی بیٹی ریشم نے مجھے جیل پہنچایا تھا۔ میرا تن بدن جل کر آگ ہو گیا تو یہ ہے وہ شخص جو میری ماں کی بے کسی کا باعث بنا اور اس کے بعد مجھے بھی اس نے زندگی کے بھنور میں لا ڈالا۔ نہیں اختیار احمد صاحب تمہیں معاف کرنا میرے لئے مشکل ہو گا۔ دنیا میں سب کچھ برداشت کر سکتا تھا' اپنے اوپر غم اٹھا سکتا تھا' جو میں نے اٹھائے لیکن ماں کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا ہے اسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اختیار احمد صاحب کیا کروں میں تمہارے لئے۔ میں تو اس سلسلے میں اپنے اس منصف سے بھی کام نہیں لے سکتا کہ کہیں کوئی ایسی ہدایت مجھے نہ مل جائے جو میرے راستے روک دے۔ ایسا نہیں کر سکوں گا میں' ایسا نہیں کر سکوں گا میں' پھر میرے ذہن میں فیض اللہ صاحب آئے۔ بہرحال اس وقت ان ساری باتوں کو ہما خانم کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ البتہ میں نے ہما خانم سے کہا:

"خالہ جان ایک بات بتائیے' کیا آپ اس جگہ کو چھوڑنے کے لئے خلوص دل سے تیار ہو جائیں گی؟" ہما خانم نے مجھے بے بس نگاہوں سے دیکھا اور بولیں:

"نہیں بیٹے ابھی ممکن نہیں ہے۔" میں نے خود بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ افضال کو بھی میں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا' البتہ وہاں سے واپس چلتے ہوئے میں نے پورا پورا وعدہ کر لیا تھا کہ میں روزانہ یہاں آیا کروں گا اور خالہ جان کے ساتھ کچھ وقت گزارا کروں گا۔ یہ تصور میرے لئے ایک گالی تھا کہ میرے اپنے خون کے رشتے دار میری ماں کی بہن اور میری خالہ زاد بہنیں لوگوں کے سامنے رقص کریں لیکن میں نے کچھ دن کے لئے ان سے درخواست ضرور کی تھی اور کہا تھا:

خالہ جان آپ کے روزانہ اخراجات آپ کی ماہانہ آمدنی جتنی بھی ہے' اس کا تعین کر کے صرف ایک مہینہ مجھے دے دیجئے' ایک مہینے تک یہ سلسلہ بند رکھیے گا اس کے بعد

آپ کا جو دل چاہے کیجئے' یہ اخراجات میں آپ کو پیش کیے دیتے ہوں۔"

"نہیں بیٹے ہم تم سے کچھ نہیں لیں گے لیکن تمہاری ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔ کوئی ایسی تدبیر کر لیتے ہیں کہ ایک مہینے تک یہاں رقص و موسیقی کا کوئی پروگرام نہ ہو' وہ میں کر لوں گی تم بے فکر رہو۔" افضال نے مجھ سے میری بے چینی کی وجہ پوچھی۔ آج ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھا سکا تھا گھر پر۔ اس نے کہا:

"یار کوئی بات مجھے بھی تو بتاؤ' آخر میں تمہارا دوست ہوں؟"

"بتاؤں گا افضال ذرا اطمینان سے بتاؤں گا' تھوڑے سے اہم معاملات ہیں ذرا انہیں نپٹا لوں۔" آئینے سے میں نے صرف ایک سوال کیا:

"میری راہنمائی کی جائے میں فیض اللہ خان کے اہل خانے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟"

"جس کوٹھے پر تم گئے تھے اس سے بالکل ملحقہ برابر والے گھر میں فیض اللہ صاحب کی دونوں بیٹیاں اور ان کی بیگم رہ رہی ہیں۔ کامنی بائی نامی ایک عورت ہے' جس نے ان دونوں لڑکیوں کو خریدا ہے۔ بری عورت نہیں ہے' لڑکیوں کو رقص و موسیقی کی تربیت دی جا رہی ہے۔ اس نے از راہ انسانیت فیض اللہ صاحب کی بیگم کو بھی اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ لڑکیاں بڑی ہو رہی ہیں اور کامنی بائی ان کے ذریعے اپنا کوٹھا آباد کرنا چاہتی ہے۔" دیوانگی طاری ہو گئی تھی مجھ پر۔ دہشت زدہ ہو گیا تھا میں۔ اسی وقت افضال کو ساتھ لیا اور دیوانوں کی طرح گاڑی دوڑاتا ہوا ہما خانم کے کوٹھے پر جا پہنچا۔ ہما خانم مجھے دوبارہ دیکھ کر حیران رہ گئیں تھیں۔ ویسے یہ وقت کوٹھے کے آباد ہونے کا تھا لیکن انہوں نے اپنے وعدے کا مکمل پاس کیا تھا اور کوٹھے پر تاریکی طاری تھی وہ مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئیں' انہوں نے میرا دھواں دھواں چہرہ دیکھ کر کہا:

"کیا بات ہے شامی خیریت تو ہے' کیا ہوا کیا قتل کر دیا تم نے اختیار احمد کو؟"

"نہیں خالہ جان اس وقت' ایک اور کام سے آیا ہوں آپ کے پاس۔"

"ہاں ہاں بولو' میں تو تمہاری صورت دیکھ کر ہی پریشان ہو گئی ہوں۔ ہم سب پریشان ہی بیٹھے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اللہ خیر کرے۔"

"خالہ جان آپ کے برابر کوئی کامنی بائی رہتی ہے؟"

"ہاں۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے کہ کامنی بائی نے دو لڑکیاں خریدی ہیں؟"

"انہیں تو سال ہو گیا پورا۔ بچیاں بہت پیاری ہیں' شریف زادیاں ہی ہیں لیکن بیٹے بہت سی شریف زادیاں یہاں آتی ہیں اور بعد میں وہ بن جاتی ہیں جو وہ نہیں ہوتیں' لیکن کامنی اچھی عورت ہے' اس نے ان دونوں بچیوں کی ماں کو بھی ساتھ رکھا ہوا ہے۔ بیچاری گھر کے کام کاج کرتی ہے۔ پانچوں وقت کی نمازی ہے' روتی رہتی ہے لیکن ایسا ہوتا ہے بیٹے' تم کیوں پوچھ رہے ہو ان کے بارے میں؟"

"خالہ جان وہ ایک ایسے شخص کی بیٹیاں ہیں' جنہیں میں اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہوں۔ خالہ جان آپ کے ذریعے اگر کامنی بائی سے شریفانہ سودا ہو سکے تو براہ کرم میرا یہ سودا کرا دیجئے۔ البتہ یہ بات کامنی بائی سے آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس نے اس سلسلے میں کوئی تعرض کیا تو میں اسے فنا کر دوں' ختم کر ڈالوں گا میں اسے۔"

"بیٹے وہ تین لڑکیاں ہیں ایک نجمہ ہے' ایک صوفیہ اور چھوٹی کا نام شاید عظمیٰ ہے' تم دو کہہ رہے ہو۔"

"نہیں شاید دو میرے منہ سے غلط نکل گیا' وہ تین ہی بچیاں ہیں۔" میں نے کہا:

"اگر تم چاہو تو کامنی بائی سے بات کی جا سکتی ہے۔ ان کے بارے میں۔ ببلو ایجنٹ ہے' اس سے خریدا تھا کامنی بائی نے انہیں' مگر اس سے کوئی واسطہ نہیں' جیسا تم کہو چلیں کامنی بھائی کے ہاں۔"

"اس وقت اس کا کوٹھا آباد ہو گا؟"

"ہاں۔"

"ویسے خالہ جان ان بچیوں نے ناچنا گانا شروع کیا ہے؟"

"نہیں ابھی تو سکھا رہی ہے کامنی بائی انہیں' ابھی لوگوں کے سامنے نہیں لائی۔"

"تو پھر کل دن میں رکھ لیتے ہیں۔" دوسرے دن میں خالہ جان اور افضال کو لے کر کامنی بائی کے کوٹھے پر پہنچا تو کامنی بائی نے حیرانی سے ہمارا استقبال کیا۔

"یہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں' کامنی بائی۔" ہما خانم نے کہا۔

"ہاں اں کیا بات ہے بیٹے؟"

"کامنی بائی حالات جیسے بھی رہے' صورت حال جو کچھ بھی ہے' آپ نے .بلو دلال سے جن تین بچیوں کو خریدا ہے' وہ میری عزیز ہے' میں انہیں کھو بیٹھا تھا۔" پتہ لگاتا رہا ہوں ان کا۔ کامنی بائی وہ شریف زادیاں ہیں اتنی شریف زادیاں کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کون سا امتحان ہے جو ان سے لیا گیا ہے۔ ایک ایسے نیک خاندان کی بچیاں ہیں وہ کہ آپ تصور نہیں کر سکتیں۔ میں آپ کو ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں کامنی بائی' ان لڑکیوں اور ان خاتون کو تو مجھے لے ہی جانا ہے ہر قیمت پر چاہے اس کے لئے مجھے پھانسی کے پھندے تک جانا پڑے۔ آپ اسے ذہن نشین کر لیجئے کہ میں آدھی دنیا کو قتل کر دوں گا' اگر وہ میرے راستے میں آئی لیکن میں آپ کو پیشکش کرتا ہوں کہ جتنی قیمت میں آپ نے انہیں خریدا ہے' جتنے اخراجات آج تک ان پر کیے ہیں' ان کو سو سے ضرب دے لیجئے' میں آپ کو سو گنا معاوضہ ادا کر دوں گا ان کا' جو کہہ رہا ہوں اگر وہ کر دوں تو میری بات مان لیجئے' ورنہ آپ کو اختیار ہو گا۔ ہاں اگر آپ نے میری اس جذباتی کیفیت کو نظرانداز کر دیا اور سودا پر آمادہ نہ ہوئیں تو آپ کے اور میرے دونوں کے لئے مشکل ہو جائے گی۔" کامنی بائی نے سر پر ہاتھ مار کر کے کہا:

"بیٹا آدھی دنیا ختم کرنے کا حق کس نے دے دیا تمہیں' ارے ہمیں مارنے کی بات کرتے تو بات دوسری تھی' دیکھو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان بچیوں سے میں نے اپنے کوٹھے کا مستقبل وابستہ کر لیا تھا اور تم یقین کرو بڑی امیدیں تھیں مجھے ان سے' لاکھوں کماتی میں ان سے لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے' تمہاری عزیز ہے وہ تو ٹھیک ہے لے جاؤ۔ رازق تو اللہ ہے وہی دے گا' جو کچھ بھی ہو گا' ہاں دیکھ لینا کہیں حساب کتاب زیادہ نہ بن جائے۔ میں صرف تمہیں یہ بتا دوں گی کہ میں نے کتنا خرچ کیا ہے ان پر باقی تم خود سوچ لینا۔"

"میں ملنا چاہتا ہوں ان سے؟"

"مل لو۔" اور اس کے بعد میں ایک شدید امتحان سے دوچار ہونے کے لئے اندر چل پڑا' میں نے کمرے میں جو منظر دیکھا وہ ایسا تھا کہ میرے علاوہ کامنی بائی اور ہما خانم بھی زار و قطار رو پڑیں۔ عظمیٰ' نجمہ اور صوفیہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے پاکیزہ چہروں سے نور ٹپک رہا تھا۔ چچی جان بھی ان کے قریب ہی صف بنائے بیٹھی تھیں اور ان

کی مدھم آوازیں گونج رہیں تھیں۔

"معبود حق کا کام ہی معجزے رونما کرنا ہے' جہاں انسانی سوچ بے اثر ہو جاتی ہے وہاں تیری رحمت ایسے گل کھلاتی ہے کہ انسانی عقل کے اور تیرے درمیان کا اثر ظاہر ہو جائے۔ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہے' کوئی رکھوالا نہیں ہے۔ تیرے سوا ہماری عزت داغدار ہونے سے بچا لے' ہم اس کوٹھے سے کود کر بھی خودکشی کر سکتے ہیں' زہر پی سکتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تو خود ہمیں ایسی موت دے دے جو خودکشی نہ کہلائی جا سکے۔ معبود تاکہ ہم تیرے حضور سرخرو رہیں اور تیرے حکم سے منحرف نہ ہوں جو تو نے خودکشی نہ کرنے کے لئے دیا ہے۔ مالک یہ تو ہم جانتے ہیں کہ غیب سے ہی سب کچھ نمودار ہو سکتا ہے' دنیا سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کون ہمیں آنے والے وقت کی مصیبتوں سے بچا سکتا ہے تیرے سوا۔ ہم تجھ سے زندگی نہیں موت مانگتے ہیں' کیونکہ زندگی ہمارے لئے کسی طور بہتر نہیں ہو گی۔ ہماری فریاد سن لے.. تینوں لڑکیوں نے ان کے ساتھ آمین کہا تھا۔ میں کامنی اور ہما خانم دروازے میں کھڑے ہوئے اشکبار آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے' وہ پلٹیں اور چونک پڑیں اور پھر ایک اور کمزور لمحہ آیا۔ عظمیٰ نے مجھے سب سے پہلے پہچان لیا۔ بڑی ہو گئی تھی' بہت پیاری لگ رہی تھی' چہرے کی پاکیزگی اور نور بے مثال تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلائے تو وہ بے اختیار ہو کر میرے سینے سے آ لگی۔

"میری بیٹی' میری بچی۔" میں خود بھی بے اختیار ہو گیا تھا' پھر چچی جان نے بھی مجھے پہچان لیا تھا اور پھر اس کے بعد جو دلدوز مناظر دیکھنے میں آئے وہ ناقابل بیان ہیں۔ کامنی بائی بھی جذباتی ہو گئی تھی اس نے کہا:

"بیٹے ہمارے تمہارے درمیان حساب کتاب بعد میں ہوتا رہے گا' انہیں اسی وقت یہاں سے لے جاؤ۔"

"کامنی بائی یہ حقیقت ہے کہ نیکیاں کہیں محدود نہیں ہوتیں' خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔" ہما خانم میرے ساتھ میری کوٹھی تک آئی تھیں۔ میری خالہ زاد بہنیں بھی ساتھ ہی آئیں تھیں۔ چچی جان عظمیٰ' نجمہ اور صوفیا کو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ اب وہ یہیں رہیں گی عزت و آبرو کے ساتھ ان لوگوں کو بمشکل تمام اپنی اس خوش بختی پر یقین آیا تھا اور جب یقین آیا تھا وہ سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔ میرا گھر جس

خوبصورتی سے آباد ہوا تھا' اس نے میرے دل و دماغ کو فرحت بخشی تھی اور میں بہت مصروف ہو گیا تھا لیکن اختیار احمد کو میں اپنے ذہن سے کھرچ کر نہیں پھینک سکا تھا۔ ان لوگوں سے زیادہ میرا رازدار اور کون ہو سکتا تھا' چنانچہ میں نے چچی جان کو ساری تفصیلات بتائیں۔ عظمیٰ وغیرہ کو بھی سب پتا چل گیا تھا۔ ہما خانم اور تصور کے علاوہ باقی دونوں بہنیں بھی اب روزانہ ہی رات کے کھانے پر میرے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ ہم لوگ یہ طے کر رہے تھے کہ اختیار احمد کے سلسلے میں کیا کیا جائے اور پھر وہ تجویز افضال نے ہی دی تھی مجھے۔ اس نے کہا:

"ریشم بھی اس درمیان ملوث ہے بلکہ تمہیں جیل بھجوانے کا کام بھی اسی نے کیا ہے۔ ریشم کے لئے رشتہ دیا جائے اور تم عین شادی والے دن اختیار احمد پر حقیقت منکشف کرو' ویسے تو اختیار احمد کے ساتھ ہر طرح کا سلوک کیا جا سکتا ہے۔ سربازار انہیں سڑکوں پر گھسیٹا جا سکتا ہے لیکن بہت عزت دار بنتے تھے نا وہ اس لئے ان کی عزت کو اس طرح سربازار نیلام کیا جائے۔" افضال کی اس تجویز پر میں بے حد خوش ہو گیا تھا۔

کاوشوں کا آغاز ہو گیا۔ چچی جان وغیرہ کو ہم لوگوں نے پس منظر میں رکھا تھا۔ ہما خانم کو بھی سامنے نہیں لائے تھے۔ بہت ہی ذہانت کے ساتھ ہم نے اپنا کام سرانجام دیا۔ میری کوٹھی اور میری دولت کے جو مظاہرے اختیار احمد صاحب نے دیکھے انہیں دیکھ کر وہ بری طرح ریجھ گئے اور آخر کار ریشم کے ساتھ میرا رشتہ منظور ہو گیا۔ نک چڑھی ریشم نے مجھ سے ملاقات کے لئے خواہش کا اظہار کیا اور خفیہ طریقے سے اس کا بندوبست بھی کر دیا گیا۔ ایسے لوگ بھی درمیان میں تھے' جنہوں نے ریشم کی یہ فرمائش قبول کر لی تھی اور اس کا انتظام بھی کر دیا گیا تھا۔ اختیار احمد صاحب نے ایک بار مجھے دیکھا تھا' اور کہا تھا:

"نہ جانے کیوں آپ کی شکل مجھے جانی پہچانی لگتی ہے' احتشام احمد صاحب۔"

"جانی پہچانی سی لگنی چاہیے' ظاہر ہے میں آپ کے خاندان کا ایک فرد ہوں اب۔"

ریشم سے میری ملاقات ہوئی تو وہ بھی چونک پڑی اور بولی:

"آپ' آپ کا نام بھی احتشام ہی ہے لیکن آپ۔" وہ حیرانی سے خاموش ہو گئی۔

"کیا بات ہے مس ریشم' کیا کوئی اور احتشام بھی آپ کی زندگی میں آ چکے ہیں؟"

"نہیں میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں ذہن کے کسی گوشے میں آپ کی

شکل محفوظ ہے۔" بہرحال ریشم کو میں نے اس بات پر مطمئن کر دیا کہ میری اور اس کی یہ پہلی ہی ملاقات ہے اور اس سے پہلے ہم کبھی نہیں ملے تھے۔ سارے معاملات رفتہ رفتہ طے ہوتے رہے اور آخر کار اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے کے لئے ہم سب باجماعت پہنچ گئے۔ اس دن چچی جان بھی بارات میں شریک تھیں اور ہما خانم بھی' لڑکیاں بھی کچھ اور معززین بھی' بارات پہنچ گئی۔ اندر جو بھی صورت حال ہو ظاہر ہے' چچی جان کو وہاں پہچانا جاتا تھا۔ میں دولہا بنا بیٹھا ہوا تھا۔ قاضی صاحب آ چکے تھے۔ تمام معززین جمع تھے اور مناسب وقت آ گیا تھا کہ میں اپنا کھیل شروع کروں' چنانچہ میں کھڑا ہوا' سہرا اتار کر ایک جگہ رکھا اور سب مجھے چونک کر دیکھنے لگے۔ اختیار احمد صاحب بھی' میں نے معززین کو مخاطب کر کے کہا:

"محترمین آپ سب لوگ عزت دار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں' بڑی بڑی حیثیتوں کے مالک ہیں آپ۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا ماضی کیا ہے لیکن ایک شخص کا ماضی میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں' بلکہ یوں سمجھئے کہ ایک ایسی گھناؤنی شخصیت کو منظر عام پر لانے کے لئے میں نے آج آپ سب کو زحمت دی ہے' جو انتہائی مکروہ صورت کی مالک ہے' یہ لوگ گھناؤنے کردار رکھتے ہیں۔ سب کے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ صاحب جن کا نام اختیار احمد ہے' اپنے دور اختیار میں طوائفوں کے کوٹھے پر جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے ایک معصوم طوائف کو اپنی شرافت کے واسطے دے کر شادی کے لئے مجبور کر دیا اور اس سے نکاح کر کے لے آئے اور اپنی دولت کے بل پر اس کی کفالت کرتے رہے' پھر انہوں نے اپنے اہل خاندان کے سامنے اپنی شرافت کو قائم رکھنے کے لئے خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی وہ عورت جسے طوائف کے کوٹھے سے لایا گیا تھا' اس کا نام ماہ نور بانو تھا اور وہ میری ماں تھی۔ بیٹا ہوں میں اختیار احمد صاحب کا جائز بیٹا' کیونکہ انہوں نے میری ماں سے نکاح کیا تھا۔ محترمین میری ماں مر گئی لیکن میرے دل پر یہ زخم چھوڑ گئی کہ میں اپنے باپ کو تلاش کروں' میں اپنے باپ کو تلاش کرتا ہوا اختیار احمد صاحب کی کوٹھی تک آ گیا اور یہاں ملازمت کر لی ان کی خاندانی خاتون شرافت کی پتلی بیگم صاحب کے بطن سے پیدا ہونے والی لڑکی ریشم' جس سے آج میری شادی کی جا رہی ہے' میری جانب ملتفت ہوئی اور جب میں نے اس کے ناپاک

ارادوں میں اس کا ساتھ نہ دیا تو اس نے مجھ پر الزام لگا کر مجھے جیل بھجوا دیا۔ میں نے جیل میں سزا کاٹی' رہا ہوا اور اپنے خاندان کی تلاش کی۔ اختیار احمد صاحب منظر عام پر آ گئے' حالانکہ یہ میری صورت شکل کو جانتے تھے لیکن میری دولت نے ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا اور یہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ میں ماہ نور بانو کا بیٹا ہوں' ریشم ان کی دوسری بیگم کی بیٹی ہے' میری اس سے شادی ہو سکتی ہے یا نہیں یہ میں نہیں جانتا لیکن میں ایک ایسی آبرو باختہ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جو ایک گندے فطرت باپ کی بیٹی ہے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اختیار احمد صاحب پر' ان کی بیٹی پر۔ آپ لوگ بھی لعنت بھیج کر ثواب دارین حاصل کریں۔ میں نے دونوں ہاتھ سامنے کیے اور پھر زمین پر تین بار تھوک کر وہ ہاتھ منہ پر پھیر لیے اور اس کے بعد افضال کے ساتھ واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ خواتین بھی باہر آ گئیں' اختیار احمد پتھر کے بت بنے ہوئے کھڑے تھے' ہم لوگ وہاں سے واپس چل پڑے اور اس کے بعد افضال احمد مجھے اور تمام خواتین کو لے کر سیدھا قبرستان پہنچا' میں نے ماں کی قبر پر پہنچ کر فاتحہ پڑھی اور کہا:

"کاش میں تمہاری زندگی میں ہی یہ سارا منظر تمہیں اپنی آنکھوں سے دکھا سکتا۔ تیرا بیٹا پاس ہو گیا ہے ماں' میرا رزلٹ نکل آیا ہے۔ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ بہترین نمبروں سے کامیاب ہوا ہوں۔ میں نے تیری ڈائری کا بھرم رکھ لیا ہے اور اب تیرے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں' یہ کہہ کر ہم لوگ روتے ہوئے وہاں سے واپس پلٹ پڑے' زندگی کے نشیب و فراز چلتے ہی رہتے ہیں۔ وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے سب کو اپنے اپنے ٹھکانے مل گئے ہیں۔ میں بھی اپنے گھر میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ خوش ہوں۔ میرے گھر کی تمام تر ذمہ داری میرے اپنوں نے سنبھال رکھی ہے۔ ہم سب ساتھ رہتے ہیں' باقی اور آگے کیا لکھوں خدا حافظ۔

❄ ❄ ❄